مواعظِ عثمانی

اِصلاحی تقاریر و مضامین کا موضوع وار مجمُوعہ

آدابِ زندگی (حصہ دوم)

جلد: ۱۱

مُفتی محمد تقی عثمانی



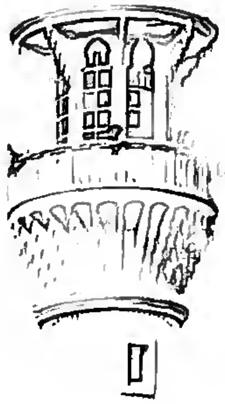
مکتبۂ معارف القرآن کراچی ۱۴
(Quranic Studies Publishers)

مواعظِ عثمانی

آدابِ زندگی

جلدِ ۱۱

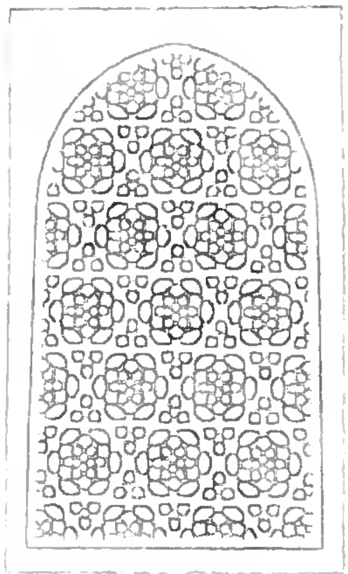
بسم الله الرحمن الرحيم



مواعظِ عثمانی

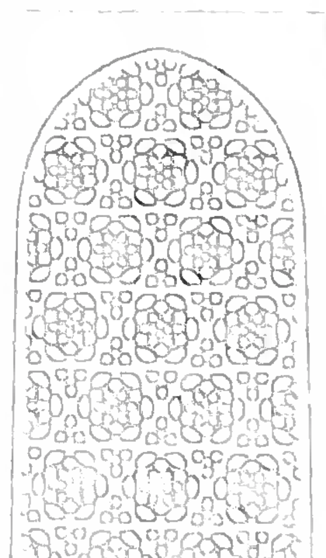
آدابِ زندگی

جلد: ۱۱



مفتی محمد تقی عثمانی

ترتیب و تخریج
مولانا عنایت الرحمٰن



مکتبہ معارف القرآن کراچی
(Quranic Studies Publishers)
Karachi, Pakistan.

عرضِ ناشر: الحمد للہ اگرچہ مکتبہ معارف القرآن کراچی نے "مواعظِ عثمانی" کی تصحیح وطباعت میں ہر ممکن احتیاط سے کام لیا ہے، لیکن کبھی کبھی کتابت، طباعت اور جلد سازی میں سہواً غلطی ہو جاتی ہے۔
اگر کسی صاحب کو ایسی کسی غلطی کا علم ہو تو براہ کرم مطلع فرما کر ممنون فرمائیں۔

باہتمام
ڈاکٹر مفتی محمد حسان اشرف عثمانی

طبع : ربیع الاول ۱۴۴۶ھ - ستمبر ۲۰۲۴ء
ناشر : مکتبہ معارف القرآن کراچی

فون : 92-21-35123130
35031565
0312-2592838
ای میل : info@mmqpk.com
mm.q@live.com
ویب سائٹ : www.mmqpk.com
www.maktabamaarifulquran.com

مکتبہ معارف القرآن کراچی
(Quranic Studies Publishers)
maktabamaarifulquran.com
احاطہ جامعہ دارالعلوم کراچی، کورنگی انڈسٹریل ایریا، کراچی، پاکستان- 75180

ملنے کے پتے

- مکتبہ دار العلوم، کراچی
- دار الاشاعت، کراچی
- بیت القرآن، کراچی
- مکتبۃ القرآن، کراچی
- بیت الکتب، کراچی
- ادارۂ اسلامیات، کراچی/لاہور
- مکتبہ عمر فاروق، کراچی
- فخر الدین کانچ والا، کراچی
- مکتبہ اصلاح و تبلیغ، حیدر آباد
- ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان
- مکتبہ رحمانیہ، لاہور
- مکتبہ بیت العلوم، لاہور
- مکتبہ سید احمد شہید، لاہور
- الفلاح پبلیشرز، لاہور
- اسلامی کتاب گھر، فیصل آباد
- مکتبہ اسلامیہ، فیصل آباد
- مکتبہ صفدریہ، راولپنڈی
- اسلامی کتاب گھر، راولپنڈی
- مکتبہ عثمانیہ، راولپنڈی
- مسٹر بکس، اسلام آباد
- دار السلام، اسلام آباد
- مکتبہ رشیدیہ، راولپنڈی
- مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ
- دار الاخلاص، پشاور
- مکتبہ احیاء العلوم، کرک
- مکتبہ عباسیہ، تیمر گرہ
- مکتبہ احرار، مردان
- قرآن مجید محل، مردان

پیشِ لفظ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد لله رب العالمین ، والصلاة والسلام علی رسوله الکریم وعلی آله وأصحابه أجمعین، وعلی کل من تبعهم بإحسان إلی یوم الدین

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرّہٗ نے بندے کو دارالعلوم ۱۹۵۹ء میں دورۂ حدیث کی تکمیل کے بعد ہی سے جمعہ کی تقریر کرنے پر مقرر فرمادیا تھا، شروع میں اپنے لسبیلہ ہاؤس والے گھر کے قریب عزیزی مسجد میں کئی سال جمعہ کی تقریر کرتا رہا، پھر حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی علالت کے بعد جامع مسجد نعمان لسبیلہ ہاؤس میں سالہا سال جمعے کی تقریر کی نوبت آتی رہی۔ ۱۹۹۹ء میں میرے استاد گرامی حضرت مولانا سحبان محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ہوئی جو جامع مسجد بیت المکرم میں جمعہ پڑھایا کرتے تھے اور ان کی تعلیمات کا فیض دور تک پھیلا ہوا تھا، اس موقع پر مجھے جامع مسجد نعمان لسبیلہ ہاؤس سے بیت المکرم منتقل کیا گیا اور وہاں ۱۹۹۹ء سے ۲۰۲۰ء تک جمعہ کی تقریر کا سلسلہ رہا۔

میرے شیخ مکرم حضرت ڈاکٹر عبد الحی عارفی صاحب قدس اللہ سرہ کی

وفات کے بعد میرے استاذ حضرت مولانا سحبان محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حکم پر میں نے لسبیلہ ہاؤس کی جامع مسجد نعمان میں اور پھر بیت المکرم میں اتوار کے دن عصر کے بعد ایک اصلاحی مجلس کا سلسلہ شروع کیا، اس وقت میری تقریریں محفوظ کرنے کا کوئی انتظام نہیں تھا اور نہ میں انہیں اس قابل سمجھتا تھا کہ انہیں شائع کیا جائے، لیکن میرے انتہائی مشفق دوست حضرت پروفیسر شمیم احمد صاحب (جو اس وقت ''معارف القرآن'' کا انگریزی ترجمہ کر رہے تھے) نے میرے معاون مولانا عبداللہ میمن صاحب سے یہ خواہش ظاہر کی کہ وہ ان تقریروں کو ریکارڈ کر کے قلمبند کرلیا کریں، چنانچہ انہی کی تحریک پر ان اصلاحی بیانات اور کسی قدر جمعے کے خطبوں پر مشتمل ایک طویل سلسلہ ''اصلاحی خطبات'' کے نام سے منظرِ عام پر آ گیا جس کی اب غالباً ۲۵ جلدیں ہو چکی ہیں۔

تجربے سے معلوم ہوا کہ بفضلہٖ تعالیٰ ان کی اشاعت مفید ہوئی اور حضراتِ ائمہ وخطباء بھی اپنی تقاریر میں ان سے مدد لینے لگے اور عام مسلمانوں کو بھی عام فہم انداز میں دین کی بنیادی معلومات آسانی سے پہنچنے لگیں، اس کے علاوہ بندہ کو مختلف مواقع پر کراچی یا کسی اور شہر میں، بلکہ کسی اور ملک میں بھی اس طرح کی تقریروں کا موقع ملتا رہا اور متعدد احباب انہیں قلمبند کر کے شائع کرتے رہے اور کسی خاص موضوع کے بارے میں انہی تقاریر سے متعدد مجموعے بھی مرتب کر کے شائع کیے گئے۔

مجھے ایک فکر ہمیشہ دامن گیر رہی کہ اصلاحی بیانات میں بسا اوقات واقعات اور احادیث میں صحت کا اتنا اہتمام نہیں ہوتا جتنا مستقل تالیفات میں ہوتا ہے، اس لیے میں نے اپنے احباب میں سے مولانا عنایت الرحمن صاحب کو اس پر

نامزد کیا کہ وہ میری تقاریر میں بیان کردہ احادیث یا سلف کے واقعات کی تحقیق وتخریج کریں اور جہاں غلطی ہوئی ہو، اس کی اصلاح کریں۔ میرے مشورے سے وہ یہ کام ماشاء اللہ قابلیت کے ساتھ کرتے رہے۔ مولانا عنایت الرحمن صاحب نے اس پر یہ اضافہ کیا کہ ''اصلاحی خطبات''، ''اصلاحی مجالس'' اور بیانات کے مختلف مجموعوں کو بھی عنوانات و مضامین کی ترتیب سے مرتب کیا اور جو تقاریر ''البلاغ'' میں یا کسی دوسرے رسالے میں شائع ہوئی تھیں یا کسی کتاب کا جز تھیں ان کا بھی استقصاء کر کے ایک نیا مجموعہ ''مواعظِ عثمانی'' کے نام سے مرتب کر دیا اور اس لحاظ سے یہ بندہ کی تقاریر، مواعظ اور بیانات کا سب سے زیادہ جامع مجموعہ ہوگیا ہے اور حسبِ استطاعت اس میں تخریج و تحقیق کا بھی اہتمام ہے جس سے اس کے درجۂ استناد میں بھی اضافہ ہوگیا ہے۔

دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ عزیزِ موصوف کی اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرما کر اس بے عمل کے لیے ذخیرۂ آخرت بنادیں اور اس سے عام و خاص مسلمانوں کو فائدہ پہنچے۔ آمین

دارالعلوم کراچی ۱۴

بندہ

محمد تقی عثمانی عفی عنہ

۱۵/محرم ۱۴۴۳ھ

عرض ناشر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم امابعد!

زیرِ نظر کتاب سلسلہ ''مواعظِ عثمانی'' جلد ۱۱ ''آدابِ زندگی (حصہ دوم)'' جو حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کے خطبات، تقاریر اور مضامین کا تخریج شدہ جامع اور مستند موضوع وار مجموعہ ہے۔ حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کو اللہ ربُّ العزت نے جو بے پناہ مقبولیت عطا فرمائی ہے وہ محتاجِ تعارف نہیں۔ حضرت والا دامت برکاتہم بیک وقت مفسر، محدث، فقیہ، ماہرِ معاشیاتِ اسلامی، مؤرخ، محقق، شاعر، ادیب اور مبلغ و داعئ اسلام ہیں۔ اسی دعوت وارشاد کا سلسلہ عرصۂ دراز سے ہفتہ واری مجلس کی صورت میں تاحال جاری ہے اور الحمد للہ اس سے بلا مبالغہ لاکھوں انسانوں کو فائدہ ہورہا ہے، جن میں غیر مسلم حضرات بھی شامل ہیں۔ اور اسی دعوت وارشاد کی برکت سے بہت سارے غیر مسلم حلقہ بگوش اسلام ہوئے ہیں اور آج ایک کامیاب زندگی گزار رہے ہیں۔ حضرت والا دامت برکاتہم کے انہی بیانات ومواعظ سے علماء، طلباء اور خطباء کرام استفادہ کرتے چلے آرہے ہیں۔ اور حضرت والا دامت برکاتہم کے جملہ بیانات ومواعظ تحریراً اور تقریراً عوام الناس میں مقبول ہیں اور ہر طبقہ ان سے مستفید ہورہا ہے۔

فاضل مرتب نے اس مجموعہ میں شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی

صاحب دامت برکاتہم کی درج ذیل کتب کا مکمل استیعاب کیا گیا ہے:

- حضور ﷺ نے فرمایا
- اصلاحی خطبات
- اصلاحی مواعظ
- اصلاحی مجالس
- خطباتِ عثمانی
- خطبات دورۂ ہند
- درسِ شُعب الایمان
- نشری تقریریں
- فرد کی اصلاح
- اصلاحِ معاشرہ
- تربیتی بیانات
- ذکر و فکر
- The Islamic months

اور اس کے علاوہ

- آسان ترجمہ قرآن
- اسلام اور ہماری زندگی
- انعام الباری
- تقریرِ ترمذی
- جہانِ دیدہ
- سفر در سفر
- دنیا مرے آگے
- اسلام اور جدید معاشی مسائل
- ہمارا معاشی نظام

کے منتخب مضامین، نیز ماہنامہ البلاغ اور دیگر مجموعوں اور رسائل میں شائع شدہ اور صوتی صورت میں محفوظ شدہ حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کے بعض بیانات و خطبات کو شامل کیا ہے۔ حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کی ہدایت پر اس کی تصحیح اور تحقیق کا اہتمام ہوا ہے۔ اس لحاظ سے یہ مجموعہ حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کے خطبات و مضامین کا جامع اور مستند ترین مجموعہ ہے۔ اس مجموعہ کی ترتیب، تحقیق و تخریج حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کی ہدایت پر ان کی نگرانی میں مولانا عنایت الرحمن صاحب نے کی ہے۔ اس مجموعہ کی خصوصیات اور تحقیق و تخریج کا طریقۂ کار اس مجموعہ کی پہلی جلد ''ایمان و عقائد و نظریات (حصہ) اوّل'' کے شروع میں درج ہے، اس کی مراجعت ان شاء اللہ مفید رہے گی۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس کاوش کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے اور اسے ادارہ کے جملہ احباب و معاونین کے لئے ذخیرۂ آخرت بنا دے۔ آمین یا رب العالمین۔

انتظامیہ مکتبہ معارف القرآن کراچی

فہرستِ عنوانات

اجمالی فہرستِ عنوانات

تفصیلی فہرست

جنازے اور چھینکنے کے آداب
اور کمزور کی مدد کرنا

(اصلاحی خطبات ۱۲/ ۱۰۴)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جنازے اور چھینکنے کے آداب اور کمزور کی مدد کرنا

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ، وَأَشْهَدُ اَنْ لَّا إِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا۔

أَمَّا بَعْدُ!

عن البراء بن عازب رضی اللہ عنہ قال: ”امرنا رسول اللہ ﷺ

بسبع: عيادة المريض، واتباع الجنائز، وتشميت العاطس، ونصر الضعيف، وعون المظلوم، وافشاء السلام، وابرار المقسم.“(۱)

جنازوں کے پیچھے چلنے کا حکم مردوں کے لیے ہے

ایک مسلمان کے ذمے دوسرے مسلمانوں کے جو حقوق ہیں، ان میں سے دو کا بیان پیچھے ہو چکا ہے:

① سلام کا جواب دینا

② مریض کی عیادت کرنا

تیسرا حق جو اس حدیث میں بیان فرمایا وہ ہے ”اتّباع الجنائز“ جنازوں کے پیچھے جانا۔ یہ بھی بڑی فضیلت والا کام ہے اور مرنے والے کا حق ہے۔ البتہ یہ حق مردوں پر ہے، عورتوں پر یہ حق نہیں ہے اور عیادت مریض کا عمل مرد کے لیے بھی ہے اور عورت کے لیے بھی ہے اور عیادت مریض کا جو ثواب مرد کے لیے وہی ثواب عورت کے لیے بھی ہے، لیکن جنازوں کے پیچھے جانا، صرف مردوں کے ساتھ خاص ہے، البتہ خواتین تعزیت کے لیے جاسکتی ہیں اور ان شاء اللہ، اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ ان کو تعزیت کرنے میں بھی وہی اجر و ثواب حاصل ہو جائے گا جو مردوں کے جنازوں کے پیچھے جانے سے حاصل ہوتا ہے۔

---

(۱) صحيح البخاری ۷۱/۲ (۱۲۳۹) و ۱۲۹/۳ (۳٤٤٥) و ۵۲/۸ (٦٢٣٥)۔

جنازے کے پیچھے چلنے کی فضیلت

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنازے کے پیچھے چلنے کی بڑی فضیلت بیان فرمائی ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”من شهد الجنازة حتیٰ يصلى عليها فله قيراط، ومن شهدها حتى تدفن فله قيراطان، قيل: ”وما القيراطان؟“ قال: ”مثل الجبلين العظيمين“[۱]

جو شخص جنازے کے ساتھ اس کی نماز پڑھی جانے تک حاضر رہے، اس کو ایک قیراط کا ثواب ملے گا اور جو دفن تک حاضر رہے تو اس کو دو قیراط ثواب ملے گا۔ کسی صحابی رضی اللہ عنہ نے سوال کیا: ”یا رسول اللہ! یہ دو قیراط کیسے ہوں گے؟ اس کے جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ دو قیراط دو بڑے پہاڑوں کے برابر ہوں گے“۔

بہر حال! نماز جنازہ پڑھنے اور دفن تک شریک ہونے کا بڑا عظیم ثواب ہے۔

جنازے میں شرکت کے وقت نیت کیا ہو؟

جنازے کے پیچھے جانے کا عمل ایسا ہے جو ہم سب کرتے ہیں، شاید ہی کوئی شخص ہوگا جو کبھی بھی جنازے کے پیچھے نہیں گیا ہوگا، بلکہ ہر شخص کو اس عمل سے سابقہ پڑتا ہے، لیکن صحیح طریقہ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے یہ عمل بھی ایک

---

(۱) صحیح البخاری ۸۷/۲ (۱۳۲۵) وصحیح مسلم ۶۵۲/۲ (۹۴۵)۔

رسمی خانہ پری ہوکر رہ جاتا ہے۔ مثلاً بعض اوقات جنازے میں شرکت کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اگر شرکت نہ کی تو لوگ ناراض ہوجائیں گے۔ یہ نیت اور مقصد غلط ہے۔ اس لیے جنازے میں شرکت کرتے وقت اپنی نیت درست کرلو اور یہ نیت کرلو کہ میں اس مسلمان کا حق ادا کرنے کے لیے شرکت کر رہا ہوں اور جنازے کے پیچھے چلنا، چونکہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے، اس لیے میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں شرکت کر رہا ہوں۔ اس نیت سے جب شرکت کروگے تو ان شاء اللہ تعالیٰ یہ عمل بڑے اجر وثواب کا باعث بن جائے گا۔

جنازے کے ساتھ چلتے وقت کلمہ شہادت پڑھنا

دوسرے یہ کہ جنازہ میں شرکت کرنے کا طریقہ سنّت کے مطابق ہونا چاہیے، ناواقفیت اور بے دھیانی کی وجہ سے ہم بہت سی سنتوں پر عمل کرنے سے محروم رہ جاتے ہیں اور بلا وجہ اجروثواب ضائع کر دیتے ہیں۔ ذرا سا دھیان اگر کرلیں گے تو ایک ہی عمل میں بہت سارے ثواب حاصل ہوجائیں گے۔ مثلاً ناواقفیت کی وجہ سے ہمارے یہاں ایک طریقہ یہ چل پڑا ہے کہ جب جنازے کو کندھا دیا جاتا ہے تو ایک آدمی بلند آواز سے نعرہ لگاتا ہے ''کلمۂ شہادت'' اور دوسرے لوگ اس کے جواب میں بلند آواز سے ''اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمداً عبدہ ورسولہ'' پڑھتے ہیں۔ یہ طریقہ بالکل غلط ہے، اس کی شریعت میں کوئی اصل نہیں۔ یہ عمل نہ تو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا، نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کیا اور نہ ہمارے بزرگانِ دین سے یہ عمل منقول ہے، بلکہ فقہاءِ کرام نے لکھا ہے کہ جنازے کے ساتھ جاتے ہوئے کسی قسم کا کوئی ذکر

بلند آواز سے کرنا مکروہ ہے اور جنازے کے ساتھ جانے کا ادب یہ ہے کہ خاموش چلے، بلا ضرورت باتیں کرنا بھی اچھا نہیں، لہٰذا ''کلمۂ شہادت'' کا نعرہ لگانا یا کلمۂ شہادت بلند آواز سے پڑھنا سنّت کے خلاف ہے، اس سے پرہیز کرنا چاہیے۔

جنازہ اٹھاتے وقت موت کا مراقبہ کریں

خاموش چلنے میں حکمت یہ ہے کہ خاموش رہ کر یہ غور کرو اور سوچو کہ جو وقت اس پر آیا ہے تم پر بھی آنے والا ہے۔ یہ نہیں کہ اس جنازے کو تو تم لے جا کر قبر میں دفن کردو گے اور تم ہمیشہ زندہ رہو گے، لہٰذا خاموش رہ کر اس موت کا مراقبہ کرو کہ ایک دن اسی طرح میں بھی مر جاؤں گا اور میرا جنازہ اسی طرح اٹھایا جائے گا اور مجھے بھی قبر میں دفن کردیا جائے گا۔ اس طرح موت کا مراقبہ کرنے کے نتیجے میں دل میں کچھ نرمی پیدا ہوگی اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کا احساس بڑھے گا۔ اس لیے خاموش رہ کر موت کا مراقبہ کرنا چاہیے، البتہ کوئی ضروری بات کرنی ہو تو کرسکتے ہیں، کوئی ناجائز اور حرام نہیں البتہ ادب کے خلاف ہے۔

جنازے کے آگے نہ چلیں

ایک ادب یہ ہے کہ جب جنازہ لے جارہے ہوں تو جنازہ آگے ہونا چاہیے اور لوگ اس کے پیچھے پیچھے چلیں، دائیں بائیں بھی ٹھیک ہے، لیکن جنازے کے آگے آگے چلنا ٹھیک نہیں، ادب کے خلاف ہے، البتہ کندھا دینے کی غرض سے

وقتی طور پر آگے بڑھ جائیں تو اس میں کوئی حرج نہیں، لیکن کندھا دینے کے لیے بعض لوگ ایسا کرتے ہیں کہ جنازے کے آگے دو رویہ لمبی قطار لگا لیتے ہیں، جس کے نتیجے میں جنازہ کے ساتھ چلنے والے تمام لوگ جنازے سے آگے ہوجاتے ہیں اور جنازہ پیچھے ہوجاتا ہے، یہ طریقہ بھی کچھ اچھا نہیں ہے۔

جنازے کو کندھا دینے کا طریقہ

اسی طرح جنازے کو کندھا دینے کا طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے میّت کے دائیں ہاتھ کی طرف والا پایہ اپنے داھنے کندھے پر رکھیں اور کم از کم دس قدم چلیں، یہ افضل ہے بشرطیکہ دس قدم چلنے کی طاقت ہو۔ لہٰذا دوسرے لوگوں کو اتنی جلدی نہیں کرنی چاہیے کہ ابھی ایک نے جنازہ کندھے پر رکھا اور دوسرے شخص نے فوراً آگے بڑھ کر اس کو لے لیا، ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ البتہ اگر کوئی کمزور اور ضعیف آدمی ہے تو اس صورت میں دوسرے لوگوں کو چاہیے کہ اس سے جلدی لے لیں تاکہ اس کو تکلیف نہ ہو۔ پھر میّت کے دائیں پاؤں کی طرف کا پایہ اپنے داھنے کندھے پر اٹھائے اور دس قدم چلے اور پھر میّت کے بائیں ہاتھ کی طرف کا پایہ اپنے بائیں کندھے پر اٹھائے اور دس قدم چلے، پھر میت کے بائیں پاؤں کی طرف کا پایہ اپنے بائیں کندھے پر اٹھائے اور دس قدم چلے، اس طرح ہر شخص جنازے کے چاروں اطراف میں کندھا دے اور چالیس قدم چلے، یہ طریقہ سنّت سے زیادہ قریب ہے اور افضل ہے، اگرچہ اس کے خلاف کرنا ناجائز نہیں ہے، لیکن سنّت کا ثواب ضائع ہوجائے گا۔

آج کل جنازہ لے جاتے وقت دھکم پیل ہوتی ہے، کندھا دینے کے شوق

میں دوسرے مسلمان بھائیوں کو دھکا دے دیا جاتا ہے اور اس بات کا خیال ہی نہیں ہوتا کہ ہم ایذاءِ مسلم کرکے حرام کا ارتکاب کر رہے ہیں، کندھا دینے کا ثواب ضائع کرکے الٹا گناہ کما رہے ہیں۔ اس لیے ایسا نہ کرنا چاہیے، بلکہ اطمینان سے کندھا دینا چاہیے اور دوسروں کو موقع دینا چاہیے کہ دوسرا مسلمان بھائی کندھا دیتے ہوئے دس قدم پورے کرلے، اس کے بعد آپ اس سے لے لیں۔

جنازے کو تیز تیز قدم سے لے کر چلنا

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں جنازہ لے جانے کا یہ ادب بھی بیان فرمایا کہ جب جنازہ لے کر جاؤ تو ذرا تیز تیز قدم بڑھاؤ، آہستہ مت چلو اور اس کی وجہ بھی بیان فرمادی کہ اگر وہ جنتی ہے تو اس کو جنت میں پہنچانے میں کیوں دیر کرتے؟ اس کو جلدی اس کے اچھے ٹھکانے پر پہنچادو اور اگر دوزخی ہے -معاذ اللہ- تو دوزخ والے کو جلدی اس کے ٹھکانے تک پہنچا کر اپنے کندھے سے اس بوجھ کو دور کردو[۱]۔ البتہ اتنی تیزی بھی نہیں کرنی چاہیے جس سے جنازہ حرکت کرنے لگے، ہلنے لگے، بلکہ متوسط انداز کی چال چلو اور اس کو جلد پہنچادو۔

جنازہ زمین پر رکھنے تک کھڑے رہنا

اسی طرح ایک ادب اور سنّت یہ ہے کہ قبرستان میں جب تک جنازہ کندھوں سے نیچے اتار کر نیچے نہ رکھ دیا جائے اس وقت تک لوگ نہ بیٹھیں، بلکہ کھڑے رہیں، البتہ جب جنازہ نیچے رکھ دیا جائے تو اس وقت بیٹھ سکتے ہیں[۲]۔ ہاں!

---

(۱) صحیح البخاری ۸۶/۲ (۱۳۱۵) و صحیح مسلم ۶۵۱/۲ (۹۴۴)۔

(۲) صحیح البخاری ۸۵/۲ (۱۳۱۰) و صحیح مسلم ۶۶۰/۲ (۹۵۹)۔

اگر کوئی شخص کمزور اور ضعیف ہے، وہ بیٹھنا چاہتا ہے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں، لہٰذا ہر عمل اتباعِ سنّت کی نیت سے اور اس کا اہتمام کر کے کرے تو پھر ہر ہر موقع پر کیا جانے والا ہر عمل عبادت بن جاتا ہے۔

اسلامی الفاظ اور اصطلاحات

چوتھا حق جس کا اس حدیث میں ذکر ہے، وہ ہے ''تشمیت العاطس'' یعنی چھینکنے والے کے ''الحمد لله'' کہنے کے جواب میں ''یرحمك الله'' کہنا، حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ''تشمیت'' کے لفظ سے تعبیر فرمایا۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے جو الفاظ احادیث میں مروی ہیں یا قرآن کریم میں جو الفاظ آئے ہیں، وہ الفاظ بھی سیکھنے چاہئیں۔ ایک زمانہ وہ تھا کہ مسلمان چاہے وہ باقاعدہ عالم نہ ہو اور اس نے کسی مدرسے سے علمِ دین حاصل نہ کیا ہو، لیکن وہ اسلامی الفاظ اور اسلامی اصطلاحات سے اتنا مانوس ہوتا تھا کہ بہت سے اسلامی الفاظ اور اسلامی اصطلاحات لوگوں کی زبانوں پر ہوتے تھے، اس کا نتیجہ یہ تھا کہ علماء کی تصانیف، کتابیں، تقاریر، وعظ وغیرہ کو سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی تھی، معاشرے میں ان اسلامی الفاظ اور اسلامی اصطلاحات کا عام رواج تھا، اس کا بڑا فائدہ تھا۔

اسلامی اصطلاحات سے ناواقفیت کا نتیجہ

لیکن اب اسلامی اصطلاحات سے رفتہ رفتہ ناواقفیت اس درجہ بڑھ گئی ہے اور لوگ اس درجہ ان سے غافل اور لاعلم ہوگئے ہیں کہ اگر عام لفظ بھی ان کے

سامنے بولا جائے تو اس طرح حیرت سے چہرہ تکنے لگتے ہیں کہ معلوم نہیں کس زبان کا لفظ بول دیا۔ اس ناواقفیت کا نتیجہ یہ ہے کہ ابھی قریب ہی زمانے کی لکھی ہوئی علماء کی تصانیف، کتابیں، ملفوظات اور مواعظ پڑھنے میں دشواری ہوتی ہے اور شکایت کرتے ہیں کہ ہماری سمجھ میں نہیں آتیں۔ اب آج کے دور کا عام آدمی حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کی تصانیف، آپ کے مواعظ اور ملفوظات کو نہیں سمجھتا، اس لیے کہ عام آدمی ان الفاظ سے اور ان اسلامی اصطلاحات سے نابلد ہے، ان سے مانوس نہیں اور نہ ان الفاظ کے سمجھنے کی طرف دھیان اور توجہ ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ ان علماء کی تصانیف اور مواعظ اور ملفوظات کے استفادے سے محروم رہ جاتا ہے۔

انگریزی الفاظ کا رواج

لہٰذا یہ وبا اور بیماری ہمارے اندر پھیل گئی ہے کہ اسلامی اصطلاحات ہماری بول چال سے خارج ہوگئی ہیں اور دوسری طرف انگریزی زبان داخل ہوگئی۔ آج اگر کوئی شخص تھوڑا سا پڑھ لکھ لے اور میٹرک کرلے یا انٹر پاس کرلے تو اب وہ اپنی گفتگو میں آدھے الفاظ انگریزی کے بولے گا اور آدھے الفاظ اردو کے بولے گا، حالانکہ نہ تو اردو پوری طرح آتی ہے اور نہ انگریزی پوری طرح آتی ہے، تو انگریزی الفاظ بولنے کا اتنا خیال ہے، لیکن اسلامی اصطلاحات سے اتنا بُعد اور اتنی دوری ہے کہ ان کا مطلب بھی اس کی سمجھ میں نہیں آتا، حالانکہ ان کو بھی سیکھنے کی فکر کرنی چاہیے۔

آج ''معارف القرآن'' سمجھ میں نہیں آتی

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ نے قرآنِ کریم کی تفسیر ''معارف القرآن'' لکھی ہے، انہوں نے لکھی ہی اس مقصد سے تھی کہ ایک عام آدمی کو آسان انداز میں قرآن کریم کی تفسیر سمجھ میں آجائے، لیکن بہت سے لوگ آکر یہ کہتے ہیں کہ ہمیں تو ''معارف القرآن'' سمجھ میں نہیں آتی۔ اگر اس سے بھی کوئی آسان تفسیر لکھ دیں تو کہیں گے کہ وہ بھی ہماری سمجھ میں نہیں آتی، وجہ اس کی یہ ہے کہ اسلامی تعلیمات کو حاصل کرنے اور ان الفاظ سے اپنے آپ کو مانوس کرنے کی فکر ہی نہیں ہے۔ ورنہ آج سے پچاس سال پہلے کا ایک عام آدمی جس نے باقاعدہ علم دین حاصل نہیں کیا تھا، اس کے خطوط میں ایسے بہت سے الفاظ نظر آئیں گے کہ آج کل کا گریجویٹ اور ایم اے بھی اس خط کو نہیں سمجھ سکتا۔ بہرحال! اس کی فکر کرنی چاہیے، اس لیے جب حدیث سنا کریں تو اس کے الفاظ سے بھی اپنے آپ کو مانوس کیا کریں۔

چھینکنے کے آداب

بہرحال! یہ لفظ ''تشمیت'' ہے اس لفظ کو ''س'' سے ''تسمیت'' پڑھنا بھی درست ہے۔ اس کے معنی ہیں کہ جب کسی شخص کو چھینک آئے تو اس کے بارے میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم یہ ہے کہ چھینکنے والے کو ''الحمد للہ'' کہنا چاہیے اور جو شخص پاس بیٹھا سن رہا ہے اس کو ''یرحمك اللہ'' کے الفاظ کہنا ''تشمیت'' ہے۔ یہ عربی ہے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ کسی کو دعا دینا کہ اللہ آپ پر رحم فرمائے۔

جمائی سستی کی علامت ہے

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعلیم یہ ہے کہ چھینکنے والا ''الحمد للہ'' کہے اور اس کے ذریعے اللہ تبارک وتعالیٰ کا شکر ادا کرے۔ ویسے تو ہر فعل اللہ تعالیٰ کے شکر کا متقاضی ہے، لیکن حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

''التثاؤب من الشیطان والعطاس من الرحمن''(۱)

یعنی'' جمائی شیطانی اثرات کی حامل ہوتی ہے اور چھینک اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ایک حصہ ہے''۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ ''جمائی'' سستی کے وقت آتی ہے اور اس بات کی علامت ہوتی ہے کہ اس کو سستی آرہی ہے اور ''سستی'' شیطانی اثرات لیے ہوئے ہوتی ہے جو انسان کو بھلائی سے، نیک کاموں سے اور صحیح طرزِ عمل سے باز رکھتی ہے، اگر انسان اس سستی پر عمل کرتا چلا جائے تو بالآخر وہ ہر طرح کی خیرات سے محروم ہوجاتا ہے۔ لہٰذا حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعلیم یہ ہے کہ اس سستی کو دور کرو، کاہلی کو دور کرو اور جس خیر کے کام میں سستی آرہی ہے، اس سستی کا مقابلہ کر کے وہ خیر کا کام کرگزرو۔

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا عاجزی اور سستی سے پناہ مانگنا

اسی لیے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ دعا فرمائی ہے کہ

(۱) سنن الترمذی ٤/٤٦١ (٢٧٤٦) وقال هذا حديث حسن. واصله فی صحیح البخاری ٨/٥٠ (٦٢٢٦)۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْکَسَلِ (۱)

اے اللہ! میں عاجزی اور سستی سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں

اس لیے یہ سستی بہت خراب چیز ہے، اس سے بچنا چاہیے اور اگر کسی کو سستی ہوتی ہو تو اس کا اس کے علاوہ کوئی علاج نہیں کہ اس سستی کا مقابلہ کرے، مثلاً سستی کی وجہ سے دل چاہ رہا ہے کہ گھر میں پڑا رہوں اور کام پر نہ جاؤں، تو اس کا علاج ہے زبردستی کرکے کھڑا ہوجائے اور اس سستی کا مقابلہ کرے اور ''جمائی'' اس سستی کی ایک علامت ہے، اس لیے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''جمائی'' شیطانی اثرات کی حامل ہے۔

چھینک اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے

اور چھینک کے بارے میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ چھینک ''رحمن'' کی طرف سے ہے۔ یعنی اللہ جل شانہ کی رحمت کا ایک عنوان ہے۔ ایک چھینک وہ ہوتی ہے جو نزلہ اور زکام کی وجہ سے آنی شروع ہوجاتی ہے اور مسلسل آتی چلی جاتی ہے، یہ تو بیماری ہے، لیکن اگر ایک آدمی صحت مند ہے اور نزلہ زکام کی کوئی بیماری نہیں ہے، اس کے باوجود اس کو چھینک آرہی ہے تو اس کے بارے میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ رحمن کی طرف سے رحمت کی علامت ہے۔ چنانچہ اطباء نے لکھا ہے کہ بعض اوقات انسان کے جسم پر کسی بیماری کا حملہ ہونے والا ہوتا ہے تو چھینک اس حملے کو روک دیتی ہے، اس طرح یہ چھینک اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت کا ایک عنوان ہے یہ تو ظاہری رحمت ہے،

---

(۱) صحیح البخاری ۲۳/٤ (۲۸۲۳)۔

ورنہ اس کے اندر جو باطنی رحمتیں ہیں، وہ تو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔ چونکہ چھینک اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت کے عنوانات میں سے ایک عنوان ہے، اس لیے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب کسی کو چھینک آئے تو ''الحمد للہ'' کہے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے۔

اللہ تعالیٰ کو مت بھولو

ان احکام کے ذریعے قدم قدم پر یہ سکھایا جارہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو مت بھولو اور اللہ تعالیٰ کی طرف ہر موقع پر رجوع کرو اور ہر ہر موقع پر یہ کہا جارہا ہے کہ اس وقت یہ پڑھ لو، اس وقت یہ پڑھ لو، یہ سب اس لیے کہا جارہا ہے تاکہ ہماری زندگی کا ہر لمحہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے معمور ہوجائے اور ہر تغیر کے وقت اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کی عادت پڑجائے۔ ساری عبادتوں، سارے زہد، سارے مجاہدوں، ساری ریاضتوں اور سارے تصوف اور سلوک کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کی عادت پڑجائے اور جس سے اللہ تعالیٰ کا تعلق حاصل ہوجائے۔ اس رجوع الی اللہ کی عادت ڈالنے کے لیے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ مختلف طریقے تلقین فرمائے۔ مثلاً یہ کہ چھینک آئے تو فوراً کہو! الحمد للہ۔

یہ سنّت مردہ ہوتی جارہی ہے

ایک زمانہ وہ تھا کہ جب یہ بات مسلمانوں کے شعائر میں داخل تھی اور اس کو سکھانے اور بتانے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی اور اس وقت اس بات کا تصور

بھی نہیں تھا کہ اگر کسی مسلمان کو چھینک آئے گی تو وہ الحمد للہ نہیں کہے گا۔ بچپن سے تربیت ایسی کی جاتی تھی کہ اس کے خلاف ہوتا ہی نہیں تھا، لیکن اب ہر چیز مٹتی جارہی ہے تو اس کے ساتھ ساتھ یہ سنّت بھی مردہ ہوتی جارہی ہے۔ اس سنّت کو زندہ کرنے کی ضرورت ہے، اس لیے جب چھینک آئے تو فوراً کہو! ''الحمد للہ''۔

چھینکنے والے کو جواب دینا واجب ہے

پھر دوسرا مرحلہ یہ ہے کہ جو شخص چھینکنے والے کے پاس بیٹھا ہے اور اس نے یہ سنا کہ چھینکنے والے نے ''الحمد للہ'' کہا تو اس سننے والے پر شرعاً واجب ہے کہ جواب میں ''یرحمك اللہ'' کہے، اسی کا نام ''تشمیت'' ہے اور یہ جواب دینا صرف سنّت یا مستحب نہیں، بلکہ واجب ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص ''یرحمك اللہ'' کے ذریعے جواب نہیں دے گا تو اس کو ترکِ واجب کا گناہ ہوگا۔ البتہ یہ اس وقت واجب ہے کہ چھینکنے والے نے ''الحمد للہ'' کہا ہو اور اگر چھینکنے والے نے ''الحمد للہ'' نہیں کہا تو پھر سننے والے پر ''یرحمك اللہ'' کہنا واجب نہیں۔

البتہ واجب علی الکفایہ ہے

البتہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس میں اتنی آسانی فرمادی ہے کہ اس کو واجب علی الکفایہ قرار دیا ہے، یعنی واجب علی العین نہیں ہے کہ ہر سننے والے پر جواب دینا ضروری ہو، بلکہ اگر سننے والے دس افراد ہیں اور ان میں سے ایک نے ''یرحمك اللہ'' کہہ دیا تو سب کی طرف سے واجب ادا ہوگیا، لیکن ساری مجلس میں کسی ایک فرد نے بھی ''یرحمك اللہ'' نہیں کہا تو تمام افراد ترکِ واجب کی

وجہ سے گناہ گار ہوں گے۔

فرضِ عین اور فرضِ کفایہ کا مطلب

یہ سب اصطلاحات بھی جاننے کی ہیں اور سیکھنی چاہئیں۔ دیکھیے! ایک ہے ''فرضِ عین'' اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ کام ہر ایک آدمی پر فرض ہے، جیسے نماز ہر ہر آدمی پر علیحدہ علیحدہ فرض ہے، ایک کی نماز سے دوسرے کی نماز ادا نہیں ہوتی، اس کو ''فرضِ عین'' کہا جاتا ہے۔ دوسرا ہے ''فرضِ کفایہ''، اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر بہت سے افراد میں سے ایک دو افراد نے بھی وہ کام کرلیا تو سب کی طرف سے وہ فریضہ ادا ہوجائے گا، جیسے نماز جنازہ ''فرض کفایہ'' ہے، اگر چند افراد بھی نماز ادا کرلیں گے تو سب کی طرف سے وہ فرض ادا ہوجائے گا، لیکن اگر کوئی بھی نہیں پڑھے گا تو سب گناہ گار ہوں گے۔

سنّت علی الکفایہ

مثلاً رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف کرنا ''سنتِ مؤکدہ علی الکفایہ'' ہے۔ یعنی اگر محلے کے چند افراد اعتکاف میں بیٹھ گئے تو پورے محلے کی طرف سے وہ سنّت ادا ہوجائے گی، لیکن اگر ایک شخص بھی اعتکاف میں نہیں بیٹھا تو سارے محلے والے ترکِ سنّت مؤکدہ کے گناہ گار ہوں گے۔ اسی طرح چھینکنے والے کا جواب دینا '' واجب علی الکفایہ'' ہے، یعنی اگر مجلس میں ایک شخص نے جواب دے دیا تو سب کی طرف سے واجب ادا ہوگیا، لیکن اگر کسی نے بھی جواب نہ دیا تو سب کے سب ترکِ واجب کے گناہ گار ہوں گے۔

یہ مسلمان کا ایک حق ہے

ہم لوگ ذرا جائزہ لیں کہ اپنی روز مرہ کی زندگی میں اس واجب سے کتنی غفلت برتتے ہیں۔ اوّل تو چھینکنے والا ''الحمدللہ'' نہیں کہتا اور اگر وہ الحمد للہ کہے تو سننے والے ''یرحمك الله'' کے ذریعے جواب دینے کا اتنا اہتمام نہیں کرتے جتنا اہتمام کرنا چاہیے۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس حدیث کے ذریعے یہ بتارہے ہیں کہ ''تشمیت'' کرنا ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر حق ہے اور اس کے ذمے واجب ہے۔

کتنی مرتبہ جواب دینا چاہیے

البتہ جیسا کہ ابھی بتلایا کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے آسانی یہ فرمادی ہے کہ ایک تو اس حق کو'' واجب علی الکفایہ'' قرار دیا، دوسرے یہ کہ بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ ایک آدمی کو مسلسل چھینکیں آرہی ہیں اور وہ مسلسل الحمد للہ کہہ رہا ہے اور سننے والا مسلسل ''یرحمک اللہ'' کہتا جارہا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اب وہ دوسرے کام چھوڑ کر بس یہی کرتا رہے تو اس کے بارے میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ادب بتادیا کہ اگر ایک مرتبہ چھینک آئے تو جواب دینا واجب ہے اور دوسری مرتبہ چھینک آئے تو جواب دینا سنّت ہے اور تیسری مرتبہ جواب دینا بھی سنّت ہے اور باعثِ اجرو ثواب ہے۔ اس کے بعد اگر چھینک آئے تو اب جواب نہ تو واجب ہے اور نہ سنّت ہے، البتہ اگر کوئی شخص جواب دینا چاہے تو جواب دے دے، ان شاء اللہ اس پر بھی ثواب ملے گا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طرزِ عمل

حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک مجلس میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما تھے، ایک صحابی کو چھینک آئی، انہوں نے الحمد للہ کہا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں "یرحمك الله" فرمایا، دوسری مرتبہ چھینک آئی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں "یرحمك الله" فرمایا، تیسری مرتبہ پھر چھینک آئی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تیسری مرتبہ جواب دیا، "یَرْحَمُكَ اللهُ" جب چوتھی مرتبہ ان کو چھینک آئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا "رجلٌ مزکوم" یعنی ان صاحب کو زکام ہے اور اس مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب نہیں دیا۔(۱)

اس حدیث کے ذریعے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ مسئلہ بتادیا کہ تیسری مرتبہ کے بعد جواب دینے کی ضرورت نہیں۔ دیکھیے! شریعت نے ہماری اور آپ کی سہولت کے لیے کن کن باریکیوں کی رعایت فرمائی ہے، تاکہ یہ نہ ہو کہ آدمی بس اسی کام میں لگا رہے اور دوسرے ضروری کام چھوڑ بیٹھے۔

یہ جواب دینا کب واجب ہے؟

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ "یرحمك اللّٰه" کے ذریعے جواب دینا اس وقت واجب ہے جب چھینکنے والا "الحمد للّٰه" کہے، اگر چھینکنے والے نے

---

(۱) مصنف ابن ابی شیبه ۲۶۹/۵ (۲۵۹۸٤) طبع مکتبة الرشد۔ والطب النبوی لابی نعیم ۳۵۱/۱ (۲۸٤) طبع دار ابن حزم۔ اور بعض روایات میں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوسری مرتبہ چھینکنے پر فرمایا "الرجل مزکوم"۔ دیکھئے صحیح مسلم ۲۲۹۲/٤ (۲۹۹۳)۔ از مرتب

''الحمد للہ'' نہیں کہا تو اس کا جواب دینا واجب نہیں ہے، لیکن جواب دینا اچھا ہے تا کہ چھینکنے والے کو تنبیہ ہو جائے کہ مجھے ''الحمد للہ'' کہنا چاہیے تھا۔

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جواب نہ دینا

حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجلس میں تشریف فرما تھے، ایک صحابی کو چھینک آئی، انہوں نے ''الحمد لله'' کہا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں ''یرحمك الله'' فرمایا، تھوڑی دیر کے بعد ایک اور صحابی کو چھینک آئی، لیکن انہوں نے ''الحمد لله'' نہیں کہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ''یرحمك الله'' بھی نہیں کہا۔ ان صحابی رضی اللہ عنہ نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ان صاحب کو تھوڑی دیر پہلے چھینک آئی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو ''یرحمك الله'' کے ذریعے دعا دے دی تھی اور اب مجھے چھینک آئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے دعا نہیں دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ ان صاحب نے ''الحمد لله'' کہہ کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا تھا، اس لیے میں نے ان کے جواب میں ''یرحمك الله'' کہا، تم نے ''الحمد لله'' نہیں کہا(۱)۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ''یرحمك الله'' کے ذریعے جواب دینا اس وقت واجب ہے جب چھینکنے والا ''الحمد لله'' کہے۔

چھینکنے والا بھی دعا دے

پھر تیسری بات یہ ہے کہ جب ''الحمد لله'' کے جواب میں سننے والے

---

(۱) صحیح البخاری ۵۰/۸ (۶۲۲۵) وصحیح مسلم ۲۲۹۲/۴ (۲۹۹۱)۔

نے ''یرحمك الله'' کہا تو اب چھینکنے والے کو چاہیے کہ وہ ''یھدیکم الله'' کہے اور ایک روایت میں آتا ہے کہ وہ ''یَھْدِیْکُمُ اللهُ وَیُصْلِحُ بَالَکُم'' کہے(۱)۔ اس لیے کہ جب سننے والے نے یہ دعا دی کہ اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے تو اب جواب میں چھینکنے والا اس کو یہ دعا دے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ہدایت عطا فرمائے اور سب کام ٹھیک کردے۔ ان احکام کے ذریعے چھوٹی چھوٹی باتوں پر ایک دوسرے کو دعا دینے کی عادت ڈالی جارہی ہے، کیونکہ جب ایک مومن دوسرے مومن کے لیے دعا کرتا ہے تو اس دعا کی قبولیت کی بہت امید ہوتی ہے، اس لیے فرمایا گیا کہ دوسروں کے لیے دعا کیا کرو۔

ایک چھینک پر تین مرتبہ ذکر

دیکھیے! چھینک ایک مرتبہ آئی، لیکن اس میں تین مرتبہ اللہ کا ذکر ہوگیا، تین مرتبہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہوگیا، تین دعائیں ہوگئیں اور دو مسلمانوں کے درمیان آپس میں دعاؤں کا تبادلہ ہو، اس تبادلے کے نتیجے میں ایک دوسرے سے ہمدردی اور خیر خواہی کرنے کا ثواب بھی ملا اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق بھی قائم ہوگیا۔ یہ وہ نسخۂ کیمیا ہے جو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بیان کر کے تشریف لے گئے۔ بہرحال! ''تشمیت'' کرنا ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر حق اور واجب ہے۔

---

(۱) صحیح البخاری ۴۹/۸ (٦٢٢٤)۔

کمزور اور مظلوم کی مدد کرنا

ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر پانچواں حق یہ بیان فرمایا: ''نصر الضعیف'' یعنی کمزور کی مدد کرنا۔ اسی کے ساتھ چھٹا حق یہ بیان فرمایا ''عون المظلوم'' یعنی مظلوم کی مدد کرنا۔ یعنی جو شخص کسی ظلم کا شکار ہے، اس سے ظلم دور کرنے کے لیے اس کی مدد کرنا بھی ایک مومن کا دوسرے مومن پر حق ہے اور یہ انسان کے اندر جتنی استطاعت ہو اس استطاعت کی حد تک دوسرے مسلمان کی مدد کرنا واجب ہے، اگر ایک مومن قدرت کے باوجود دوسرے مومن کو ظلم سے نہ بچائے یا اس کی مدد نہ کرے تو گناہ گار ہوگا۔

مظلوم کی مدد واجب ہے

ایک حدیث میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''المسلم أخو المسلم لا يظلمه ولا يسلمه''(۱)

یعنی ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، نہ وہ خود اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اس کو بے یار و مددگار چھوڑتا ہے۔

یعنی اگر کوئی شخص کسی مسلمان پر ظلم کر رہا ہے اور تم اس کو روک سکتے ہو، تو ایسے موقع پر اس کو بے یار و مددگار چھوڑنا جائز نہیں، بلکہ اس کی مدد کرنا واجب ہے۔

---

(۱) صحیح البخاری ۳/۱۲۸ (۲٤٤۲) و ۹/۲۲ (۲۹۵۱)۔

ورنہ اللہ تعالیٰ کا عذاب آجائے گا

بلکہ ایک حدیث میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑی سخت وعید بیان فرمائی کہ "اگر کچھ لوگ دیکھ رہے ہوں کہ کوئی شخص کسی مسلمان پر ظلم کر رہا ہے، چاہے وہ ظلم جانی ہو یا مالی ہو اور ان کو اس ظالم کا ہاتھ پکڑنے کی اور اس شخص کو ظلم سے بچانے کی قدرت ہو، پھر بھی وہ اس ظالم کا ہاتھ نہ پکڑیں اور اس کو ظلم سے نہ بچائیں تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں پر اپنا عذاب نازل فرما دے"(۱)۔

عذاب کی مختلف شکلیں

پھر یہ ضروری نہیں کہ وہ عذاب اسی قسم کا ہو جیسے پچھلی امتوں پر عذاب آئے، مثلاً آسمان سے انگارے برسیں یا طوفان آجائے یا ہوا کے جھکڑ چل پڑیں، بلکہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے عذاب اور عتاب سے محفوظ رکھیں۔ آمین۔ ہم دن رات جو دیکھ رہے ہیں کہ ڈاکے پڑ رہے ہیں، چوریاں ہو رہی ہیں، بدامنی اور بے چینی کا دور دورہ ہے، کسی شخص کی جان، کسی کا مال، کسی کی عزت اور آبرو محفوظ نہیں، ہر شخص بے چینی اور بے اطمینانی کا شکار ہے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کے عذاب کے عنوانات ہیں، یہ سب عذاب کی مختلف شکلیں ہیں، اب تو یہ دور آگیا ہے کہ اپنی آنکھوں سے ایک انسان پر ظلم ہوتے ہوئے دیکھ رہے ہیں اور اس کو ظلم سے بچانے کی قدرت بھی ہے، لیکن اس کے باوجود اس کو ظلم سے بچانے کی طرف توجہ نہیں ہے۔

---

(۱) سنن ابی داود ۱۲۲/٤ (٤٣٣٨) وسنن الترمذی ٤/٤٠ (٢١٦٨) و ١٤٥/٥ (٣٠٥٧) وقال ہذا حدیث حسن صحیح۔

احساس مروت کو کچل دیتے ہیں آلات

خاص طور پر جب سے ہمارے یہاں مغربی تہذیب کا سیلاب اُمڈ آیا ہے اور لوگوں کے پاس دولت آگئی ہے تو اس دولت نے لوگوں کو اس طرح اندھا کردیا ہے کہ مروت، انسانیت، شرافت سب کچل کر رہ گیا ہے۔ اقبال مرحوم نے کہا تھا کہ ؂

ہے دل کے لیے موت مشینوں کی حکومت
احساسِ مروّت کو کچل دیتے ہیں آلات

لہٰذا جدید آلات نے مروت کے احساس کو کچل دیا ہے۔

ایک عبرتناک واقعہ

ایک مرتبہ میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ایک بہت شاندار کار سڑک پر گزری، جس میں کوئی صاحب بہادر بیٹھے تھے اور اس کار نے ایک راہ گیر کو ٹکر ماری، وہ سڑک پر گرا اور اس کے جسم سے خون بہنے لگا، مگر ان صاحب بہادر کو یہ توفیق نہیں ہوئی کہ کار روک کر دیکھ لے کہ کتنی چوٹ آئی، صرف اتنا ہوا کہ اس نے کھڑکی سے جھانک کر دیکھا کہ ایک شخص زمین پر گرا ہوا ہے، بس یہ دیکھ کر روانہ ہوگیا۔ وجہ یہ ہے کہ اس دولت نے اور اس مغربی تہذیب نے ہمیں اس درجہ پر پہنچادیا کہ کسی آدمی کی جان مکھی اور مچھر سے زیادہ بے وقعت ہوکر رہ گئی ہے، آج کا انسان انسان نہیں رہا۔

مسلمانوں کی مدد کرنے کی فضیلت

واقعہ یہ ہے کہ انسان اس وقت تک انسان نہیں بن سکتا جب تک وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنّت پر عمل نہ کرے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنّت یہ ہے کہ آدمی ضعیف کی مدد کرے اور مظلوم کے ساتھ تعاون کرے۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی بڑی فضیلت ارشاد فرمائی ہے کہ

"واللهُ فِي عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِي عَوْنِ أَخِيهِ"(۱)

یعنی جب تک مسلمان کسی معاملے میں اپنے بھائی کی مدد کرتا رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی مدد کرتا رہتا ہے اور اس کے کام بناتا رہتا ہے۔

زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا

ایک حدیث میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑا اچھا ارشاد فرمایا۔ اس حدیث کے بارے میں محدّثین کے یہاں یہ طریقہ چلا آرہا ہے کہ جب بھی کوئی طالب علم کسی محدث کے پاس حدیث پڑھنے جاتا ہے تو استاذ اس طالب علم کو سب سے پہلے یہ حدیث سناتے ہیں، وہ حدیث یہ ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"الرَّاحِمُونَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ تبارك وتعالى

---

(۱) صحیح مسلم ۲۰۷۴/۴ (۲۶۹۹) وسنن ابی داود ۲۸۷/۴ (۴۹۴۶)۔

اِرْحَمُوْا مَنْ فِی الْاَرْضِ یَرْحَمْکُمْ مَنْ فِی السَّمَاءِ"(۱)

رحم کرنے والوں پر "رحمٰن" رحم کرتا ہے، تم زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔

اور جو آدمی زمین والوں پر رحم کرنا نہیں جانتا اس کو آسمان والے سے بھی رحمت کی توقع مشکل ہے۔ بہرحال! ضعیف کی مدد کرنا اور مظلوم کی اعانت کرنا اسلامی تعلیمات کا اہم شعار ہے۔

قسم کھانے والے کی مدد کرنا

ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر جو حقوق ہیں، ان میں ساتواں حق جو حدیث میں بیان فرمایا وہ ہے "اِبرار المقسم" اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی مسلمان نے کوئی قسم کھالی ہے اور اب وہ اس قسم کو پورا کرنے پر قادر نہیں ہے تو ایسے مسلمان کی مدد کرنا تاکہ وہ اپنی قسم پوری کرلے، یہ بھی مسلمان کے حقوق میں داخل ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

(۱) سنن ابی داود ٤/٢٨٥ (٤٩٤١) وسنن الترمذی ٣/٤٨٣ (١٩٢٤) وقال هذا حديث حسن صحيح۔

سونے اٹھنے بیٹھنے کے آداب احادیث کی روشنی میں

(حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سونے اٹھنے بیٹھنے کے آداب احادیث کی روشنی میں

① حضرت علی بن شیبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جو شخص کسی مکان کی ایسی چھت پر سوئے جس میں پتھروں وغیرہ کی روک نہ ہو تو اس سے ذمہ بری ہے۔''(۱)

② حضرت یعیش بن طخفۃ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

---

(۱) سنن ابی داود ۳۱۰/۱ (۵۰٤۱) والحدیث سکت عنہ ابو داود والمنذری فی مختصرہ وذکرہ ابن المفلح "فی الاداب الشرعیة" ۳۵۳/۳ وقال وھو حدیث حسن والادب المفرد للبخاری ٤۰۷ (۱۱۹۲) وقال وفی اسنادہ نظر۔ (طبع دار البشائر الاسلامیہ)، ولہ شاھد من حدیث جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ عند الترمذی فی سننہ ٤۳۸/٤ (۲۸۵٤)، وقال: ھذا حدیث غریب لا نعرفہ من حدیث محمد بن المنکدر عن جابر إلا من ھذا الوجہ، وعبد الجبار بن عمر یضعف.

"لیٹنے کا یہ طریقہ (یعنی پیٹ کے بل لیٹنا) اللہ کو ناپسند ہے۔"(۱)

③ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اگر تم میں سے کوئی شخص سایہ میں بیٹھا ہو پھر اس سے سایہ ہٹ جائے اور اس کے جسم کا کچھ حصہ دھوپ میں اور کچھ سایے میں آجائے تو اسے چاہیے کہ کھڑا ہو جائے۔"(۲)

④ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"مجلس میں بیٹھنے کا معزز ترین طریقہ یہ ہے کہ قبلہ رو ہو کر بیٹھا جائے۔"(۳)

---

(۱) سنن ابی داود ۳۰۹/٤ (٥٠٤٠) وذکرہ النووی فی "شرح المهذب" (٤/٤٧٧) وقال: رواه أبو داود بإسناد صحيح (طبع دار الفكر)۔ ومسند احمد ٣٠٧/٢٤ (١٥٥٤٣) وله شاهد من حديث ابی هريرة عند الترمذی فی "سننه" ٣٩٤/٤ (٢٧٦٨) واحمد فی "مسنده" ٢٥١/١٣ (٧٨٦٢) وقال الهيثمي في "المجمع" ١٨٩/٨ (١٣١٨٧): رواه أحمد، وفيه محمد بن عمرو بن علقمة، وهو حسن الحديث، وبقية رجاله رجال الصحيح.

(۲) سنن ابی داود ٢٥٧/٤ (٤٨٢١) سكت عنه ابو داود وقال المنذري في "مختصره" ٣٧٥/٤ (٤٦٥٤): فيه رواية مجهول. ومسند احمد ٥٣١/١٤ (٨٩٧٦) والمستدرک للحاكم ٣٠٢/٤ (٧٧١٠) وقال: هذا حديث صحيح الإسناد، ولم يخرجاه. وافقه الذهبي في "التلخيص" وقال: صحيح.

(۳) المعجم الاوسط ١٨٩/٨ (٨٣٦١) وقال الهيثمي في "المجمع" ١١٤/٨ (١٢٩١٦): رواه الطبراني في الأوسط، وفيه حمزة بن أبي حمزة، وهو متروك. وله شاهد من حديث عبد الله بن عباس رضی اللہ عنہما عند عبد بن حميد ٢٢٥ (٦٧٥) وقال البوصيري في =

⑤ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''سوتے وقت اپنے گھروں میں آگ جلتی مت چھوڑو۔''[1]

= "الإتحاف" ٤٠٦/٧ (٧١٩٥) : رواه عبد بن حميد، والحارث بن أبي أسامة، ومدار إسناديهما على هشام بن زياد أبي المقدام، وهو ضعيف.

(۱) صحيح البخارى ٦٥/٨ (٦٢٩٣) وصحيح مسلم ١٥٩٦/٣ (٢٠١٥)۔

سونے کے آداب

(اصلاحی خطبات ۴/۱۰۸)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سونے کے آداب

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ، وَأَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا۔ أَمَّا بَعْدُ!

عن البراء بن عازب رضی اللہ عنہ قال: کان رسول اللہ ﷺ اذا اوی الی فراشه نام علی شقه الایمن ثم قال:

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْلَمْتُ نَفْسِيْ اِلَيْكَ، وَوَجَّهْتُ وَجْهِيْ اِلَيْكَ، وَفَوَّضْتُ اَمْرِيْ اِلَيْكَ، وَاَلْجَأْتُ ظَهْرِيْ اِلَيْكَ، رَغْبَةً

وَّرَهْبَةً اِلَيْكَ، لَا مَلْجَأَ وَلَا مَنْجَأَ مِنْكَ اِلَّا اِلَيْكَ، اٰمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِيْ اَنْزَلْتَ، وَنَبِيِّكَ الَّذِيْ اَرْسَلْتَ (۱)

اس حدیث میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سوتے وقت کی دعا سکھائی ہے اور سونے کا طریقہ بتایا ہے کہ جب بستر پر جاؤ تو کس طرح لیٹو، کس طرح سو، حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقتیں اور رحمتیں اس امت کے لیے دیکھیں کہ ایک ایک چیز کا طریقہ بتا رہے ہیں۔ جس طرح ماں باپ اپنے بچوں کو ایک ایک چیز سکھاتے ہیں اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایک بات اس امت کو سکھائی ہے۔ ایک اور حدیث میں انہی صحابی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ

قال قال لی رسول الله ﷺ: «اذا اتیت مضجعك فتوضأ وضوءك للصلوة ثم اضطجع علی شقك الایمن وقل... وذکر نحوه» (۲)

سوتے وقت وضو کرلیں

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ ”جب تم بستر پر سونے کے لیے جانے لگو تو ویسا ہی وضو کرلو جیسا کہ نماز کے لیے وضو کیا جاتا ہے“۔ یہ بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت ہے کہ آدمی وضو کر کے سوئے۔ اگر کوئی شخص وضو کے بغیر سوجائے تو کوئی گناہ نہیں، اس لیے کہ سونے کے واسطے وضو کرنا کوئی فرض وواجب نہیں، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے

(۱) صحیح البخاری ۶۹/۸ (۶۳۱۳) و ۱۴۲/۹ (۷۴۸۸)۔
(۲) صحیح البخاری ۶۸/۸ (۶۳۱۱)۔

سونے کا ادب یہ بتایا کہ سونے سے پہلے وضو کرلو۔

یہ آداب محبت کا حق ہیں

یہ آداب اور مستحبات جو سرکارِ دو عالم ﷺ نے تلقین فرمائے ہیں، یہ اگرچہ فرض وواجب تو نہیں، لیکن ان کے انوار و برکات بے شمار ہیں۔ ہمارے حضرت ڈاکٹر عبد الحئی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ فرائض و واجبات اللہ جل جلالہ کی عظمت کا حق ہیں اور یہ آداب و مستحبات اللہ جل جلالہ کی محبت کا حق ہیں اور سرکارِ دوعالم ﷺ کے ساتھ محبت کا حق ہیں۔ جو آداب آپ ﷺ نے تلقین فرمائے ہیں، انسان کو چاہیے کہ ان آداب کو اختیار کرے، یہ تو اللہ کی رحمت ہے کہ انہوں نے یہ فرمادیا کہ اگر ان کو اختیار نہیں کروگے تو کوئی گناہ نہیں دیں گے اورنہ یہ آداب و مستحبات ادا کرانا مقصود ہے، ایک مومن بندہ وہ تمام آداب و مستحبات بجالائے جو حضورِ اقدس ﷺ کر گئے، اس لیے حتی الامکان ان کو اختیار کرنا چاہیے۔

داہنی کروٹ پر لیٹیں

بہرحال! سونے سے پہلے وضو کرنا ادب ہے، اب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کی حکمت کی انتہا کو کون پہنچ سکتا ہے۔ خدا معلوم اس حکم میں کیا کیا انوار و برکات پوشیدہ ہیں۔ اس کے بعد سونے کا طریقہ بتادیا کہ دائیں کروٹ پر لیٹو، یہ بھی آداب میں سے ہے کہ انسان جب سونے کے لیے بستر پر لیٹے تو ابتداءً دائیں کروٹ پر لیٹے، بعد میں اگر ضرورت ہو تو کروٹ بدل

دے، وہ ادب کے خلاف نہیں ہے اور لیٹ کر یہ الفاظ زبان سے ادا کرو اور اللہ تعالیٰ سے رابطہ اور تعلق قائم کرو اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو اور یہ دعا پڑھو:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْلَمْتُ نَفْسِیْ اِلَیْکَ، وَوَجَّھْتُ وَجْھِیْ اِلَیْکَ، وَفَوَّضْتُ اَمْرِیْ اِلَیْکَ، وَاَلْجَأْتُ ظَھْرِیْ اِلَیْکَ، رَغْبَةً وَّرَھْبَةً اِلَیْکَ، لَا مَلْجَاَ وَلَا مَنْجَاَ مِنْکَ اِلَّا اِلَیْکَ، اٰمَنْتُ بِکِتَابِکَ الَّذِیْ اَنْزَلْتَ، وَنَبِیِّکَ الَّذِیْ اَرْسَلْتَ

دن کے معاملات اللہ کے سپرد کردو

حضورِ اقدس ﷺ اس دعا میں ایسے عجیب وغریب الفاظ لائے ہیں کہ آدمی ان الفاظ پر قربان ہوجائے۔ فرمایا کہ اے اللہ! میں نے اپنے نفس کو آپ کے تابع بنادیا، اس کا ترجمہ یہ بھی کرسکتے ہیں کہ اے اللہ! میں نے اپنے نفس کو آپ کے حوالے کردیا اور میں نے اپنا رخ آپ کی طرف کردیا اور اے اللہ! میں نے اپنے سارے معاملات آپ کو سونپ دیے۔

مطلب یہ ہے کہ سارا دن تو دوڑ دھوپ میں لگا رہا، کبھی رزق کی تلاش میں، کبھی نوکری کی تلاش میں، کبھی تجارت میں کبھی صنعت میں اور کبھی کسی اور دھندے میں لگارہا، یہاں تک کہ دن ختم ہوگیا۔ ساری کارروائیاں کرکے گھر پہنچ گیا اور اب سونے کے لیے لیٹنے لگا، اور انسان کی فطرت ہے کہ جب وہ رات کو بستر پر سونے کے لیے لیٹتا ہے تو جو کچھ دن میں حالات گزرے ہیں اس کے خیالات دل پر چھا جاتے ہیں، اور پھر اس کو یہ فکر اور تشویش لاحق ہوتی ہے کہ خدا جانے کل کیا ہوگا؟ جو کام ادھورا چھوڑ کر آیا ہوں۔ اس کا کیا بنے گا؟ دکان

چھوڑ کر آیا ہوں۔ کہیں رات کو چوری نہ ہو جائے۔ یہ سب اندیشے اور تشویشات رات کو سوتے وقت انسان کو ہوتے ہیں اور یہ اندیشے دل کو ستاتے ہیں، اس لیے دعا کرلو کہ یا اللہ! دن میں تو جو کام مجھ سے ہو سکے، میں کرتا رہا، اب تو یہ سارے معاملات میں نے آپ کے سپرد کردیے۔ دن میں جو کچھ کرسکتا تھا وہ کرلیا، اب میرے بس میں اس کے سوا کچھ نہیں، آپ ہی کی طرف رجوع کروں اور آپ ہی سے مانگوں، کہ یا اللہ! جو معاملات میں نے کیے ہیں ان کو انجام تک پہنچا دیجیے۔

سکون و راحت کا ذریعہ ''تفویض'' ہے

یہی تفویض ہے اور اسی کا نام توکل ہے کہ اپنے کرنے کا جو کام تھا وہ کرلیا، اپنے بس میں جتنا تھا وہ کر گزرے اور اس کے بعد اللہ کے حوالے کردیا کہ یا اللہ! اب آپ کے حوالے ہے۔ اس دعا میں حضورِ اقدس ﷺ نے سکھا دیا کہ اب تم سونے کے لیے جا رہے ہو۔ تو ان خیالات اور پریشانیوں کو دل سے نکال دو اور اللہ کے حوالے کردو۔

سپردم بتو مایۂ خویش را
تو دانی حسابِ کم و بیش را

سپردگی اور ''تفویض'' کے لطف اور اس کے کیف اور مزے کا اندازہ انسان کو اس وقت تک نہیں ہوتا، جب تک یہ سپردگی اور تفویض کی حالت اور کیفیت انسان پر گزرتی نہیں۔ یاد رکھو دنیا میں عافیت، اطمینان اور سکون کا کوئی راستہ تفویض اور توکل کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ بس انسان اپنا سارا معاملہ

اللہ تعالیٰ کے سپر کردے، ہر کام کے لیے دوڑ دھوپ کی ایک حد ہوتی ہے۔ اس حد سے آگے انسان کچھ نہیں کرسکتا۔ ایک مسلمان اور کافر میں یہی فرق ہے کہ ایک کافر ایک کام کے لیے دوڑ دھوپ کرتا ہے، محنت کرتا ہے، کوشش کرتا ہے، جدو جہد کرتا ہے اور پھر سارا بھروسہ اسی کوشش پر کرتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہر وقت تشویشات اور اندیشوں میں مبتلا رہتا ہے۔ اور جس شخص کو اللہ تعالیٰ ''توکل'' اور ''تفویض'' کی نعمت عطا فرماتے ہیں۔ وہ اللہ میاں سے کہتا ہے کہ یا اللہ! میرے بس میں اتنا کام تھا جو میں نے کرلیا، اب آگے آپ کے حوالے ہے اور آپ کا جو فیصلہ ہے اس پر میں راضی ہوں۔ یاد رکھو! جب انسان کے اندر یہ ''تفویض'' کی صفت پیدا ہوجاتی ہے تو دنیا کے اندر اسے ناقابل برداشت پریشانی نہیں آتی۔ بہرحال! سوتے وقت یہ دعا کرلو کہ یا اللہ! میں نے تمام معاملات آپ کے سپرد اور آپ کے حوالے کردیے۔

پناہ کی جگہ ایک ہی ہے

آگے فرمایا:

وَاَلْجَأْتُ ظَهْرِیْ اِلَیْكَ، رَغْبَةً وَرَهْبَةً اِلَیْكَ، لَا مَلْجَأَ وَلَا مَنْجَأَ مِنْكَ اِلَّا اِلَیْكَ

اور میں نے اپنے آپ کو آپ کی پناہ حاصل کرنے والا بنا دیا، یعنی میں نے آپ کی پناہ پکڑی، آپ کی پناہ میں آگیا اور اب ساری دنیا کے وسائل اور اسباب سب منقطع کرلیے، اب سوائے آپ کی پناہ کے میرا کوئی سہارا نہیں اور اس حالت میں ہوں کہ آپ کی رحمت کی امید بھی ہے کہ آپ رحمت کا معاملہ

فرمائیں گے، لیکن ساتھ میں خوف بھی ہے۔ یعنی اپنی بداعمالیوں کا ڈر بھی ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی بات پر گرفت ہو جائے، اس حالت میں لیٹ رہا ہوں۔ آگے کیا عجیب جملہ فرمایا: ''لا ملجأ ولا منجأ منك الا اليك'' کہ آپ سے بچ کر جانے کی کوئی اور جگہ سوائے آپ کے نہیں ہے کہ خدا نہ کرے اگر آپ کا کوئی قہر آجائے یا آپ کا عذاب آجائے تو ہم بچ کر کہاں جائیں، اس لیے کہ کوئی اور پناہ کی جگہ ہے نہیں، پھر لوٹ کر آپ ہی کے پاس آنا پڑے گا کہ اے اللہ! اپنے غضب اور قہر سے بچا لیجیے۔

تیر چلانے والے کے پہلو میں بیٹھ جاؤ

ایک بزرگ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ تم یہ تصور کرو کہ ایک زبردست قوت ہے اور اس کے ہاتھ میں کمان ہے اور یہ پورا آسمان اس کمان کی قوس ہے اور زمین اس کی تانت ہے اور حوادث اور مصیبتیں اس کمان سے چلنے والے تیر ہیں۔ اب دیکھو کہ ان حوادث کے تیروں سے بچنے کا راستہ کیا ہے؟ کیسے ان سے بچیں؟ کہاں جائیں؟ پھر خود ہی ان بزرگ نے جواب دیا کہ ان تیروں سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ خود اسی تیر چلانے والے کے پاس جا کر کھڑا ہو جائے، ان تیروں سے بچنے کا کوئی اور راستہ نہیں ہے۔ یہی مفہوم ان الفاظ کا ہے کہ

''لا ملجأ ولا منجأ منك اِلّا اليك''

ایک نادان بچے سے سبق لو

میرے ایک بڑے بھائی ہیں ان کا ایک پوتا ہے۔ ایک دن انہوں نے

دیکھا کہ اس پوتے کی ماں اس پوتے کو کسی بات پر مار رہی ہیں، لیکن عجیب منظر یہ دیکھا کہ ماں جتنا مارتی جارہی ہے، بچہ اسی ماں کی گود میں چڑھتا جارہا ہے۔ بجائے اس کے کہ وہ وہاں سے بھاگے، وہ تو اور گود کے اندر گھس رہا ہے اور ماں سے لپٹا جارہا ہے۔ یہ بچہ ایسا کیوں بھاگے، وہ تو اور گود کے اندر گھس رہا ہے اور ماں سے لپٹا جارہا ہے۔ یہ بچہ ایسا کیوں کر رہا ہے؟ اس لیے کہ وہ بچہ جانتا ہے کہ ماں اس کی پٹائی سے بچنے کا راستہ بھی اسی ماں ہی کے پاس ہے اور اسی ماں ہی کے پاس جاکر قرار اور سکون ملے گا اور اس ماں کی گود کے علاوہ کوئی اور سکون اور قرار کی جگہ بھی نہیں ہے۔ اس نادان بچے کو تو اتنا فہم ہے، وہ جانتا ہے کہ کہیں اور قرار نہیں ملے گا۔

یہی فہم اور ادراک نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے اندر بھی پیدا کرنا چاہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی مصیبت اور تکلیف آئی ہے، تو پناہ بھی اسی کے پاس ہے، اسی سے مانگو کہ یا اللہ! اس مصیبت اور تکلیف کو دور فرما دیجیے، آپ کے علاوہ کوئی پناہ کی جگہ بھی نہیں، اس لیے آپ ہی سے آپ کے عذاب سے پناہ مانگتے ہیں۔

سیدھے جنت میں جاؤ گے

آگے فرمایا:

اٰمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِیْ اَنْزَلْتَ، وَنَبِیِّكَ الَّذِیْ اَرْسَلْتَ

یعنی میں ایمان لایا آپ کی کتاب پر جو آپ نے نازل کی اور آپ کے نبی (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر) جو آپ نے بھیجا اور پھر فرمایا کہ یہ کلمات سونے سے پہلے

کہو اور یہ کلمات تمہاری آخری گفتگو ہو۔ اس کے بعد کوئی اور بات نہ کرو، بلکہ سو جاؤ۔

ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ رات کو سوتے وقت چند کام کرلیا کرو۔ ایک تو دن بھر کے گناہوں سے توبہ کرلیا کرو، بلکہ سارے پچھلے گناہوں سے توبہ کرلیا کرو اور وضو کرلیا کرو اور یہ مذکورہ بالا دعا پڑھ لیا کرو۔ اس دعا کے ذریعے ایمان کی تجدید ہوگئی۔ اب اس کے بعد داہنی کروٹ پر سو جاؤ۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ساری نیند عبادت بن گئی اور اگر اس حالت میں رات کو سوتے سوتے موت آگئی تو ان شاء اللہ سیدھے جنت میں جاؤ گے، اللہ نے چاہا تو کوئی رکاوٹ نہ ہوگی۔

سوتے وقت کی مختصر دعا

وعن حذيفة رضي الله عنه قال: كان النبي ﷺ اذا اخذ مضجعة من الليل وضع يده تحت خده ثم يقول: "اَللّٰهُمَّ بِاسْمِكَ اَمُوْتُ وَاَحْيَا"، واذا استيقظ قَالَ: "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَحْيَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَيْهِ النُّشُوْرِ"(۱)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب رات کے وقت اپنے بستر پر تشریف لے جاتے، تو اپنا ہاتھ اپنے رخسار کے نیچے رکھ لیتے تھے اور پھر یہ دعا پڑھتے "اللهم باسمك اموت واحيا"

(۱) صحیح البخاری ۶۹/۸ (۶۳۱۴)۔

اے اللہ! میں آپ کے نام سے مرتا ہوں اور آپ کے نام سے جیتا ہوں۔

نیند ایک چھوٹی موت ہے

اس سے پہلے جو حدیث گزری اس میں طویل دعا منقول تھی اور اس حدیث میں مختصر دعا منقول ہے۔ بہر حال! سوتے وقت دونوں دعائیں پڑھنا ثابت ہیں، لہٰذا کبھی ایک دعا پڑھ لی جائے اور کبھی دوسری دعا پڑھ لی جائے، اور اگر دونوں دعاؤں کو جمع کرلیا جائے تو اور بھی اچھا ہے اور یہ دوسری دعا تو بہت مختصر ہے اس کو یاد رکھنا بھی آسان ہے۔ اس مختصر دعا میں سوتے وقت حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی طرف توجہ دلادی کہ نیند بھی ایک چھوٹی موت ہے، اس لیے کہ نیند میں انسان دنیا و مافیہا سے بے خبر ہوجاتا ہے، جیسا کہ مردہ بے خبر ہوتا ہے۔ اس لیے اس چھوٹی موت کے وقت اس بڑی موت کا احساس کیا جائے۔ اس کو یاد کیا جائے۔ یہ چھوٹی نیند تو مجھے روزانہ آتی ہے اور عام طور پر میں اس سے بیدار ہوجاتا ہوں، لیکن ایک نیند آنے والی ہے جس سے بیداری قیامت کے دن ہوگی، اس کا استحضار کیا جائے۔ اس کو یاد کیا جائے اور اللہ تعالیٰ سے اس کے بارے میں مدد مانگی جائے کہ اے اللہ! میں آپ ہی کے نام پر مرتا ہوں اور جیتا ہوں۔

بیدار ہونے کی دعا

اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سونے سے بیدار ہوتے تو یہ دعا پڑھتے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَحْیَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَیْهِ النُّشُوْر (۱)

یعنی اے اللہ! آپ کا شکر ہے کہ آپ نے ہمیں موت کے بعد زندگی عطا فرمائی اور بالآخر اسی کی طرف ایک دن لوٹ کر جانا ہے۔

یعنی آج یہ موت آئی وہ چھوٹی موت تھی، اس سے بیداری ہوگئی۔ زندگی کی طرف واپسی ہوگئی، لیکن بالآخر ایک ایسی نیند آنے والی ہے، جس کے بعد واپسی اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہوگی، اس دنیا کی طرف نہیں ہوگی۔

موت کو کثرت سے یاد کرو

قدم قدم پر حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دو باتیں سکھا رہے ہیں۔ ایک تعلق مع اللہ اور رجوع الی اللہ، یعنی قدم قدم پر اللہ تعالیٰ کو یاد کرو۔ قدم قدم پر اللہ کا ذکر کرو اور دوسرے آخرت کی طرف توجہ دلائی جارہی ہے کہ زندگی اور موت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، اس لیے کہ جب روزانہ انسان سوتے وقت اور جاگتے وقت یہ دعائیں پڑھے گا تو اس کو ایک نہ ایک دن موت کے بعد پیش آنے والے واقعات کا دھیان ضرور آئے گا۔ کب تک یہ دھیان اور خیال نہیں آئے گا۔ کب تک غفلت میں مبتلا رہے گا؟ اس لیے یہ دعائیں آخرت کی فکر پیدا کرنے کے لیے بڑی اکسیر ہیں، حدیث میں حضورِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اکثروا ذکر ھاذم اللذات الموت"(۲)

---

(۱) صحیح البخاری ۶۹/۸ (۶۳۱۲)

(۲) سنن الترمذی ۱۴۱/۴ (۲۳۰۷) وقال ھذا حدیث حسن غریب۔

یعنی اس چیز کا ذکر کثرت سے کرو جو تمام لذتوں کو ختم کردینے والی ہے۔(یعنی موت)

اس لیے کہ موت کو یاد کرنے سے موت کے بعد اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہونے کا احساس خود بخود پیدا ہوتا ہے۔ ہماری زندگیوں میں جو خرابیاں آگئی ہیں وہ غفلت کی وجہ سے آئی ہیں۔ موت سے غفلت ہے، اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کے احساس سے غفلت ہے، اگر یہ غفلت دور ہوجائے اور یہ بات مستحضر ہوجائے کہ ایک دن اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونا ہے تو پھر انسان اپنے ہر قول اور فعل کو سوچ سوچ کر کرے گا کہ کوئی کام اللہ کی مرضی کے خلاف نہ ہوجائے۔ اس لیے ان دعاؤں کو خود بھی یاد کرنا چاہیے اور اپنے بچوں کو بچپن ہی میں یاد کرادینا چاہیے۔

الٹا لیٹنا پسندیدہ نہیں

عن یعیش بن طخفة الغفاری رضی اللہ عنہما قال: قال ابی: بینما انا مضطجع فی المسجد علی بطنی اذا رجل یحرکنی برجله فقال: «ان هذه ضجعة یبغضها الله»، قال: فنظرت، فإذا رسول الله ﷺ.(۱)

حضرت یعیش بن طخفہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میرے والد نے

(۱) سنن ابی داود ۳۰۹/٤ (۵۰٤۰) وذکره النووی فی "شرح المهذب" (٤۷۷/٤) وقال: رواه أبو داود بإسناد صحیح۔ ومسند احمد ۳۰۷/۲٤ (۱۵۵٤۳) وله شاهد من حدیث ابی هریرة عند الترمذی فی "سننه" ۳۹٤/٤ (۲۷٦۸) واحمد فی "مسنده" ۲۵۱/۱۳ (۷۸٦۲) وقال الهيثمي في "المجمع" ۱۸۹/۸ (۱۳۱۸۷): رواه أحمد، وفيه محمد بن عمرو بن علقمة، وهو حسن الحديث، وبقية رجاله رجال الصحيح.

مجھے یہ واقعہ سنایا کہ میں ایک دن مسجد میں پیٹ کے بل لیٹا ہوا تھا، اچانک میں نے دیکھا کہ کوئی شخص اپنے پاؤں سے مجھے حرکت دے رہا ہے اور ساتھ ساتھ یہ کہہ رہا ہے کہ یہ لیٹنے کا وہ طریقہ ہے جسے اللہ تعالیٰ ناپسند فرماتے ہیں۔ جب میں نے مڑ کر دیکھا تو وہ کہنے والے شخص حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے۔

گویا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس طریقے سے لیٹنے کو پسند نہیں فرمایا، یہاں تک کہ پاؤں سے حرکت دے کر ان کو اس پر تنبیہ فرمائی۔ اس سے معلوم ہوا کہ بلا ضرورت پیٹ کے بل الٹا لیٹنا مکروہ ہے اور اللہ تعالیٰ کو بھی ناپسند ہے اور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی ناپسند ہے۔

وہ مجلس باعثِ حسرت ہوگی

عن ابی هريرة رضی اللہ عنہ عن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم: «من قَعَدَ مَقْعَداً وَلَمْ يَذْكُرِ اللهَ تَعَالٰى فِيهِ، كَانَتْ عَلَيْهِ مِنَ اللهِ تِرَةٌ، وَمَنِ اضْطَجَعَ مُضْطَجِعاً لَا يَذْكُرُ اللهَ فِيهِ كَانَتْ عَلَيْهِ مِنَ اللهِ تِرَةٌ»(۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”جو شخص کسی ایسی مجلس میں بیٹھے جس میں اللہ کو یاد نہ کیا گیا ہو، اللہ کا کوئی ذکر اس مجلس میں نہ آیا ہو۔ تو

---

(۱) سنن أبی داود ٤/٤٦٤ (٤٨٥٦) وسنن الترمذی ٥/٣٩١ (٣٣٨٠) وقال هذا حديث حسن.

آخرت میں وہ مجلس اس کے لیے حسرت کا باعث بنے گی۔“

یعنی جب آخرت میں پہنچے گا اس وقت حسرت کرے گا کہ کاش! میں اس مجلس میں نہ بیٹھا ہوتا جس میں اللہ کا نام نہیں لیا گیا۔ اس لیے فرمایا کہ مسلمان کی کوئی مجلس اللہ کے ذکر سے خالی نہ ہونی چاہیے۔

ہماری مجلسوں کا حال

اب ذرا ہم لوگ اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں، اپنے حالات کا جائزہ لے کر دیکھیں کہ ہماری کتنی مجلسیں، کتنی محفلیں، غفلت کی نظر ہوجاتی ہیں اور ان میں اللہ تعالیٰ کا ذکر، اللہ کا نام یا اللہ کے دین کا کوئی تذکرہ ان میں نہیں ہوتا، سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ قیامت کے روز ایسی تمام مجلسیں وبال اور حسرت کا ذریعہ ہوں گی۔ ہمارے یہاں مجلس آرائی کا سلسلہ چل پڑا ہے، اسی مجلس آرائی ہی کو مقصد بنا کر لوگ بیٹھ جاتے ہیں اور فضول باتیں کرنے کے لیے باقاعدہ محفل جمائی جاتی ہے، جس کا مقصد گپ شپ کرنا ہوتا ہے، یہ گپ شپ کی مجلس بالکل فضول اور بے کار اور بے مقصد اور اوقات کو ضائع کرنے والی بات ہے اور جب مقصد صحیح نہیں ہوتا، بلکہ محض وقت گزاری مقصود ہوتی ہے، تو ظاہر ہے کہ ایسی مجلس میں اللہ تبارک وتعالیٰ اور اللہ کے دین سے غفلت تو ہوگی اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس مجلس میں کبھی کسی کی غیبت ہوگی، کبھی جھوٹ ہوگا، کبھی کسی کی دل آزاری ہوگی، کسی کی تحقیر ہوگی، کسی کا مذاق اڑایا جائے گا۔ یہ سارے کام اس مجلس میں ہوں گے۔ اس لیے کہ جب اللہ تعالیٰ سے غافل ہوگئے تو اس غفلت کے نتیجے میں وہ مجلس بہت سے گناہوں کا مجموعہ بن جائے گی، اس بات کو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں کہ جس مجلس میں اللہ کا ذکر نہ کیا جائے تو وہ

مجلس قیامت کے روز حسرت کا سبب بنے گی۔ ہائے ہم نے وہ وقت کیسا ضائع کردیا، کیونکہ آخرت میں تو ایک ایک لمحے کی قیمت ہوگی، ایک ایک نیکی کی قیمت ہوگی۔ جب انسان کا حساب و کتاب ہورہا ہوگا اور اللہ تعالیٰ کے سامنے حضوری ہوگی۔ اس وقت ایک ایک نیکی کا خیال ہوگا، اس وقت تمنا کرے گا کہ کاش! ایک نیکی میرے نامہ اعمال میں بڑھ جاتی۔ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو ہم پر ماں باپ سے زیادہ شفیق اور مہربان ہیں وہ اس طرف توجہ دلا رہے ہیں کہ قبل اس کے کہ وہ حسرت کا وقت آئے، ابھی سے اس بات کا دھیان کرلو کہ یہ مجلسیں حسرت بننے والی ہیں۔

تفریحِ طبع کی باتیں کرنا جائز ہے

لیکن ایک بات عرض کردوں کہ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آدمی بس خشک اور کھردرا ہوکر رہ جائے اور کسی سے کوئی خوش طبعی اور شگفتگی کی بات نہ کرے، یہ مقصد ہرگز نہیں، کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کے پاس بیٹھتے تو کبھی آپ تفریح طبع کی باتیں بھی کیا کرتے تھے، بلکہ خود حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ

"رَوِحُوا الْقُلُوبَ ساعةً فساعةً"(۱)

کبھی کبھی اپنے دلوں کو راحت اور آرام دیا کرو۔

اس لیے کبھی کبھی خوش طبعی اور شگفتگی کی باتیں کرنے میں کچھ حرج نہیں۔ یہاں تک کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین فرماتے ہیں کہ بعض اوقات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

---

(۱) مسند الشھاب ۳۹۳/۱ (۶۷۲) طبع موسسہ الرسالۃ۔ وقال المناوی فی "فیض القدیر"

کی مجلس میں بیٹھے ہوتے تو زمانۂ جاہلیت کے واقعات بھی کبھی کبھی بیان کرتے کہ ہم زمانۂ جاہلیت میں ایسی حرکتیں کیا کرتے تھے اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سنتے رہتے اور بعض اوقات تبسم بھی فرماتے(۱)، لیکن ان مجلسوں میں اس بات کا اہتمام تھا کہ کوئی گناہ کا کام نہ ہو، غیبت اور دل آزاری نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ ان مجلسوں کے باوجود دل کی لو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف لگی ہوئی ہے۔ ذکر اللہ سے وہ مجلس خالی نہیں تھی، مثلاً اس مجلس میں زمانۂ جاہلیت کا ذکر کیا اور پھر اس پر اللہ کا شکر ادا کیا کہ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں ضلالت اور گمراہی اور تاریکی سے نکال دیا، لہٰذا یہ طریقہ تھا حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا۔ وہ اس کا مصداق تھے کہ

دست بکار دل بیار

کہ ہاتھ اپنے کام میں مشغول ہے، زبان سے دوسری باتیں نکل رہی ہیں اور دل کی لو بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف لگی ہوئی ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شانِ جامعیت

یہ بات کہنے کو تو آسان ہے، لیکن مشق سے یہ چیز حاصل ہوتی ہے۔ حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ارشاد میں نے اپنے شیخ حضرت ڈاکٹر صاحب قدس اللہ

= (٤١/٤): (أبو بكر المقري في فوائده والقضاعي) في مسند الشهاب (عنه) أي عن أبي بكر المذكور (وعن أنس) بن مالك (د في مراسيله عن ابن شهاب) يعني الزهري (مرسلا) قال البخاري: ويشهد له ما في مسلم وغيره: "يا حنظلة ساعة وساعة"، وقال شارح الشهاب: إنه حسن.

(۱) صحیح مسلم ٤٦٣/١ (٦٧٠)۔

سرہ سے بارہا سنا کہ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی تھی کہ نبی کریم ﷺ کی وہ ذاتِ والا صفات جس کا ہر آن اللہ جل شانہ سے رابطہ قائم ہے۔ وحی آرہی ہے۔ ملائکہ نازل ہورہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہم کلامی کا شرف حاصل ہورہا ہے، ایسے جلیل القدر مقامات پر جو ہستی فائز ہیں وہ اپنے اہل وعیال کے ساتھ دل لگی کیسے کرلیتے ہیں! وہ اپنے اہل وعیال سے دنیا کی باتیں کیسے کرلیتے ہیں! جب کہ ہر وقت حضوری کا یہ عالم ہے، مگر رات کے وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو گیارہ عورتوں کی کہانی سنارہے ہیں کہ گیارہ عورتیں تھیں ان عورتوں نے یہ معاہدہ کیا کہ ہر عورت اپنے شوہر کی کیفیت بیان کرے کہ اس کا شوہر کیسا ہے؟ اب ہر عورت نے اپنے شوہر کا پورا حال بیان کیا کہ میرا شوہر ایسا ہے، میرا شوہر ایسا ہے۔ اب یہ سارا واقعہ حضورِ اقدس ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو سنارہے ہیں۔ [(۱)]

بہرحال! حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ بات پہلے سمجھ میں نہیں آتی تھی کہ جس ذاتِ گرامی کا اللہ تعالیٰ سے اس درجے تعلق قائم ہو وہ حضرت عائشہ اور دوسری ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے ساتھ ہنسی اور دل لگی کی باتیں کیسے کرلیتے ہیں! لیکن بعد میں فرمایا کہ الحمد للہ! اب سمجھ میں آگیا کہ یہ دونوں باتیں ایک ساتھ جمع ہوسکتی ہیں کہ دل لگی بھی ہورہی ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ تعلق بھی قائم ہے۔ اس لیے کہ وہ دل لگی اور ہنسی مذاق بھی درحقیقت اللہ تعالیٰ کے لیے ہورہی ہے اور دل میں یہ خیال ہے کہ میرے اوپر اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ حق واجب کیا ہے کہ ان کا دل خوش کروں اس حق کی وجہ سے یہ دل لگی ہورہی ہے۔ تو اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ رابطہ بھی قائم ہے اور اس دل لگی کی وجہ سے وہ

---

(۱) ملاحظہ ہو صحیح البخاری ۷/۲۷ (۵۱۸۹) وصحیح مسلم ۴/۱۸۹۶ (۲۴۴۸)۔

رابطہ نہ ٹوٹتا ہے اور نہ کمزور ہوتا ہے، اس میں کوئی نقص نہیں آتا، بلکہ اس تعلق میں اور زیادہ اضافہ ہوتا ہے۔

اظہارِ محبت پر اجر وثواب

حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ حضرت! اگر میاں بیوی آپس میں باتیں کرتے ہیں اور ایک دوسرے سے اظہارِ محبت کرتے ہیں تو اس وقت ان کے ذہنوں میں اس کا تصور بھی نہیں ہوتا کہ یہ اللہ کا حکم ہے اس واسطے کر رہا ہوں، تو کیا اس پر بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر ملتا ہے؟ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہاں! اللہ تعالیٰ اس پر بھی اجر عطا فرماتے ہیں اور ایک مرتبہ دل میں یہ ارادہ کرلیا کہ میں ان تمام تعلقات کا حق اللہ کے لیے ادا کر رہا ہوں۔ اللہ کے حکم کے مطابق ادا کر رہا ہوں تو اب اگر ہر مرتبہ میں اس کا استحضار بھی نہ ہو تو جب ایک مرتبہ جو نیت کرلی گئی ہے، ان شاء اللہ وہ بھی کافی ہے۔

ہر کام اللہ کی رضا کی خاطر کرو

اس لیے ہمارے حضرت ڈاکٹر عبد الحیٔ صاحب رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ جب تم صبح بیدار ہوجاؤ تو نماز کے بعد تلاوتِ قرآن اور ذکر و اذکار اور معمولات سے فارغ ہونے کے بعد ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کرلو کہ

اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (۱)

اے اللہ! آج دن بھر میں جو کچھ کام کروں گا وہ آپ کی رضا کی خاطر

(۱) سورۃ الانعام آیت (۱۶۲)۔

کروں گا، کماؤں گا تو آپ کی رضا کی خاطر، گھر میں جاؤں گا تو آپ کی خاطر، بچوں سے بات کروں گا تو آپ کی رضا خاطر، یہ سب کام میں اس لیے کروں گا کہ ان کے حقوق آپ نے میرے ساتھ وابستہ کردیے ہیں۔ اور جب ایک مرتبہ یہ نیت کرلی تو اب یہ دنیا کے کام نہیں ہیں، بلکہ یہ سب دین کے کام ہیں اور اللہ کی رضا کے کام ہیں۔ ان کاموں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے تعلق ختم نہیں ہوتا، بلکہ وہ تعلق اور زیادہ مضبوط ہوجاتا ہے۔

حضرت مجذوب رحمۃ اللہ علیہ اور اللہ کی یاد

حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہ کے جو تربیت یافتہ حضرات تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی یہی صفت عطا فرمائی تھی، چنانچہ میں نے اپنے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ سے بارہا یہ واقعہ سنا کہ حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوب رحمۃ اللہ علیہ، جو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے اکابر خلفاء میں تھے، ایک مرتبہ وہ اور ہم لوگ امرتسر میں حضرت مفتی محمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مدرسے میں جمع ہوگئے، اس وقت آم کا موسم تھا، رات کو کھانے کے بعد سب لوگ مل کر آم کھاتے رہے اور آپس میں بے تکلفی کی باتیں بھی ہوتی رہیں۔ حضرت مجذوب صاحب رحمہ اللہ چونکہ شاعر بھی تھے، اس لیے انہوں نے بہت سے اشعار سنائے، تقریباً ایک گھنٹہ اس طرح گزر گیا کہ شعر و شاعری اور ہنسی مذاق کی باتیں ہوتی رہیں، اس کے بعد حضرت مجذوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ہم سے اچانک یہ سوال کیا کہ دیکھو! ہم سب ایک گھنٹے سے یہ باتیں کر رہے ہیں، یہ بتاؤ کہ تم میں سے کس کس کو اللہ تعالیٰ کے ذکر اور یاد سے غفلت ہوئی؟ ہم نے کہا کہ ہم سب ایک گھنٹے سے انہی باتوں میں خوش گپیوں میں منہمک ہیں۔ اس لیے سب ہی اللہ کے ذکر سے غفلت

میں ہیں، اس پر حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اللہ کا فضل و کرم ہے کہ مجھے اس پورے عرصے میں اللہ کی یاد اور اس کے ذکر سے غفلت نہیں ہوئی۔ دیکھیے! ہنسی مذاق بھی ہو رہا ہے۔ دل لگی کی باتیں بھی ہو رہی ہیں۔ شعر بھی سنائے جارہے ہیں اور شعر بھی سادہ انداز میں نہیں، بلکہ ترنّم کے ساتھ شعر سنائے جارہے ہیں، بعض اوقات شعر و شاعری میں گھنٹوں گزار دیتے تھے، لیکن وہ فرمارہے ہیں کہ الحمد للہ! مجھے اللہ کی یاد سے غفلت نہیں ہوئی۔ اس پورے عرصے میں دل اللہ کی طرف لگا رہا۔ یہ کیفیت مشق کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی، جب اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس کیفیت کا کوئی حصہ ہم لوگوں کو عطا فرمادے، اس وقت معلوم ہوگا کہ یہ کتنی بڑی نعمت ہے۔

دل کی سوئی اللہ کی طرف

میں نے اپنے والد صاحب رحمہ اللہ کا ایک مکتوب دیکھا جو حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے نام لکھا تھا۔ حضرت والد صاحبؒ نے اس مکتوب میں لکھا تھا کہ

> ''حضرت میں اپنے دل میں یہ کیفیت محسوس کرتا ہوں کہ جس طرح قطب نما کی سوئی ہمیشہ شمال کی طرف رہتی ہے، اسی طرح اب میرے دل کی یہ کیفیت ہوگئی ہے کہ چاہے کہیں پر بھی کام کر رہا ہوں، چاہے مدرسے میں رہوں یا گھر میں ہوں یا دوکان پر ہوں یا بازار میں ہوں، لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے کہ دل کی سوئی تھانہ بھون کی طرف ہے۔''

اب ہم لوگ اس کیفیت کو اس وقت تک کیا سمجھ سکتے ہیں جب تک اللہ

تبارک وتعالیٰ اپنے فضل سے ہم لوگوں کو عطا نہ فرمادے، لیکن کوشش اور مشق سے یہ چیز حاصل ہوجاتی ہے کہ چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے انسان اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا رہے، اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضری کا احساس ہوتا رہے۔ پھر آہستہ آہستہ یہ کیفیت حاصل ہوجاتی ہے کہ زبان سے دل لگی کی باتیں ہورہی ہیں۔ مگر دل کی سوئی اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف لگی ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ کیفیت عطا فرمادے۔ آمین۔

دل اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے بنایا ہے

یہ ساری دعائیں جو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تلقین فرمارہے ہیں، ان سب کا منتہاء مقصود یہ ہے کہ جب کسی کام میں تم لگے ہوئے ہو، جس حالت میں بھی تم ہو، مگر تمہارا دل اللہ تعالیٰ کی طرف لگا ہوا ہو۔ یہ دل اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے بنایا ہے، دوسرے جتنے اعضاء ہیں، آنکھ، ناک، کان، زبان وغیرہ یہ سب دنیوی کاموں کے لیے ہیں کہ ان کے ذریعے دنیاوی مقاصد حاصل کرتے چلے جاؤ، لیکن یہ دل اللہ تبارک وتعالیٰ نے خالصتاً اپنے لیے بنایا ہے، تاکہ اس کے اندر اللہ کی تجلی ہو، اس کی محبت سے یہ معمور ہو، اس کے ذکر سے یہ آباد ہو، اس بات کو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث میں ان الفاظ کے ذریعے ارشاد فرمایا کہ

"افضل عمل یہ ہے کہ انسان کی زبان اللہ کے ذکر سے تر رہے۔"(۱)

(۱) سنن الترمذی ۳۸۸/۵ (۳۳۷۵) وقال ھذا حدیث حسن غریب من ھذا الوجہ۔ ومسند احمد ۲۲۶/۲۹ (۱۷۶۸۰)۔

اسی زبان کو اللہ تعالیٰ نے دل میں اترنے کا زینہ بنایا ہے، اس لیے جب زبان سے ذکر کرتے رہو گے تو ان شاء اللہ اس ذکر کو اللہ تعالیٰ دل کے اندر اتار دیں گے اور طریقت و تصوف و سلوک کا اصل مقصد بھی یہ ہے کہ دل میں اللہ تعالیٰ کی یاد، اللہ تعالیٰ کی محبت اس طرح سما جائے کہ یہ اللہ جل جلالہ کی تجلی گاہ بن جائے۔

مجلس کی دعا اور کفارہ

بہرحال! حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حدیث میں فرمایا کہ جو شخص ایسی مجلس میں بیٹھے جس میں اللہ کا ذکر نہ ہو، تو وہ مجلس قیامت کے دن باعث حسرت بنے گی۔ اور اسی لیے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قربان جایئے کہ وہ ہم جیسے غافلوں کے لیے، کمزوروں کے لیے اور تن آسانوں کے لیے آسان آسان نسخے بتا گئے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں یہ نسخہ بتا دیا کہ جب مجلس سے اٹھنے لگو یہ کلمات کہہ لو:

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ
وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (۱)

اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اگر مجلس اب تک اللہ کے ذکر سے خالی تھی تو اب اللہ کے ذکر سے آباد ہوگئی۔ اب اس مجلس کے بارے میں یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس میں اللہ کا ذکر نہیں ہوا، بلکہ ذکر ہوگیا، اگر چہ آخر میں ہوا اور دوسرے یہ کہ مجلس میں جو کمی کوتاہی ہوئی اس کے لیے یہ کلمات کفارہ ہو جائیں گے ان شاء اللہ اور

---

(۱) تفسیر ابن ابی حاتم ۳۲۳٤/۱۰ (۱۸۳۲۲) و(۱۸۳۲٤)۔طبع مکتبة نزار مصطفی المكة المكرمة۔والحديث ذكره الحافظ ابن حجر فی "نتائج الأفكار" (۲/ ۳۰۶) وقال: أخرجه ابن أبي حاتم في التفسير من مرسل الشعبي بسند صحيح إليه.

دوسرا کلمہ یہ پڑھے۔

سُبۡحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمۡدِكَ اَشۡهَدُ اَنۡ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنۡتَ اَسۡتَغۡفِرُكَ وَاَتُوۡبُ اِلَيۡكَ (۱)

بہرحال! یہ دونوں کلمات اگر مجلس سے اٹھنے سے پہلے پڑھ لوگے تو ان شاء اللہ پھر قیامت کے دن وہ مجلس باعث حسرت نہیں بنے گی اور اس مجلس میں جو کمی کوتاہی یا صغیرہ گناہ ہوئے ہیں۔ وہ ان شاء اللہ معاف ہوجائیں گے، البتہ جو کبیرہ گناہ کیے ہیں تو وہ اس کے ذریعے معاف نہیں ہوں گے، جب تک آدمی توبہ نہ کرلے، اس لیے ان مجالس میں اس کا خاص اہتمام کریں کہ ان میں جھوٹ نہ ہو، غیبت نہ ہو، دل آزاری نہ ہو، اور جتنے کبیرہ گناہ ہیں ان سے اجتناب ہو۔ کم ازکم اس کا اہتمام کرلیں۔

سونے کو عبادت بنالو

اس حدیث میں اگلا جملہ یہ ارشاد فرمایا کہ

”ومن اضطجع مضطجعاً لا یذکر اللہ تعالیٰ فیہ کانت علیہ من اللہ ترۃ“

جو شخص کسی ایسے بستر پر لیٹے کہ اس لیٹنے کے سارے عرصے میں ایک مرتبہ بھی اللہ کا نام نہ لے تو وہ لیٹنا بھی قیامت کے روز اس کے لیے حسرت کا ذریعہ بنے گا (کہ اس دن میں

(۱) سنن الترمذی ۴۳۱/۵ (۳۴۳۳) وقال ھذا حدیث حسن غریب صحیح من ھذا الوجہ. وسنن ابی داود ۲۶۵/۴ (۴۸۵۸)۔

لیٹا تھا، لیکن میں نے اس میں اللہ کا ذکر نہیں کیا)۔

اس لیے کہ نہ سوتے وقت دعا پڑھی اور نہ بیداری کے وقت دعا پڑھی، اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمادیا کہ سونے سے پہلے بھی ذکر کرلو اور آخر میں بھی ذکر کرلو اور درحقیقت مومن کی پہچان یہی ہے کہ وہ ذکر کر کے سوئے اس لیے کہ ایک کافر بھی سوتا ہے، اور ایک مومن بھی سوتا ہے، لیکن کافر غفلت میں سوتا ہے، اللہ کو یاد کیے بغیر سوتا ہے اور مومن اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس کے ذکر کے ساتھ سوتا ہے، اس لیے سارا سونا اس کے لیے عبادت بن جاتا ہے۔

اگر تم اشرف المخلوقات ہو.....!

یہی وہ طریقے ہیں جو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں سکھا گئے اور ہمیں جانوروں سے ممتاز کردیا۔ کافروں سے ممتاز کردیا۔ آخر گدھے گھوڑے بھی سوتے ہیں، کون سا جانور ایسا ہے جو نہیں سوتا ہوگا، لیکن اگر تم اپنے آپ کو اشرف المخلوقات کہتے ہو تو پھر سوتے وقت اور بیدار ہوتے وقت اپنے خالق کو یاد کرنا نہ بھولو۔ اس لیے دعائیں ہمیں تلقین فرمادیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان دعاؤں کا پابند بنادے اور اس کے انوار و برکات ہم سب کو عطا فرمادے۔ آمین۔

ایسی مجلس مردار گدھا ہے

عن أبی هريرة رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم: «ما من قوم يقومون من مجلس لا يذكرون الله تعالى فيه الا قاموا عن مثل جيفة حمار وكان لهم

حسرۃ»(۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”جو قوم کسی ایسی مجلس سے اٹھے جس میں اللہ کا ذکر نہیں ہے تو یہ مجلس ایسی ہے جیسے کسی مردہ گدھے کے پاس سے اٹھ گئے (گویا کہ وہ مجلس مردار گدھا ہے، جس میں اللہ کا ذکر نہ کیا جائے) اور قیامت کے روز وہ مجلس ان کے لیے حسرت کا سبب بنے گی۔“

نیند اللہ کی عطا ہے

یہ سونے اور اس کے آداب، لیٹنے اور اس کے آداب اور اس کے متعلقات کا بیان چل رہا ہے اور جیسا کہ میں پہلے بھی عرض کرچکا ہوں کہ زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے، جس کے بارے میں نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں صحیح طریقہ نہ بتایا ہو اور جس کے بارے میں یہ نہ بتایا ہو کہ اس وقت تمہیں کیا کرنا چاہیے۔ نیند بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کی عظیم نعمت ہے۔ اگر یہ حاصل نہ ہو تب پتہ لگے کہ اس کا نہ ہونا کتنی بڑی مصیبت ہے، اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے عطا فرمادی ہے اور اس طرح عطا فرمائی ہے کہ ہماری کسی محنت کے بغیر نظام ہی ایسا بنادیا کہ وقت پر نیند آجاتی ہے، انسان کے جسم میں کوئی ایسا سوئچ نہیں ہے کہ اگر اس کو دبادو گے تو نیند آجائے گی، بلکہ یہ محض اللہ تعالیٰ کی عطا ہے۔

---

(۱) سنن ابی داود ٤/٢٦٤ (٤٨٥٥) والحدیث ذکرہ النووی فی ”ریاض الصالحین“ ص ٢٦١ (٨٣٤) وقال رواہ ابو داود باسناد صحیح۔

رات اللہ کی عظیم نعمت ہے

میرے والد ماجد قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ اس پر غور کرو کہ اللہ تعالیٰ نے نیند کا ایسا نظام بنادیا کہ سب کو ایک ہی وقت میں نیند کی خواہش ہوتی ہے، ورنہ اگر یہ ہوتا کہ ہر شخص نیند کے معاملے میں آزاد ہے کہ جس وقت وہ چاہے سوجائے تو اب یہ ہوتا کہ ایک آدمی کا صبح آٹھ بجے سونے کا دل چاہ رہا ہے، ایک آدمی کا بارہ بجے سونے کا دل چاہ رہا ہے، ایک آدمی کا چار بجے سونے کا دل چاہ رہا ہے۔ تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ ایک آدمی سونا چاہ رہا ہے اور دوسرا آدمی اپنے کام میں لگا ہوا ہے اور اس کے سر پر کھٹ کھٹ کر رہا ہے، تو اب صحیح طور پر نیند نہیں آئے گی، بے آرامی رہے گی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے کائنات کا نظام ایسا بنادیا کہ ہر انسان کو، جانوروں کو، پرندوں کو، چرندوں کو، درندوں کو ایک ہی وقت میں نیند آتی ہے۔ حضرت والد صاحب رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ کیا ایک وقت میں سونے کے نظام کے لیے کوئی بین الاقوامی کانفرنس ہوئی تھی؟ اور ساری دنیا کے نمائندوں کو بلا کر مشورہ کیا گیا تھا کہ کون سے وقت سویا کریں؟

اگر انسان کے اوپر اس معاملے کو چھوڑا جاتا تو انسان کے بس میں نہیں تھا کہ وہ پوری دنیا کا نظام اس طرح کا بنادیتا ہے کہ ہر آدمی اس وقت سو رہا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے ہر ایک کے دل میں خود بخود یہ احساس ڈال دیا کہ یہ رات کا وقت سونے کا ہے اور نیند کو ان پر مسلط کردیا۔ سب اس ایک وقت میں سو رہے ہیں، اسی لیے قرآن کریم میں فرمایا کہ

وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَناً [1]

(۱) سورۃ الانعام آیت (۹۶)۔

کہ رات کوسکون کا وقت بنایا، دن کو معیشت کے لیے اور زندگی کے کاروبار کے لیے بنایا، اس لیے یہ نیند اللہ تعالیٰ کی عطا ہے۔ بس اتنی بات ہے کہ اس کی عطا سے فائدہ اٹھاؤ اور اس کو ذرا سا یاد کرلو کہ یہ عطا کس کی طرف سے ہے اور اس کا شکر ادا کرلو اور اس کے سامنے حاضری کا احساس کرلو۔ یہ ان ساری تعلیمات کا خلاصہ ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

لباس کے شرعی اصول

(اصلاحی خطبات ۵ / ۲۵۸)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لباس کے شرعی اصول

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ، وَأَشْهَدُ اَنْ لَّا إِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا۔ أَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ط

وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ (۱)

آمنت باللہ صدق اللہ مولانا العظیم، وصدق رسولہ النبی الکریم، ونحن علی ذالک من الشاھدین والشاکرین، والحمد للہ رب العالمین۔

جیسا کہ پہلے عرض کر چکا ہوں کہ اسلام کی تعلیمات زندگی کے ہر شعبے پر محیط ہیں، لہٰذا ان کا تعلق ہماری معاشرت اور رہن سہن کے ہر حصے سے ہے، زندگی کا کوئی گوشہ اسلام کی تعلیمات سے خالی نہیں۔ ''لباس'' بھی زندگی کے گوشوں میں سے اہم گوشہ ہے، اس لیے قرآن و سنّت نے اس کے بارے میں بھی تفصیلی ہدایات دی ہیں۔

موجودہ دور کا پروپیگنڈا

آج کل ہمارے دور میں یہ پروپیگنڈا بڑی کثرت سے کیا گیا ہے کہ لباس تو ایسی چیز ہے جس کا ہر قوم اور ہر وطن کے حالات سے تعلق ہوتا ہے، اس لیے آدمی اگر اپنی مرضی اور ماحول کے مطابق کوئی لباس اختیار کرلے تو اس کے بارے میں شریعت کو بیچ میں لانا اور شریعت کے احکام سنانا تنگ نظری کی بات ہے اور یہ جملہ تو لوگوں سے بکثرت سننے میں آتا ہے کہ ان مولویوں نے اپنی طرف سے قیدیں شرطیں لگادی ہیں ورنہ دین میں تو بڑی آسانی ہے، اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو دین میں اتنی پابندیاں نہیں لگائی ہیں، مگر ان ملّاؤں کی

---

(۱) سورۃ الاعراف آیت (۲۶)۔

تنگ نظری کی دلیل ہے اور اس تنگ نظری کے نتیجے میں انہوں نے خود بھی بہت سی باتوں کو چھوڑ رکھا ہے اور دوسروں سے بھی چھڑا رکھا ہے۔

ہر لباس اپنا اثر رکھتا ہے

خوب سمجھ لیجیے! لباس کا معاملہ اتنا سادہ اور اتنا آسان نہیں ہے کہ آدمی جو چاہے لباس پہنتا رہے اور اس لباس کی وجہ سے اس کے دین پر، اس کے اخلاق پر، اس کی زندگی پر اور اس کے طرزِ عمل پر کوئی اثر واقع نہ ہو۔ یہ ایک مسلّم حقیقت ہے جس کو شریعت نے تو ہمیشہ بیان فرمایا، اور اب نفسیات اور سائنس کے ماہرین بھی اس حقیقت کو تسلیم کرنے لگے ہیں کہ انسان کے لباس کا اس کی زندگی پر، اس کے اخلاق پر، اس کے کردار پر بڑا اثر واقع ہوتا ہے۔ لباس محض ایک کپڑا نہیں ہے جو انسان نے اٹھا کر پہن لیا، بلکہ یہ لباس انسان کے طرزِ فکر پر، اس کی سوچ پر، اس کی ذہنیت پر اثر انداز ہوتا ہے، اس لیے لباس کو معمولی نہیں سمجھنا چاہیے۔

حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ پر جبّے کا اثر

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ ایک مرتبہ مسجد نبوی میں خطبہ دینے کے لیے تشریف لائے، اس وقت وہ ایک بہت شاندار جبّہ پہنے ہوئے تھے، جب خطبے سے فارغ ہو کر گھر تشریف لے گئے تو جا کر اس جبّے کو اتار دیا اور فرمایا کہ میں آئندہ اس جبّے کو نہیں پہنوں گا، اس لیے کہ اس جبّے کو پہننے سے میرے دل میں بڑائی اور تکبر کا احساس پیدا ہوگیا، اس لیے میں آئندہ

اس کو نہیں پہنوں گا(۱)۔ حالانکہ وہ جبہ بذات خود ایسی چیز نہیں تھی جو حرام ہوتی، لیکن اللہ تعالیٰ جن حضرات کی طبیعتوں کو آئینے کی طرح شفّاف بناتے ہیں، ان کو ذرا ذرا سی باتیں بھی بری لگتی ہیں۔ اس کی مثال یوں سمجھیے جیسے ایک کپڑا داغ دار ہے اور اس کپڑے پر ہر جگہ دھبے ہی دھبے لگے ہوئے ہیں، اس کے بعد اس کپڑے پر ایک داغ اور لگ جائے تو اس کپڑے پر کوئی اثر ظاہر نہ ہوگا۔

ہمارا بھی یہی حال ہے کہ ہمارا سینہ داغوں اور دھبّوں سے بھرا ہوا ہے، اس لیے اگر خلاف شریعت کوئی بات ہوجاتی ہے تو اس کی ظلمت اور اس کی تاریکی اور اس کے وبال کا احساس نہیں ہوتا، لیکن جن حضرات کے سینے اللہ تعالیٰ نے آئینے کی طرف شفّاف بنائے ہیں، ان کی مثال ایسی ہے جیسے ایک سفید صاف شفّاف کپڑا ہو، اس پر اگر ذرا سا بھی داغ لگ جائے گا تو وہ داغ بہت نمایاں نظر آئے گا، اسی طرح اللہ والوں کے دل صاف شفّاف ہوتے ہیں، ان پر ذرا سی بھی چھینٹ پڑ جائے تو ان کو ناگوار ہوتی ہے۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے واقعے سے معلوم ہوا کہ لباس کا اثر انسان کے اخلاق و کردار پر اور اس کی زندگی پر بھی پڑتا ہے۔ اس لیے لباس کو معمولی سمجھ کر نظر انداز نہیں کرنا چاہیے اور لباس کے بارے میں شریعت کے جو اصول ہیں وہ سمجھ لینے چاہئیں اور ان کی پیروی کرنی بھی ضروری ہے۔

آج کل کا ایک اور پروپیگنڈا

آج کل یہ جملہ بھی بہت کثرت سے سننے میں آتا ہے کہ اس ظاہری لباس

(۱) ملاحظہ ہو "التميز في حياة المسلم بين النظرية و التطبيق"، لعبد الله عياد العنزي ص ١٢٦ طبع دار المسلم للنشر و التوزيع. سنة الطباعة ١٤١٩هـ.

میں کیا رکھا ہے، دل صاف ہونا چاہیے اور ہمارا دل صاف ہے، ہماری نیت اچھی ہے، اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہمارا تعلق قائم ہے، سارے کام تو ہم ٹھیک کر رہے ہیں، اب اگر ذرا سا لباس بدل دیا تو اس میں کیا حرج ہے؟ کیونکہ دین ظاہر کا نام نہیں، بلکہ باطن کا نام ہے، دین جسم کا نام نہیں، بلکہ روح کا نام ہے۔ شریعت کی روح دیکھنی چاہیے، دین کی روح کو سمجھنا چاہیے۔ آج کل اس قسم کے جملے بہت کثرت سے پھیلے ہوئے ہیں اور پھیلائے جا رہے ہیں اور فیشن بن گئے ہیں۔

ظاہر اور باطن دونوں مطلوب ہیں

خوب یاد رکھیے! دین کے احکام روح پر بھی ہیں اور جسم پر بھی ہیں، باطن پر بھی ہیں اور ظاہر پر بھی ہیں۔ قرآنِ کریم کا ارشاد ہے:

وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ (۱)

یعنی ظاہر کے گناہ بھی چھوڑو اور باطن کے گناہ بھی چھوڑو، صرف یہ نہیں کہا کہ باطن کے گناہ چھوڑو۔ خود یاد رکھیے! جب تک ظاہر خراب ہے تو پھر یہ شیطان کا دھوکہ ہے کہ باطن ٹھیک ہے، اس لیے کہ ظاہر اسی وقت خراب ہوتا ہے جب اندر سے باطن خراب ہوتا ہے، اگر باطن خراب نہ ہو تو ظاہر بھی خراب نہیں ہوگا۔

ایک خوبصورت مثال

ہمارے ایک بزرگ ایک مثال دیا کرتے تھے کہ جب کوئی پھل اندر سے

(۱) سورۃ الانعام آیت (۱۲۰)۔

سڑ جاتا ہے تو اس کے سڑنے کے آثار چھلکے پر داغ کی شکل میں نظر آنے لگتے ہیں اور اگر اندر سے وہ پھل سڑا ہوا نہیں ہے تو چھلکے پر کبھی خرابی نظر نہیں آئے گی، چھلکے پر اسی وقت خرابی ظاہر ہوتی ہے جب اندر سے خراب ہو۔ اسی طرح جس شخص کا ظاہر خراب ہے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ باطن میں بھی کچھ نہ کچھ خرابی ضرور ہے، ورنہ ظاہر خراب ہوتا ہی نہیں، لہٰذا یہ کہنا کہ ''ہمارا ظاہر اگر خراب ہے تو کیا ہوا؟ باطن ٹھیک ہے۔'' یاد رکھیے! اس صورت میں باطن کبھی ٹھیک ہو ہی نہیں سکتا۔

دنیاوی کاموں میں ظاہر بھی مطلوب ہے

دنیا کے سارے کاموں میں تو ظاہر بھی مطلوب ہے اور باطن بھی مطلوب ہے، ایک بے چارا دین ہی ایسا رہ گیا ہے جس کے بارے میں یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ ہمیں اس کا باطن چاہیے، ظاہر نہیں چاہیے۔ مثلاً دنیا کے اندر جب آپ مکان بناتے ہیں تو مکان کا باطن تو یہ ہے کہ چار دیواری کھڑی کر کے اوپر سے چھت ڈال دی تو باطن حاصل ہوگیا، اب اس پر پلاستر کی کیا ضرورت ہے؟ اور رنگ و روغن کی کیا ضرورت ہے؟ اس لیے کہ مکان کی روح تو حاصل ہوگئی ہے، وہ مکان رہنے کے قابل ہوگیا۔ مگر مکان کے اندر تو یہ فرق ہے کہ صرف چار دیواری اور چھت کافی نہیں، بلکہ پلاسٹر بھی ہو، رنگ و روغن بھی ہو، اس میں زیب و زینت کا سارا سامان موجود ہو، یہاں کبھی صرف باطن ٹھیک کر لینے کا فلسفہ نہیں چلتا یا مثلاً گاڑی ہے، ایک اس کا باطن ہے اور ایک ظاہر ہے، گاڑی کا باطن یہ ہے کہ ایک ڈھانچہ لے کر اس میں انجن لگا لو تو باطن حاصل ہے، اس لیے کہ انجن لگا ہوا ہے، وہ سواری کے قابل ہے، لہٰذا اب نہ باڈی کی ضرورت

ہے، نہ رنگ و روغن کی ضرورت ہے۔ وہاں تو کسی شخص نے آج تک یہ نہیں کہا کہ مجھے گاڑی کا باطن حاصل ہے، اب ظاہر کی ضرورت نہیں، بلکہ وہاں تو ظاہر بھی مطلوب ہے، ایک بیچارہ دین ہی ایسا مسکین رہ گیا کہ اس میں صرف باطن مطلوب ہے اور ظاہر مطلوب نہیں۔

یہ شیطان کا دھوکہ ہے

یاد رکھیے! یہ شیطان کا دھوکہ اور فریب ہے، لہٰذا ظاہر بھی درست کرنا ضروری ہے اور باطن بھی درست کرنا ضروری ہے، چاہے لباس ہو یا کھانا ہو یا آداب معاشرت ہوں، اگر چہ ان سب کا تعلق ظاہر سے ہے، لیکن ان سب کا گہرا اثر باطن پر واقع ہوتا ہے، اس لیے لباس کو معمولی سمجھ کر نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ جو لوگ ایسی باتیں کرتے ہیں ان کو دین کی حقیقی فہم حاصل نہیں، اگر یہ بات نہ ہوتی تو حضورِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم لباس کے بارے میں کوئی ہدایت نہ فرماتے، کوئی تعلیم نہ دیتے، لیکن آپ نے لباس کے بارے میں ہدایات دیں، آپ کی تعلیمات اسی جگہ پر آتی ہیں جہاں لوگوں کے بہک جانے اور غلطی میں پڑ جانے کا خطرہ ہوتا ہے، اس لیے ان اصولوں کو اور ان تعلیمات کو اہتمام کے ساتھ سننے کی ضرورت ہے۔

شریعت نے کوئی لباس مخصوص نہیں کیا

شریعت نے لباس کے بارے میں بڑی معتدل تعلیمات عطا فرمائی ہیں، چنانچہ شریعت نے کوئی خاص لباس مقرر کر کے اور اس کی ہیئت بتا کر یہ نہیں کہا کہ ہر آدمی کے لیے ایسا لباس پہننا ضروری ہے، لہٰذا جو شخص اس ہیئت سے ہٹ

کر لباس پہنے گا، وہ مسلمانی کے خلاف ہوگا۔ایسا اس لیے نہیں کہا کہ اسلام دین فطرت ہے اور حالات کے لحاظ سے، مختلف ممالک کے لحاظ سے، وہاں کے موسموں کے لحاظ سے، وہاں کی ضروریات کے لحاظ سے لباس مختلف ہوسکتا ہے۔ کہیں باریک، کہیں موٹا، کہیں کسی وضع کا، کہیں کسی ہیئت کا لباس اختیار کیا جاسکتا ہے، لیکن اسلام نے لباس کے بارے میں کچھ بنیادی اصول عطا فرمادیے، ان اصولوں کی ہر حالت میں رعایت رکھنی ضروری ہے، ان کو سمجھ لینا چاہیے۔

لباس کے چار بنیادی اصول

جو آیت میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہے، اس میں اللہ تعالیٰ نے لباس کے بنیادی اصول بتادیے ہیں، فرمایا کہ

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ۭ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ[(۱)]

اے بنی آدم! ہم نے تمہارے لیے ایسا لباس اتارا جو تمہاری پوشیدہ اور شرم کی چیزوں کو چھپاتا ہے اور جو تمہارے لیے زینت کا سبب بنتا ہے اور تقویٰ کا لباس تمہارے لیے سب سے بہتر ہے۔

یہ تین جملے ارشاد فرمائے اور ان تین جملوں میں اللہ تعالیٰ نے معانی کی کائنات بھر دی ہے۔

---

(۱) سورۃ الاعراف آیت (۲۶)۔

لباس کا پہلا بنیادی مقصد

اس آیت میں لباس کا پہلا مقصد یہ بیان فرمایا کہ وہ تمہاری پوشیدہ اور شرم کی چیزوں کو چھپا سکے۔ ''سواۃ'' کے معنی ہیں وہ چیز جس کے ذکر کرنے سے یا جس کے ظاہر ہونے سے انسان شرم محسوس کرے، اس سے مراد ہے''ستر'' تو گویا لباس کا سب سے بنیادی مقصد ''ستر'' چھپانا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مرد اور عورت کے جسم کے کچھ حصّوں کو''ستر'' قرار دیا، یعنی وہ چھپانے کی چیز ہے، وہ ستر مردوں میں الگ ہے اور عورتوں میں الگ ہے، مردوں میں ستر کا حصّہ جس کو چھپانا ہر حال میں ضروری ہے وہ ناف سے لے کر گھٹنوں تک کا حصّہ ہے، اس حصے کو کھولنا بلا ضرورت جائز نہیں، علاج وغیرہ کی مجبوری میں تو جائز ہے، لیکن عام حالات میں اس کو چھپانا ضروری ہے۔ عورت کا سارا جسم، سوائے چہرے اور گٹوں تک ہاتھ کے سب کا سب ''ستر'' ہے۔ جس کا چھپانا ضروری ہے اور کھولنا جائز نہیں۔

لٰہذا لباس کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ وہ شریعت کے مقرر کیے ہوئے ستر کے حصوں کو چھپالے، جو لباس اس مقصد کو پورا نہ کرے، شریعت کی نگاہ میں وہ لباس ہی نہیں، وہ لباس کہلانے کے لائق ہی نہیں، کیونکہ وہ لباس اپنا بنیادی مقصد پورا نہیں کر رہا ہے جس کے لیے وہ بنایا گیا ہے۔

لباس کے تین عیب

لباس کے بنیادی مقصد کو پورا نہ کرنے کی تین صورتیں ہوتی ہیں:

ایک صورت تو یہ ہے کہ وہ لباس اتنا چھوٹا ہے کہ لباس پہننے کے باوجود ستر

کا کچھ حصہ کھلا رہ گیا، اس لباس کے بارے میں یہ کہا جائے گا کہ اس لباس سے اس کا بنیادی مقصد حاصل نہ ہوا اور کشفِ عورت ہوگیا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اس لباس سے ستر کو چھپا تو لیا، لیکن وہ لباس اتنا باریک ہے کہ اس سے اندر کا بدن جھلکتا ہے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ لباس اتنا چست ہے کہ لباس پہننے کے باوجود جسم کی بناوٹ اور جسم کا ابھار نظر آ رہا ہے، یہ بھی ستر کے خلاف ہے۔ اس لیے مرد کے لیے ناف سے لے کر گھٹنوں تک کا حصہ ایسے کپڑے سے چھپانا ضروری ہے جو اتنا موٹا ہو کہ اندر سے جسم نہ جھلکے اور نہ وہ اتنا ڈھیلا ڈھالا ہو کہ اندر کے اعضاء کو نمایاں کرے اور اتنا مکمل ہو کہ جسم کا کوئی حصہ کھلا نہ رہ جائے اور یہی تین چیزیں عورت کے لباس میں بھی ضروری ہیں۔

آج کل کا ننگا پہناوا

موجودہ دور کے فیشن نے لباس کے اصل مقصد ہی کو مجروح کر دیا ہے، اس لیے کہ آج کل مردوں اور عورتوں میں ایسے لباس رائج ہوگئے ہیں جن میں اس کی کوئی پروا نہیں کہ جسم کا کونسا حصہ کھل رہا ہے اور کون سا حصہ ڈھکا ہوا ہے، حالانکہ شریعت کی نگاہ میں وہ لباس لباس ہی نہیں۔ جو خواتین بہت باریک اور بہت چست لباس پہنتی ہیں جس کی وجہ سے کپڑا پہننے کے باوجود جسم کی بناوٹ دوسروں کے سامنے نمایاں ہوتی ہے، ایسی خواتین کے بارے میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ

"كَاسِيَاتٌ عَارِيَاتٌ"(۱)

وہ خواتین لباس پہننے کے باوجود ننگی ہوں گی۔

(۱) صحیح مسلم ۱۶۸۰/۳ (۲۱۲۸)۔

یعنی لباس پہنا ہوگا مگر ننگی ہوں گی، اس لیے کہ اس کپڑے سے لباس کا وہ بنیادی مقصد حاصل نہ ہوا جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے لباس اتارا تھا۔ آج کل خواتین میں یہ وبا اس کثرت سے پھیل چکی ہے جس کی کوئی حد نہیں، شرم و حیا سب بالائے طاق ہو کر رہ گئی ہے اور ایسا لباس رائج ہوگیا جو جسم کو چھپانے کے بجائے اور نمایاں کرتا ہے، خدا کے لیے ہم اس بات کو محسوس کریں اور اپنے اندر فکر پیدا کریں اور اپنے گھروں میں ایسے لباس پر پابندی عائد کریں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان ارشادات کے خلاف ہو۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہمارے دلوں میں یہ احساس اور فکر پیدا فرمائے، آمین۔

خواتین ان اعضاء کو چھپائیں

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب رحمۃ اللہ علیہ (اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔ آمین۔) شاید ہی آپ کا کوئی جمعہ ایسا جاتا ہو جس میں اس پہلو کی طرف متوجہ نہ فرماتے ہوں، فرمایا کرتے تھے کہ یہ جو فتنے آج کل عام رواج پاگئے ہیں، ان کو کسی طرح ختم کرو۔ خواتین اس حالت میں مجمع عام کے اندر جارہی ہیں کہ سر کھلا ہوا ہے، بازو کھلے ہوئے ہیں، سینہ کھلا ہوا ہے، پیٹ کھلا ہوا ہے، حالانکہ ''ستر'' کا حکم یہ ہے کہ مرد کے لیے مرد کے سامنے ستر کھولنا بھی جائز نہیں اور عورت کے لیے عورت کے سامنے ستر کھولنا جائز نہیں، مثلاً اگر کسی عورت نے ایسا لباس پہن لیا جس میں سینہ کھلا ہوا ہے، پیٹ کھلا ہوا ہے، بازو کھلے ہوئے ہیں تو اس عورت کو اس حالت میں دوسری عورتوں کے سامنے آنا جائز نہیں، چہ جائیکہ اس حالت میں مردوں کے سامنے آئے، اس لیے کہ یہ اعضاء اس کے ستر کا حصہ ہیں۔

گناہوں کے بُرے نتائج

آج کل کی شادی کی تقریبات میں جا کر دیکھیے !وہاں کیا حال ہو رہا ہے؟ خواتین بے حیائی کے ساتھ ایسے لباس پہن کر مردوں کے سامنے آجاتی ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کو دعوت دینے والی بات نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ ڈنکے کی چوٹ پر، سینہ تان کر اور ڈھٹائی کے ساتھ جب حضورِ اقدس ﷺ کے ارشادات کی ایسی کھلّم کھلاّ خلاف ورزی ہوگی تو اس کے بارے میں ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ درحقیقت ان فتنوں نے ہمارے اوپر یہ عذاب مسلّط کر رکھا ہے۔ یہ بدامنی اور بے چینی جو آپ دیکھ رہے ہیں کہ کسی انسان کی جان و مال محفوظ نہیں ہے، درحقیقت ہماری ان ہی بداعمالیوں کا نتیجہ ہے۔ قرآنِ کریم کا ارشاد ہے:

وَمَآ اَصَابَکُمْ مِّنْ مُّصِیْبَۃٍ فَبِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْکُمْ وَ یَعْفُوْ عَنْ کَثِیْرٍ [1]

یعنی جو کچھ تمہیں برائی پہنچتی ہے وہ سب تمہارے ہاتھوں کے کرتوت کی وجہ سے پہنچتی ہے اور بہت سے گناہ تو اللہ تعالیٰ معاف ہی فرمادیتے ہیں اور ان پر پکڑ نہیں فرماتے ہیں۔

خدا کے لیے اپنے گھروں سے اس فتنے کو دور کریں۔

---

(۱) سورۃ الشوری آیت (۳۰)۔

قربِ قیامت میں خواتین کی حالت

ایک حدیث میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس زمانے کا ایک ایسا نقشہ کھینچا ہے کہ اگر آج کا زمانہ کسی نے نہ دیکھا ہوتا تو وہ شخص حیران ہو جاتا کہ اس حدیث کا مطلب کیا ہے؟ اور آپ نے اس طرح نقشہ کھینچا جس طرح کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے موجودہ دور کی خواتین کو دیکھ کر یہ ارشاد فرمایا ہو، اس لیے کہ اس زمانے میں اس کا تصور بھی مشکل تھا، چنانچہ فرمایا کہ

> ''قیامت کے قریب عورتیں لباس پہننے کے باوجود ننگی ہوں گی اور ان کے سروں کے بال ایسے ہوں گے جیسے بختی اونٹوں کے کوہان ہوتے ہیں۔''

اب ظاہر ہے کہ جس زمانے میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی تھی، اس زمانے میں اس قسم کے بالوں کا کوئی رواج نہیں تھا، یہی وجہ ہے کہ بعض شراحِ حدیث نے اس پر کلام کیا ہے کہ اس حدیث کا کیا مطلب ہے؟ بختی اونٹوں کے کوہان کی طرح بال کس طرح ہو سکتے ہیں؟ لیکن آج کے جدید فیشن نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی کو پورا کر دیا اور ایسا لگتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آج کی عورتوں کو دیکھ کر یہ بات ارشاد فرمائی ہو۔ آگے ارشاد فرمایا کہ

''ممیلات مائلات''(۱)

یعنی وہ عورتیں اپنے لباس سے، اپنے انداز سے، اپنے زیب و زینت اور

---

(۱) صحیح مسلم ۳/۱۶۸۰ (۲۱۲۸)۔

اپنے بناؤ سنگھار سے دوسروں کو اپنی طرف مائل کرنے والی ہوں گی اور دوسروں کی طرف مائل ہونے والی ہوں گی۔

کھلّم کھلاّ گناہ کرنے والے

ایک بات اور سمجھیے کہ گناہوں کی بھی دو قسمیں ہیں: ایک گناہ وہ ہے جو انسان چوری چھپے تنہائی میں کر رہا ہے، علی الاعلان دوسروں کے سامنے نہیں کر رہا ہے اور کبھی کبھی اس کو گناہوں پر شرمندگی اور ندامت بھی ہوجاتی ہے اور توجہ کی بھی توفیق ہوجاتی ہے، لیکن دوسرا شخص علی الاعلان اور کھلّم کھلاّ دوسروں کے سامنے گناہ کر رہا ہے اور اس پر فخر بھی کر رہا ہے کہ میں نے گناہ کیا، یہ بڑی خطرناک بات ہے۔ ایک حدیث میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

"کل امتی معافی الا المجاهرین"(۱)

یعنی میری امّت میں جتنے گناہ کرنے والے ہیں، سب کی مغفرت کی توقع ہے، ان شاء اللہ سب کی معافی ہوجائے گی یا تو توبہ کی توفیق ہوجائے گی یا اللہ تعالیٰ ویسے ہی معاف فرمادیں گے، لیکن وہ لوگ جو ڈنکے کی چوٹ پر کھلّم کھلاّ اعلانیہ گناہ کرنے والے ہوں گے اور اس گناہ پر کبھی شرمندہ نہ ہوتے ہوں گے، بلکہ اس گناہ پر فخر کرتے ہوں گے اور اس گناہ کو ثواب سمجھ کر کرتے ہوں گے اور یہ کہتے ہوں گے کہ جو کچھ ہم کر رہے ہیں یہ درست ہے اور اگر ان کو سمجھایا جائے تو اس پر بحث کرنے اور مناظرہ کرنے کو تیار ہوجاتے ہوں گے اور کہتے ہوں گے کہ اس میں کیا حرج ہے؟ کیا ہم زمانے سے کٹ جائیں؟ کیا ہم دقیانوس ہو

---

(۱) صحیح البخاری ۲۰/۸ (۶۰۶۹)۔

کر بیٹھ جائیں؟ اور ساری دنیا کے طعنے ہم اپنے سر لے لیں؟ کیا سوسائٹی سے کٹ کر بیٹھ جائیں؟ ایسے لوگوں کی مغفرت نہیں ہوگی۔

سوسائٹی کو چھوڑ دو

ارے یہ تو دیکھو کہ اگر سوسائٹی سے کٹ کر اللہ کے ہو جاؤ گے تو یہ کون سا مہنگا سودا ہے؟ ذرا غور تو کرو کہ یہ سوسائٹی کب تک تمہارا ساتھ دے گی؟ تمہیں کہاں تک لے جائے گی؟ یاد رکھو کہ قبر میں جانے کے بعد تمہارے اعمال کے سوا کوئی تمہارا ساتھی نہیں ہوگا، اس وقت تم اپنی سوسائٹی کو مدد کے لیے پکارنا کہ تمہاری وجہ سے ہم یہ کام کر رہے تھے، اب آ کر ہماری مدد کرو، کیا اس وقت تمہاری سوسائٹی کے افراد میں سے کوئی آکر تمہاری مدد کرے گا؟ اور تمہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے چھڑا سکے گا؟ اس وقت کے بارے میں قرآنِ کریم کا ارشاد ہے کہ

مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ (۱)

یعنی اس وقت اللہ کے سوا کوئی تمہارا ولی اور مددگار نہیں ہوگا جو تمہیں عذاب سے چھڑا سکے۔

نصیحت آموز واقعہ

قرآنِ کریم نے سورۃ الصافات میں ایک شخص کا واقعہ بیان کیا ہے کہ

---

(۱) سورۃ البقرۃ آیت (۱۰۷)۔

اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس شخص کو جب جنت میں پہنچا دیں گے اور جنت کی ساری نعمتیں عطا فرما دیں گے، اس وقت اس کو اپنے ایک ساتھی اور دوست کا خیال آئے گا کہ معلوم نہیں اس کا کیا حال ہے؟ اس لیے کہ وہ دنیا کے اندر مجھے غلط کاموں پر اکسایا کرتا تھا کہ آج کل کے حالات ایسے ہیں، ماحول ایسا ہے، سوسائٹی کے یہ تقاضے ہیں، وقت کے تقاضے یہ ہیں وغیرہ، تو ایسی باتیں کر کے مجھے ورغلایا کرتا تھا، اب ذرا اس کو میں دیکھوں تو وہ کس حال میں ہے؟ چنانچہ وہ اس کو دیکھنے کے لیے جہنم کے اندر جھانکے گا۔ قرآنِ کریم فرماتا ہے کہ

فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِيْ سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ﴿۵۵﴾ قَالَ تَاللّٰهِ اِنْ كِدْتَّ لَتُرْدِيْنِ ﴿۵۶﴾ وَ لَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ﴿۵۷﴾ (۱)

جب وہ اس کو دیکھنے کے لیے جہنم کے اندر جھانکے گا تو اس ساتھی کو جہنم کے بیچوں بیچ دیکھے گا اور پھر اس کو مخاطب ہو کر اس سے کہے گا کہ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تو نے مجھے ہلاک ہی کر دیا تھا، یعنی اگر میں تیرے کہنے میں آ جاتا، تیری بات مان لیتا اور تیری اتباع کرتا تو آج میرا بھی یہی حشر ہونا تھا جو حشر تیرا ہو رہا ہے اور اگر میرے ساتھ میرے رب کا فضل اور اس کی رحمت شاملِ حال نہ ہوتی تو مجھے بھی اسی طرح دھر لیا گیا ہوتا جس طرح آج تجھے دھر لیا گیا ہے۔

---

(۱) سورۃ الصافات آیت (۵۵ تا ۵۷)۔

ہم بیک ورڈ(Backward) ہی سہی

بہر حال! اس سوسائٹی کے تقاضے یہاں پر تو بڑے خوش نما لگتے ہیں، لیکن اگراس بات پر ایمان ہے کہ ایک دن مرنا ہے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دینا ہے، اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہونا ہے اور جنت اور جہنم بھی کوئی چیز ہے تو پھر خدا کے لیے اس سوسائٹی کی باتوں کو چھوڑو، اس کے ڈر اور خوف کو چھوڑو، اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام کی طرف آؤ اور یہ سوسائٹی تمہیں جو طعنے دیتی ہے، ان طعنوں کو خندہ پیشانی سے برداشت کرو۔ اگر سوسائٹی یہ کہتی ہے کہ تم رجعت پسند ہو، تم دقیانوس ہو، تم بیک ورڈ(BackWard) ہو، تم زمانے کے ساتھ چلنا نہیں جانتے، تو ایک مرتبہ اس سوسائٹی کو خم ٹھوک کر اور کمر کس کر یہ جواب دے دو کہ ہم ایسے ہی ہیں، تم اگر ہمارے ساتھ تعلق رکھنا چاہتے ہو رکھو، نہیں رکھنا چاہتے تو مت رکھو۔ جب تک ایک مرتبہ یہ نہیں کہو گے اس وقت تک یاد رکھو! یہ سوسائٹی تمہیں جہنم کی طرف لے جاتی رہے گی۔

یہ طعنے مسلمان کے لیے مبارک ہیں

حضرات انبیاء علیہم السلام کو بھی یہ طعنے دیے گئے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی یہ طعنے دیے گئے اور جو شخص بھی دین پر چلنا چاہتا ہے، اس کو یہ طعنے دیے جاتے ہیں، لیکن جب تک ان طعنوں کو اپنے لیے باعثِ فخر نہیں قرار دو گے۔ یاد رکھو! اس وقت تک کامیابی حاصل نہیں ہوگی۔ ایک روایت میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ

اکثروا ذکر اللّٰہ حتّٰی یقولوا: مجنون(۱)

اللہ کی یاد اور ذکر اس حد تک کرو کہ لوگ تمہیں پاگل کہنے لگیں۔

مطلب یہ ہے کہ اگر سوسائٹی ایک طرف جارہی ہے، زمانہ ایک طرف جارہا ہے، اب تم اس کے بہاؤ پر بہنے کے بجائے اس کے بہاؤ کا رخ موڑنے کی کوشش کروتو لوگ تمہیں پاگل کہیں گے، چنانچہ آج اگر کوئی شخص دیانت داری اور امانت داری سے کوئی کام کرتا ہے تو لوگ اس کے بارے میں یہی کہتے ہیں کہ یہ پاگل ہے، اس کا دماغ خراب ہوگیا ہے۔ مثلاً آج اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ میں رشوت نہ لوں، رشوت نہ دوں، سود نہ کھاؤں، حرام کاموں سے اجتناب کروں اور لباس کے معاملے میں اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے احکام پر عمل کروں، تو اس وقت سوسائٹی اس کو یہی کہے گی کہ اس کا دماغ خراب ہے، یہ پاگل ہے، حالانکہ جب سوسائٹی تمہیں یہ کہے کہ تم پاگل ہو، تمہارا دماغ خراب ہوگیا ہے تو یہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بشارت ہے اور تمہارے لیے باعث فخر کلمہ ہے اور یہ وہ لقب ہے جو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں دیا ہے۔ لہٰذا جس دن تمہیں دین کی وجہ سے کوئی شخص یہ کہہ دے کہ یہ پاگل ہے، اس دن خوشی مناؤ اور دو رکعت شکرانہ کے نفل ادا کرو کہ اللہ تعالیٰ نے آج تمہیں اس مقام تک پہنچا دیا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مؤمن کے لیے فرمایا تھا۔ اس لیے اس سے

---

(۱) مسند احمد ۱۹۵/۱۸ (۱۱۶۵۳) و ۲۱۲/۱۸ (۱۱۶۷٤) وقال الهيثمي في "مجمع الزوائد" ۱۰/ ۷٤ (۱٦۷٦۱): رواه أحمد، وأبو يعلى، وفيه دراج، وقد ضعفه جماعة، وضعفه غير واحد، وبقية رجال أحد إسنادي أحمد ثقات. (طبع دار الفكر)۔

ڈرنے اور گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ مولانا ظفر علی خان مرحوم نے خوب کہا کہ ؎

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لیے ہے

لہٰذا اگر ساری دنیا کے خفا ہونے کے نتیجے میں اللہ تبارک و تعالیٰ سے تمہارا تعلق جڑ جائے تو کیا یہ مہنگا سودا ہے؟ یہ دنیاوی زندگی معلوم نہیں کتنے دن کی زندگی ہے؟ یہ باتیں اور یہ طعنے سب ختم ہو کر رہ جائیں گے اور جس دن تمہاری آنکھ بند ہوگی اور وہاں تمہارا استقبال ہوگا، اس وقت تم دیکھنا کہ ان طعنہ دینے والوں کا کیا حشر ہوگا اور یہ طعنے والے جو آج تم پر ہنس رہے ہیں، قیامت کے دن یہ ہنسنے والے روئیں گے اور تم ان پر ہنسا کرو گے، لہٰذا ان سوسائٹی والوں سے کب تک صلح کرو گے، کب تک ان کے سامنے ہتھیار ڈالتے رہو گے، کب تک تم ان کے پیچھے چلو گے۔ لہٰذا جب تک ایک مرتبہ ہمت کر کے ارادہ نہیں کرو گے، اس وقت تک چھٹکارا نہیں ملے گا اور برہنگی کے لباس کا جو رواج چل پڑا ہے، ایک مرتبہ عزم کر کے اس کو ختم کرو۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے آمین۔

بہر حال! اللہ تعالیٰ نے لباس کا پہلا مقصد بیان فرمایا، وہ ہے ستر عورت، جو لباس ساتر نہیں وہ حقیقت میں لباس ہی نہیں وہ برہنگی ہے۔

لباس کا دوسرا مقصد

لباس کا دوسرا مقصد اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا کہ ''ریشا'' یعنی ہم نے اس

لباس کو تمہارے لیے زینت کی چیز اور خوبصورتی کی چیز بنایا ہے۔ ایک انسان کی خوبصورتی لباس میں ہے، لہٰذا لباس ایسا ہونا چاہیے کہ جسے دیکھ کر انسان کو فرحت ہو، بدہیئت اور بے ڈھنگا نہ ہو، جس کو دیکھ کر دوسروں کو نفرت اور کراہت ہو، بلکہ ایسا ہونا چاہیے جس کو پہن کر زینت کا فائدہ حاصل ہوسکے۔

اپنا دل خوش کرنے کے لیے قیمتی لباس پہننا

بعض اوقات دل میں یہ اشتباہ رہتا ہے کہ کیسا لباس پہنیں؟ اگر بہت قیمتی لباس پہن لیا تو یہ خیال رہتا ہے کہ کہیں اسراف میں داخل نہ ہوجائے؟ اگر معمولی لباس پہنیں تو کس درجے کا پہنیں؟

اللہ تعالیٰ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے درجات بلند فرمائے۔ آمین۔ اللہ تعالیٰ نے اس دور کے اندر ان سے ایسا عجیب کام لیا کہ آپ نے کوئی چیز پردۂ خفا کے اندر نہیں چھوڑی، ہر ہر چیز کو دو اور دو چار کرکے بالکل واضح کرکے اس دنیا سے تشریف لے گئے، چنانچہ آپ نے لباس کے بارے میں فرمایا کہ لباس ایسا ہونا چاہیے جو ساتر ہو اور ساتر ہونے کے ساتھ ساتھ اس سے تھوڑا سا آسائش کا مقصد بھی حاصل ہو، یعنی اس لباس کے ذریعے جسم کو راحت بھی حاصل ہو، آرام بھی حاصل ہو، ایسا لباس پہننے میں کوئی حرج نہیں۔ مثلاً پتلا لباس پہن لیا، اس خیال سے کہ جسم کو آرام ملے گا، اس میں کوئی حرج نہیں، شرعاً جائز ہے، شریعت نے اس پر کوئی پابندی عائد نہیں کی۔ اسی طرح اپنے دل کو خوش کرنے کے لیے زیبائش کا لباس پہنے تو یہ بھی جائز ہے۔ مثلاً ایک کپڑا دس روپے گز ہے اور دوسرا کپڑا پندرہ روپے گز مل رہا ہے، اب اگر ایک شخص پندرہ روپے گز والا اس لیے خریدے کہ اس کے ذریعے میرے جسم کو آرام ملے گا یا اس وجہ سے کہ یہ کپڑا

مجھے زیادہ اچھا لگتا ہے، اس کو پہننے سے میرا دل خوش ہوگا اور اللہ تعالیٰ نے مجھے اتنی وسعت دی ہے کہ میں دس روپے کے بجائے پندرہ روپے گز والا کپڑا پہن سکتا ہوں، تو یہ اسراف میں داخل نہیں ہے اور گناہ بھی نہیں ہے، بلکہ شرعاً یہ بھی جائز ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں وسعت بھی دی ہے اور تم اپنا دل خوش کرنے کے لیے ایسا کپڑا پہن رہے ہو، اس لیے جائز ہے۔

مالدار کو اچھے کپڑے پہننا چاہیے

بلکہ جس شخص کی آمدنی اچھی ہو، اس کے لیے خراب قسم کا کپڑا اور بہت گھٹیا قسم کا لباس پہننا کوئی پسندیدہ بات نہیں، چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ ایک صاحب حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا کہ وہ صاحب بہت بدہیئت قسم کا پرانا لباس پہنے ہوئے ہیں، حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان صاحب سے پوچھا:

”الك مال؟ قال نعم، قال: من ای المال؟ قال قد اتانی الله من الابل و الغنم و الخیل و الرقیق، قال: فاذا اتاك الله مالا فلیر اثر نعمة الله علیك و کرامته“(۱)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے پوچھا: تمہارے پاس مال ہے؟ اس نے کہا ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کہ تیرے پاس کس قسم کا مال ہے؟ اس نے جواب دیا کہ یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! اللہ تعالیٰ نے مجھے ہر قسم کا مال عطا فرمایا ہے،

---

(۱) سنن ابی داود ۵۰۱/۴ (۴۰۶۳) وسنن الترمذی ۵۳۷/۳ (۲۰۰۶) وقال ھذا حدیث حسن صحیح۔

یعنی اونٹ، بکریاں، گھوڑے اور غلام سب ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے تمھیں مال دیا ہے تو اس کے انعامات کا کچھ اثر تمہارے لباس سے بھی ظاہر ہونا چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تو سب کچھ دے رکھا ہے، لیکن فقیر اور گداگر کی طرح پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہوئے ہیں، یہ تو ایک طرح سے اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناشکری ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ کی نعمت کا اثر ظاہر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اپنے آرام کی خاطر اور اپنی آسائش یا زیبائش کی خاطر کوئی شخص اچھا اور قیمتی لباس پہن لے تو اس میں بھی کوئی گناہ نہیں، جائز ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قیمتی لباس پہننا

میں تو یہ کہتا ہوں کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں یہ بات جو مشہور ہوگئی کہ ''کالی کملی والے'' اس بات کو ہمارے شاعروں نے بہت مشہور کردیا، یہ بات صحیح ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیادہ حیات طیبہ سادگی کی حالت میں بسر ہوئی، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں جس طرح یہ منقول ہے کہ آپ موٹا کپڑا زیب تن فرماتے تھے اور جہاں یہ منقول ہے کہ آپ نے موٹی چادریں استعمال فرمائیں، اسی طرح آپ کے بارے میں یہ بھی منقول ہے کہ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک جبّہ زیب تن فرمایا جس کی قیمت دو ہزار دینار تھی،(۱) وجہ اس کی یہ ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہر عمل شریعت کا حصہ بننا تھا، اس لیے ہم

---

(۱) ماخوذ از سنن النسائی ۱۹۹/۸ (۵۳۰۲) ولفظه: إِنَّ رَسولَ اللهِ ﷺ بعَثَ إِلَى أُكَيدِرٍ صَاحِبِ دُومَةَ بَعْثًا، فَأَرْسَلَ إِلَيْهِ بِجُبَّةِ دِيبَاجٍ مَنْسُوجَةٍ فِيهَا الذَّهَبُ، فَلَبِسَهُ رَسولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ قَامَ عَلَى المِنْبَرِ، وَقَعَدَ فَلَمْ يَتَكَلَّمْ، وَنَزَلَ، فَجَعَلَ النَّاسُ يَلْمِسُونَهَا بِأَيْدِيهِمْ، فَقَالَ: «أتعجبون من هذه لمناديل سعد في الجنة أحسن مما ترون».

جیسے کمزوروں کے لیے یہ بھی کر کے دکھا دیا کہ اگر تم اپنی جسمانی راحت اور آسائش کے لیے کوئی قیمتی لباس پہننا چاہتے ہو تو یہ بھی جائز ہے۔

نمائش اور دکھاوا جائز نہیں

لیکن اگر لباس پہننے سے نہ تو آسائش مقصود ہے اور نہ آرائش مقصود ہے، بلکہ نمائش اور دکھاوا مقصود ہے، تاکہ لوگ دیکھیں کہ ہم نے اتنا شاندار کپڑا پہنا ہوا ہے اور اتنا اعلیٰ درجے کا لباس پہنا ہوا ہے اور یہ دکھانا مقصود ہے کہ ہم بڑی دولت والے اور بڑے پیسے والے ہیں اور دوسروں پر بڑائی جتانا اور دوسروں پر رعب جمانا مقصود ہے تو یہ سب باتیں نمائش میں داخل ہیں اور حرام ہیں، اس لیے کہ نمائش کی خاطر جو بھی لباس پہنا جائے وہ حرام ہے۔

یہاں شیخ کی ضرورت ہے

ان دونوں باتوں میں بہت باریک فرق ہے کہ اپنا دل خوش کرنا مقصود ہے یا دوسروں پر اپنی بڑائی جتانا مقصود ہے، یہ کون فیصلہ کرے گا کہ یہ لباس اپنا دل خوش کرنے کے لیے پہنا ہے یا دوسروں پر بڑائی جتانے کے لیے پہنا ہے؟ یہ فیصلہ کرنا ہر ایک کے بس کا کام نہیں۔ اس مقصد کے لیے مصلح اور رہنما کی ضرورت پڑتی ہے، وہ ان دونوں کے درمیان فرق کر کے بتا دیتا ہے کہ اس وقت جو کپڑے تم پہن رہے ہو اور یہ کہہ رہے ہو کہ اپنا دل خوش کرنے کے لیے پہن رہا ہوں، یہ دراصل شیطان کا دھوکہ ہے، حقیقت میں ان کپڑوں کے پہننے کا مقصد دوسروں پر بڑائی ظاہر کرنا ہے اور بعض اوقات اس کے برعکس بھی ہو جاتا ہے۔ بہر حال! کسی شیخ کی ضرورت ہے اور یہ پیری مریدی درحقیقت اسی کام

کے لیے ہوتی ہے کہ اس قسم کے کاموں میں اس سے رہنمائی حاصل کی جائے کہ اس وقت میرے ساتھ یہ صورت حال ہے، بتایئے کہ اس وقت ایسے کپڑے پہنوں یا نہ پہنوں؟ وہ شیخ بتاتا ہے کہ اس وقت ایسے کپڑے پہنو اور اس وقت مت پہنو۔ نمائش اور آسائش میں یہ باریک فرق ہے۔ دنیا کے جتنے کام ہیں، چاہے وہ لباس ہو یا کھانا ہو یا جوتے ہوں یا مکان ہو، ان سب میں یہ اصول کار فرما ہے جو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمادیا ہے، یہ بڑا زرّیں اصول ہے۔

اسراف اور تکبر سے بچیے

اسی لیے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بڑا اصولی ارشاد ہے کہ

"کل ماشئت والبس ماشئت ما أخطأتك اثنتان: سرف ومخيلة"(۱)

یعنی جو چاہو کھاؤ اور جو چاہو پہنو، لیکن دو چیزوں سے پرہیز کرو: ایک اسراف سے اور دوسرے تکبر سے۔

مطلب یہ ہے کہ جس طرح کا کپڑا چاہو پہنو، تمہارے لیے یہ جائز ہے، لیکن اسراف نہ ہو اور اسراف اسی وقت ہوتا ہے جب آدمی نمائش کے لیے کپڑا پہنتا ہے اور دوسرے یہ کہ جس کپڑے کو پہن کر تکبر پیدا ہو، اس سے بچو، لیکن کون سے کپڑے سے اسراف ہوگیا اور کون سے کپڑے سے تکبر پیدا ہوگیا، اس کے لیے کسی شیخ کی ضرورت ہوتی ہے، وہ بتاتا ہے کہ یہاں تکبر ہوگیا اور یہاں اسراف ہوگیا۔

---

(۱) صحيح البخاری ۱٤٠/۷ معلقا عن ابن عباس۔

بہر حال! میں یہ عرض کر رہا تھا کہ لباس کا دوسرا مقصد ہے زینت، لیکن اس زینت کی حدود ہیں، بس ان حدودِ شریعت کے اندر رہ کر جتنی زینت کر سکتے ہو، اس کو اختیار کر لو، لیکن اگر ان حدود سے باہر نکل کر زینت اختیار کرو گے تو یہ حرام ہوگی اور ناجائز ہوگی۔

فیشن کے پیچھے نہ چلیں

آج کل عجیب مزاج بن گیا ہے کہ اپنی پسند یا ناپسند کا کوئی معیار نہیں، بس جو فیشن چل گیا وہ پسند ہے اور جو چیز فیشن سے باہر ہوگئی وہ ناپسند ہے۔ ایک زمانے میں ایک چیز کا فیشن چل رہا ہے تو اب اس کو پسند کیا جانے لگا اور اس کی تعریف کی جانے لگی کہ یہ بہت اچھی چیز ہے اور جب اس کا فیشن نکل گیا تو اب اسی کی برائی شروع ہوگئی۔ مثلاً ایک زمانے میں لمبی اور نیچی قمیص کا فیشن چل گیا تو اب جس کو بھی دیکھو وہ لمبی قمیص پہن رہا ہے اور اس کے فضائل بیان کر رہا ہے اور اس کی تعریف کر رہا ہے کہ یہ بہت اچھی چیز ہے اور جب اونچی قمیص پہننے کا فیشن چل پڑا تو اب اونچی قمیص کی تعریف ہو رہی ہے اور اس کو پسندیدہ قرار دیا جا رہا ہے۔ یہ فیشن کے تابع ہو کر خوبصورتی اور بدصورتی کا تعین صحیح نہیں، بلکہ اپنے آپ کو جو چیز اچھی لگے اور اپنے خیال کو جو چیز خوبصورت لگے، اس کو پہننے کی شریعت کی طرف سے اجازت ہے۔

مَن بھاتا کھاؤ، مَن بھاتا پہنو

ہمارے یہاں ہندی میں ایک مقولہ مشہور تھا کہ ”کھائے مَن بھاتا اور پہنے

جگ بھاتا'' یعنی کھائے تو وہ چیز جو اپنے مَن کو بھائے، اپنے دل کو اچھی لگے، اپنا دل اس سے خوش ہو اور اپنے آپ کو پسند ہو، لیکن لباس وہ پہنے جو جگ کو بھائے۔ جگ سے مراد زمانہ، یعنی جو زمانے کے لوگوں کو پسند ہو، زمانے کے لوگ جس کو پسند کریں اور ان کی آنکھوں کو اچھا لگے۔ یہ کہاوت مشہور ہے، لیکن یہ اسلامی اصول نہیں، اسلامی اصول یہ ہے کہ پہنے بھی مَن بھاتا اور کھائے بھی مَن بھاتا۔ ''جگ بھاتا'' والی بات نہ لباس میں درست ہے اور نہ کھانے میں درست ہے، بلکہ شریعت نے تو یہ کہا ہے کہ اپنے دل کو خوش کرنے کے لیے حدودِ شریعت میں رہتے ہوئے جو بھی لباس استعمال کرو، وہ جائز ہے، لیکن فیشن کی اتباع میں لوگوں کو دکھانے کے لیے اور نمائش کے لیے کوئی لباس استعمال کر رہے ہیں تو وہ جائز نہیں۔

خواتین اور فیشن پرستی

اس معاملے میں آج کل خاص طور پر خواتین کا مزاج قابل اصلاح ہے۔ خواتین یہ سمجھتی ہیں کہ لباس اپنے لیے نہیں، بلکہ دوسروں کے لیے ہے، اس لیے لباس پہن کر اپنے دل کو خوش کرنے کا معاملہ بعد کا ہے، اصل یہ ہے کہ دیکھنے والے اس لباس کو دیکھ کر اس کو فیشن کے مطابق قرار دیں اور اس کی تعریف کریں اور ہمارا لباس دیکھ کر لوگ یہ سمجھیں کہ یہ بڑے لوگ ہیں۔ یہ باتیں عورتوں میں زیادہ پائی جاتی ہیں اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ یہ عورتیں اپنے گھر میں اپنے شوہروں کے سامنے تو میلی کچیلی رہیں گی اور اچھا لباس پہننے کا خیال بھی نہیں آئے گا، لیکن جہاں کہیں گھر سے باہر نکلنے کی نوبت آ گئی یا کسی تقریب میں شرکت کی نوبت آ گئی تو پھر اس کے لیے اس بات کا اہتمام کیا جا رہا ہے کہ وہ لباس فیشن کے

مطابق ہو اور اس کے پہننے کے نتیجے میں وہ لوگ ہمیں دولت مند سمجھیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اگر ایک لباس ایک تقریب کے اندر پہن لیا تو اب وہ لباس دوسری تقریب کے اندر نہیں پہنا جاسکتا، اب وہ لباس حرام ہوگیا، اس لیے کہ اگر وہی لباس پہن کر دوسری تقریب میں چلے گئے تو دوسری خواتین یہ سمجھیں گی کہ ان کے پاس تو ایک ہی جوڑا ہے، سب جگہ وہی ایک جوڑا پہن کر آجاتی ہیں، جس کی وجہ سے ہماری بے عزتی ہوجائے گی۔ درحقیقت ان باتوں کے پس پردہ نمائش کا جذبہ ہے اور یہ نمائش کا جذبہ ممنوع ہے، البتہ نمائش کے ارادے اور اہتمام کے بغیر کوئی خاتون اپنے دل کو خوش کرنے کے لیے آج ایک جوڑا پہن لے اور کل کو دوسرا جوڑا پہن لے اور اللہ تعالیٰ نے عطا بھی فرمایا ہے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور نئے جوڑے

ہمارے بزرگوں میں ایسے لوگ گزرے ہیں جو بہت اچھا اور عمدہ لباس پہنا کرتے تھے، حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا نام آپ نے سنا ہوگا، جو بڑے درجے کے امام گزرے ہیں، مدینہ طیبہ کے رہنے والے، امام دار الھجرۃ، ان کے بارے میں ایک جگہ لکھا ہوا دیکھا کہ وہ ہر روز ایک نیا جوڑا پہنا کرتے تھے، گویا کہ ان کے لیے سال میں تین سو ساٹھ جوڑے بنتے تھے، اور جو جوڑا ایک دن پہنا وہ دوبارہ بدن پر نہیں آتا تھا، دوسرے دن دوسرا جوڑا، تیسرے دن تیسرا جوڑا۔ کسی کو خیال آیا کہ ہر روز نیا جوڑا پہننا تو اسراف ہے، چنانچہ اس نے آپ سے کہا کہ حضرت یہ روزانہ نیا جوڑا پہننا تو اسراف میں داخل ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں کیا کروں؟ بات دراصل یہ ہے کہ جب سال شروع ہوتا ہے تو

میرا ایک دوست تین سو ساٹھ جوڑے سلوا کر میرے گھر لے آتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ یہ آپ کے روز کا ایک جوڑا ہے، اب میں نے خود سے تو اس بات کا اہتمام نہیں کیا کہ روزانہ ایک نیا جوڑا پہنوں، اگر میں ان جوڑوں کو واپس کردوں تو اس کی دل شکنی ہوتی ہے اور اگر نہ پہنوں تو بھی اس کا مقصد حاصل نہیں ہوگا، اس لیے کہ اس کا ہدیہ دینے کا مقصد یہ ہے کہ میں روزانہ نیا جوڑا پہنوں، اس لیے میں روزانہ ایک جوڑا بدلتا ہوں اور اس کو اتارنے کے بعد کسی مستحق کو دے دیتا ہوں، جس کی وجہ سے بہت سے اللہ کے بندوں کا بھلا ہوجاتا ہے۔ بہرحال! ان کا روزانہ نیا جوڑا پہننا دکھاوے کے لیے نہیں تھا، بلکہ جس نے ہدیہ دیا تھا اس کا دل خوش کرنے کی خاطر تھا۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ

ایک بڑا عجیب وغریب واقعہ یاد آگیا، یہ واقعہ میں نے اپنے والدِ ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے، بڑا سبق آموز واقعہ ہے، وہ یہ کہ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی دو اہلیہ تھیں، ایک بڑی اور ایک چھوٹی، دونوں کو حضرت والا سے بہت تعلق تھا، لیکن بڑی پیرانی صاحبہ پرانے وقتوں کی تھیں اور حضرت والا کو زیادہ سے زیادہ آرام پہنچانے کی فکر میں رہتی تھیں، عید آنے والی تھی، بڑی پیرانی صاحبہ کے دل میں خیال آیا کہ حضرت والا کے لیے کسی عمدہ اور اچھے کپڑے کا اچکن بنایا جائے۔ اس زمانے میں ایک کپڑا چلا کرتا تھا، جس کا نام تھا ''آنکھ کا نشہ''۔ یہ بڑا شوخ قسم کا کپڑا ہوتا تھا۔ اب حضرت والا سے پوچھے بغیر کپڑا خرید کر اس کا اچکن سینا شروع کردیا اور حضرت والا کو اس خیال سے نہیں بتایا کہ اچکن سلنے کے بعد جب اچانک میں

ان کو پیش کروں گی تو اچانک ملنے سے خوشی زیادہ ہوگی اور سارا رمضان اس کے سینے میں مشغول رہیں، اس لیے کہ اس زمانے میں مشین کا رواج تو تھا نہیں، ہاتھ سے سلائی ہوتی تھی، چنانچہ جب وہ سل کر تیار ہوگیا تو عید کی رات کو وہ اچکن حضرت والا کی خدمت میں پیش کر کے کہا کہ میں نے آپ کے لیے یہ اچکن تیار کیا ہے، میرا دل چاہ رہا ہے کہ آپ اس کو پہن کر عیدگاہ جائیں اور عید کی نماز پڑھیں۔ اب کہاں حضرت والا کا مزاج اور کہاں وہ شوخ اچکن، وہ تو حضرت والا کے مزاج کے بالکل خلاف تھا، لیکن حضرت فرماتے ہیں کہ اگر میں پہننے سے انکار کردوں تو ان کا دل ٹوٹ جائے گا، اس لیے انہوں نے تو پورا رمضان اس کے سینے میں محنت کی اور محبت سے محنت کی، اس لیے آپ نے ان کا دل رکھنے کے لیے فرمایا کہ تم نے تو یہ ماشاء اللہ بڑا اچھا اچکن بنایا ہے اور پھر آپ نے وہ اچکن پہنا اور عیدگاہ میں پہنچے اور نماز پڑھائی، جب نماز سے فارغ ہوئے تو ایک آدمی آپ کے پاس آیا اور کہا کہ حضرت آپ نے یہ جو اچکن پہنا ہے، یہ آپ کو زیب نہیں دیتا، اس لیے کہ یہ بہت شوخ قسم کا اچکن ہے۔ حضرت نے جواب میں فرمایا کہ ہاں بھائی! تم بات تو ٹھیک کہہ رہے ہو اور یہ کہہ کر پھر آپ نے وہ اچکن اتارا اور اسی شخص کو دے دیا کہ یہ تمہیں ہدیہ ہے، اس کو تم پہن لو۔

دوسرے کا دل خوش کرنا

اس کے بعد حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ واقعہ میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو سنایا کہ جس وقت میں یہ اچکن پہن کر عیدگاہ کی طرف جارہا تھا، تو کچھ نہ پوچھو کہ اس وقت میرا دل کتنا کٹ رہا تھا، اس لیے کہ ساری عمر اس قسم کا شوخ لباس کبھی نہیں پہنا، لیکن دل میں اس وقت یہ نیت تھی کہ جس

اللہ کی بندی نے محنت کے ساتھ اس کو سیا ہے، اس کا دل خوش ہو جائے، تو اس کا دل خوش کرنے کے لیے اپنے اوپر یہ مشقت برداشت کرلی اور اس کے پہننے پر طعنے بھی سہے، اس لیے کہ لوگوں نے اس کے پہننے پر طعنے بھی دیے کہ کیسا لباس پہن کر آ گئے، لیکن گھر والوں کا دل خوش کرنے کے لیے یہ کام کرلیا۔

بہر حال! انسان اچھے سے اچھا لباس اپنا دل خوش کرنے کے لیے پہنے، اپنے گھر والوں کا دل خوش کرنے کے لیے پہنے اور کسی ہدیہ اور تحفہ دینے والے کا دل خوش کرنے کے لیے پہنے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، لیکن اچھا لباس اس مقصد کے لیے پہننا تا کہ لوگ مجھے بڑا سمجھیں، میں فیشن ایبل نظر آؤں، میں دنیا والوں کے سامنے بڑا بن جاؤں اور نمائش اور دکھاوے کے لیے پہنے تو یہ عذاب کی چیز ہے اور حرام ہے، اس سے بچنا چاہیے۔

لباس کے بارے میں تیسرا اصول

لباس کے بارے میں شریعت نے جو تیسرا اصول بیان فرمایا، وہ ہے ''تشبّہ سے بچنا''، یعنی ایسا لباس پہننا جس کو پہن کر انسان کسی غیر مسلم قوم کا فرد نظر آئے اور اس مقصد سے وہ لباس پہنے تا کہ میں ان جیسا ہو جاؤں، اس کو شریعت میں ''تشبّہ'' کہتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہا جائے کہ کسی غیر مسلم قوم کی نقالی کی نیت سے کوئی لباس پہننا، اس سے قطع نظر کہ وہ چیز ہمیں پسند ہے یا نہیں، وہ اچھی ہے یا بری، لیکن چونکہ فلاں قوم کی نقالی کرنی ہے، بس ان کی نقالی کے پیش نظر اس لباس کو اختیار کیا جا رہا ہے، اس کو ''تشبّہ'' کہا جاتا ہے۔ اس نقالی پر حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑی سخت وعید ارشاد فرمائی ہے، چنانچہ ارشاد فرمایا کہ

"من تشبه بقوم فهو منهم"(۱)

یعنی جو شخص کسی قوم کے ساتھ تشبّہ اختیار کرے، اس کی نقالی کرے اور ان جیسا بننے کی کوشش کرے، تو وہ انہیں میں سے ہے، گویا کہ وہ مسلمانوں میں سے نہیں ہے، اِسی قوم کا ایک فرد ہے، اس لیے کہ یہ شخص انہی کو پسند کرتا ہے، انہی سے محبت رکھتا ہے، انہی جیسا بننا چاہتا ہے، تو اب اس کا حشر بھی انہی کے ساتھ ہوگا، اللہ تعالیٰ محفوظ فرمائے۔ آمین۔

"تشبّہ" کی حقیقت

تشبّہ کے بارے میں یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ یہ "تشبّہ" کب پیدا ہوتی ہے اور کب اس کی ممانعت آتی ہے؟ پہلی بات تو یہ ہے کہ کسی ایسے کام میں دوسری قوم کی نقالی کرنا جو فی نفسہٖ برا کام ہے اور شریعت کے اصول کے خلاف ہے، ایسے کام میں نقالی تو حرام ہی ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ کام اگرچہ فی نفسہ تو برا نہیں ہے، بلکہ مباح ہے، لیکن یہ شخص اس غرض سے وہ کام کر رہا ہے کہ میں ان جیسا نظر آؤں اور دیکھنے میں ان جیسا لگوں اور اہتمام کر کے ان جیسا بننے کی کوشش کر رہا ہے، تو اس صورت میں وہ مباح کام بھی حرام اور ناجائز ہو جاتا ہے۔

---

(۱) سنن ابی داود ٤/٤٤ (٤٠٣١) وقال الحافظ ابن حجر في "فتح الباري" ١٠/٢٧١: بسندٍ حسنٍ. والمعجم الاوسط للطبرانی ٨/١٧٩ (٨٣٢٧) وقال الهيثمي في "المجمع" ١٠/٤٧٨ (١٧٩٥٩): رواه الطبراني في الأوسط، وفيه علي بن غراب، وقد وثقه غير واحد، وضعفه بعضهم، وبقية رجاله ثقات.

گلے میں زنار ڈالنا

مثلاً ہندو اپنے گلے میں زنار ڈالا کرتے ہیں، اب یہ زنار ایک طرح کا ہار ہی ہوتا ہے۔ اگر کوئی مسلمان ویسے ہی اتفاقاً ڈال لے تو کوئی گناہ کا کام نہیں ہے، ناجائز اور حرام کام نہیں ہے، بلکہ مباح ہے، لیکن اگر کوئی شخص اس مقصد کے لیے اپنے گلے میں زنار ڈال رہا ہے تاکہ میں ان جیسا لگوں تو یہ ناجائز اور حرام ہے اور تشبہ میں داخل ہے۔

ماتھے پر قشقہ لگانا

یا مثلاً ہندو عورتیں اپنے ماتھے پر سرخ قشقہ لگاتی ہیں، اب اگر بالفرض ہندو عورتوں میں اس طرح قشقہ لگانے کا رواج نہ ہوتا اور کوئی مسلمان عورت خوبصورتی اور زینت کے لیے لگاتی تو یہ کام فی نفسہ مباح تھا، کوئی ناجائز اور حرام نہیں تھا، لیکن اب اگر ایک عورت قشقہ اس لیے لگا رہی ہے تاکہ میں ان کا فیشن اختیار کروں اور ان جیسی نظر آؤں تو اس صورت میں یہ قشقہ لگانا حرام ہے اور ناجائز ہے۔ ہندوستان میں مسلمان عورتیں تو ان کی مشابہت اختیار کرنے کے لیے یہ قشقہ لگاتی ہیں، لیکن اب سنا ہے کہ یہاں پاکستان میں بھی عورتوں میں قشقہ لگانے کا رواج شروع ہوگیا ہے، حالانکہ یہاں ہندو عورتوں کے ساتھ معاشرت بھی نہیں ہے، اس کے باوجود مسلمان خواتین اپنے ماتھے پر یہ قشقہ لگاتی ہیں تو یہ ان کے ساتھ تشبہ اختیار کرنا ہے، جو حرام اور ناجائز ہے، لہٰذا کوئی عمل جو اگرچہ فی نفسہٖ جائز اور مباح ہو، مگر اس کے ذریعے دوسری قوموں کے ساتھ مشابہت پیدا کرنا مقصود ہو اس کو تشبہ کہتے ہیں، جس کو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ناجائز اور حرام قرار دیا ہے۔

پتلون پہننا

اسی مندرجہ بالا اصول کی بنیاد پر یہ کہا جائے گا کہ جو لباس کسی بھی قوم کا شعار بن چکا ہے، یعنی وہ لباس اس قوم کی امتیازی علامت بن چکا ہے، اگر ان کی نقالی کی غرض سے ایسا لباس اختیار کیا جائے گا تو وہ حرام اور ناجائز ہوگا اور گناہ ہوگا۔ مثلاً آج کل مردوں میں کوٹ پتلون کا رواج چل پڑا ہے اس میں بعض باتیں تو فی نفسہ بھی ناجائز ہیں، چاہے اس میں تشبّہ پایا جائے یا نہ پایا جائے، چنانچہ ایک خرابی تو یہ ہے کہ پتلون ٹخنوں سے نیچے پہنی جاتی ہے اور کوئی لباس بھی مردوں کے لیے ٹخنوں سے نیچے پہننا جائز نہیں۔ دوسری خرابی یہ ہے کہ اگر پتلون ایسی چست ہو کہ اس کی وجہ سے اعضا نمایاں ہوں، تو پھر لباس کا جو بنیادی مقصد تھا، یعنی ''ستر'' کرنا وہ حاصل نہ ہوا تو پھر وہ لباس شرعی لحاظ سے بے معنی اور بے کار ہے، لہٰذا ان دو خرابیوں کی وجہ سے فی نفسہ پتلون پہننا جائز نہیں، لیکن اگر کوئی شخص اس بات کا اہتمام کرے کہ وہ پتلون چست نہ ہو، بلکہ ڈھیلی ڈھالی ہو اور اس کا اہتمام کرے کہ وہ پتلون ٹخنوں سے نیچے نہ ہو تو ایسی پتلون پہننا فی نفسہ مباح ہے۔

لیکن اگر کوئی شخص پتلون اس مقصد سے پہنے تاکہ میں انگریز نظر آؤں اور میں ان کی نقالی کروں اور ان جیسا بن جاؤں، تو اس صورت میں پتلون پہننا حرام اور ناجائز ہے اور تشبّہ میں داخل ہے، لیکن اگر نقالی مقصود نہیں ہے اور اس بات کا بھی اہتمام کر رہا ہے کہ پتلون ٹخنوں سے اونچی ہو اور ڈھیلی ہو، تو ایسی صورت میں اس کے پہننے کو حرام تو نہیں کہیں گے، لیکن فی نفسہ اس پتلون کا پہننا پھر بھی اچھا نہیں اور کراہت سے خالی نہیں۔ کیوں؟ اس بات کو ذرا غور سے سمجھ لیں۔

تشبّہ اور مشابہت میں فرق

وہ یہ کہ یہ دو چیزیں الگ الگ ہیں، ایک ہے ''تشبّہ'' اور ایک ''مشابہت'' دونوں میں فرق ہے۔ ''تشبّہ'' کے معنی تو یہ ہیں کہ آدمی ارادہ کر کے نقالی کرے اور ارادہ کر کے ان جیسا بننے کی کوشش کرے، یہ تو بالکل ہی ناجائز ہے۔ دوسری چیز ہے ''مشابہت'' یعنی اس جیسا بننے کا ارادہ تو نہیں کیا تھا، لیکن اس عمل سے ان کے ساتھ مشابہت خود بخود پیدا ہوگئی۔ یہ ''مشابہت'' جو خود بخود پیدا ہوجائے تو حرام نہیں، لیکن حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا ضرورت مشابہت پیدا ہونے سے بھی بچنے کی تاکید فرمائی ہے۔ فرمایا کہ اس کی کوشش کرو کہ ان سے امتیاز رہے، مسلمان قوم اور مسلمان ملت کا ایک امتیاز ہونا چاہیے، ایسا نہ ہو کہ دیکھ کر پتہ نہ چلے کہ یہ آدمی مسلمان ہے یا نہیں، سر سے لے کر پاؤں تک ایسا حلیہ بنا کر رکھا ہے کہ دیکھ کر یہ پتہ ہی نہیں چلتا کہ یہ مسلمان ہے یا نہیں، اس کو سلام کریں یا نہ کریں، مباحات کے ذریعے بھی ایسا حلیہ بنانا پسندیدہ نہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا مشابہت سے دور رہنے کا اہتمام

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ''مشابہت'' سے بچنے کا اتنا اہتمام فرمایا کہ محرم کی دس تاریخ کو عاشورہ کے دن روزہ رکھنا بڑی فضلیت کا کام ہے اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو ابتداء میں عاشورہ کا روزہ فرض تھا اور رمضان کے روزے اس وقت تک فرض نہیں ہوئے تھے اور جب رمضان کے روزے فرض ہوگئے تو عاشورہ کے روزے کی فرضیت منسوخ ہوگئی، اب فرض تو نہ رہا، البتہ نفل اور مستحب بن گیا، لیکن حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو یہ معلوم ہوا

کہ یہودی بھی عاشورہ کے دن روزہ رکھتے ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ اگر مسلمان عاشورہ کے دن روزہ رکھیں گے تو وہ یہودیوں کی نقالی میں تو نہیں رکھیں گے، وہ تو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع میں رکھیں گے، لیکن حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر آئندہ سال میں زندہ رہا تو عاشورہ کے ساتھ ایک روزہ اور ملا کر رکھوں گا (یا نویں تاریخ کا روزہ یا گیارہویں تاریخ کا روزہ) تاکہ یہودیوں کے ساتھ مشابہت پیدا نہ ہو، بلکہ ان سے علیحدگی اور امتیاز ہو جائے[1]۔

اب دیکھیے کہ روزے جیسی عبادت میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مشابہت پیدا ہونے کو پسند نہیں فرمایا، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب عاشورہ کا روزہ رکھو تو اس کے ساتھ یا تو نویں تاریخ کا روزہ ملا لو یا گیارہویں تاریخ کا روزہ ملا لو، تاکہ یہودیوں کے ساتھ مشابہت بھی پیدا نہ ہو۔ لہٰذا ''تشبّہ'' تو حرام ہے، لیکن ''مشابہت'' پیدا ہو جانا بھی کراہت سے خالی نہیں، حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے بچنے کی تلقین فرمائی ہے۔

مشرکین کی مخالفت کرو

ایک حدیث شریف میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ

''خالفوا المشرکین''[2]

مشرکین کے طریقوں کی مخالفت کرو۔ یعنی انہوں نے جیسے طریقے اختیار

(۱) مسند احمد ۱۶/٤ (۲۱۰٦) و صحیح مسلم ۷۹۷/۲ (۱۱۳٤) سنن ابی داود ۳۲۷/۲ (۲٤٤٥)۔
(۲) صحیح البخاری ۱٦۰/۷ (۵۸۹۲)۔

کیے ہیں، تم ان سے الگ اپنا طریقہ بناؤ، چنانچہ ایک حدیث میں فرمایا:

"فرق ما بيننا وبين المشركين العمائم على القلانس"(۱)

ہمارے اور مشرکین کے درمیان فرق ٹوپی پر عمامہ پہننا ہے۔

یعنی یہ مشرکین عمامے کے نیچے ٹوپیاں نہیں پہنتے ہیں، تم ان کی مخالفت کرو اور عمامے کے نیچے ٹوپی بھی پہنا کرو۔ حالانکہ بغیر ٹوپی کے عمامہ پہننا کوئی ناجائز اور حرام نہیں، لیکن ذرا سی مشابہت سے بچنے کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ حکم فرمایا کہ عمامے کے نیچے ٹوپی پہنو، تاکہ اشتباہ لازم نہ آئے، لہٰذا بلا وجہ کسی دوسری قوم کی مشابہت اختیار کرنا اچھا نہیں ہے، آدمی اس سے جتنا بچے بہتر ہے۔ اس لیے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اس کا بہت اہتمام فرماتے تھے کہ دوسری قوموں کی مشابہت پیدا نہ ہو۔

مسلمان ایک ممتاز قوم ہے

سوچنے کی بات ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے تم کو ایک الگ قوم بنایا اور اپنے گروہ میں شامل فرما کر تمہارا نام "حزب اللہ" رکھا، یعنی اللہ کا گروہ، ساری دنیا ایک طرف اور تم ایک طرف۔ قرآنِ کریم نے بیان فرمایا کہ بنیادی طور پر پوری

---

(۱) سنن ابی داود ۵۵/٤ (٤٠٧٨) وسنن الترمذی ۳۸۰/۳ (١٧٨٤) وقال: هذا حديث غريب، وإسناده ليس بالقائم.

دنیا میں دو جماعتیں ہیں، چنانچہ فرمایا کہ

هُوَالَّذِیْ خَلَقَکُمْ فَمِنْکُمْ کَافِرٌ وَّمِنْکُمْ مُّؤْمِنٌ (۱)

یعنی دو جماعتیں ہیں: ایک کافر اور ایک مؤمن، اس لیے مؤمن کو کبھی کافر کی جماعت کے ساتھ مخلوط نہ ہونا چاہیے، اس کا امتیاز ہونا چاہیے اس کے لباس میں، اس کی پوشاک میں، اس کی وضع قطع میں، اس کے اٹھنے بیٹھنے میں، اس کے طریق ادا میں، ہر چیز میں اسلامی رنگ نمایاں ہونا چاہیے، اب اگر مسلمان دوسروں کا طریقہ اختیار کرلے تو اس کے نتیجے میں وہ امتیاز مٹ جائے گا۔

اب آج دیکھ لو کہ یہ جو طریقہ چل پڑا ہے کہ سب کا لباس ایک جیسا ہے، اگر تم کسی مجمع میں جاؤ گے تو یہ پتہ لگانا مشکل ہوگا کہ کون مسلمان ہے اور کون مسلمان نہیں ہے، نہ لباس سے پتہ لگا سکتے ہیں، نہ پوشاک سے اور نہ کسی اور انداز سے، اب اس کو سلام کریں یا نہ کریں؟ اور اس سے کس قسم کی باتیں کریں؟ لہٰذا ان خرابیوں کے سدِ باب کے لیے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تشبّہ سے بھی بچو، اس لیے کہ وہ تو بالکل ہی حرام ہے اور ''مشابہت'' سے بھی بچو اور یہ مشابہت بھی کراہت سے خالی نہیں ہے اور پسندیدہ بھی نہیں ہے۔

یہ بے غیرتی کی بات ہے

یہ کتنی بے غیرتی کی بات ہے کہ انسان ایک ایسی قوم کا لباس پسند کر کے اس کو اختیار کرے جس قوم نے تمہیں ہر طریقے سے غلامی کی چکی میں پیسا،

(۱) سورۃ التغابن آیت (۲)۔

تمہارے اوپر ظلم وستم توڑے، تمہارے خلاف سازشیں کیں، تمہیں موت کے گھاٹ اتارا اور ظلم وستم کا کوئی طریقہ ایسا نہیں ہے جو اس نے فروگزاشت کردیا ہو، اب تم ایسی قوم کے طریقوں کو عزت اور تکریم کے ساتھ اختیار کرو، یہ کتنی بے غیرتی کی بات ہے۔

انگریزوں کی تنگ نظری

لوگ ہمیں یہ کہتے ہیں کہ آپ جو اس قسم کا لباس پہننے سے منع کرتے ہیں، یہ تنگ نظری کی بات ہے اور ایسی بات کہنے والوں کو تنگ نظر کہا جاتا ہے، حالانکہ جس قوم کا لباس تم اختیار کررہے ہو اس کی تنگ نظر اور اس کی مسلمان دشمنی کا عالم یہ ہے کہ جب اس نے ہندوستان پر قبضہ کیا تو ہمارے مغل مسلمان بادشاہوں کا جو لباس تھا، یعنی عمامہ اور خاص شلوار قمیص، اس نے وہ لباس اپنے خانساموں کو پہنایا، اپنے بیروں کو پہنایا، اپنے چوکیداروں کو پہنایا اور اس نے ان کو یہ لباس پہننے پر مجبور کیا۔ ایسا کیوں کیا؟ صرف مسلمانوں کو ذلیل کرنے کے لیے اور یہ دکھانے کے لیے کہ دیکھو! ہم نے تمہارے بادشاہوں کا لباس اپنے نوکروں کو، اپنے خانساموں کو اور اپنے بیروں کو پہنایا۔ اس قوم کی تنگ نظری کا تو یہ عالم ہے اور ماشاء اللہ ہماری فراخی قلب کا یہ عالم ہے کہ ہم ان کا لباس بڑے فخر سے اور بڑے ذوق وشوق سے پہننے کے لیے تیار ہیں۔ اب اگر ان سے کوئی کہے کہ یہ لباس پہننا غیرت کے خلاف ہے تو اس کو کہا جاتا ہے کہ تو تنگ نظر ہے ؎

خرد کا نام جنوں پڑ گیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

بہر حال! اس میں شرعی قباحت کے علاوہ بڑی بے غیرتی کی بھی بات ہے۔

تم اپنا سب کچھ بدل ڈالو، لیکن.....!

یہ بات بھی خوب سمجھ لو کہ تم کتنا ہی ان کا لباس پہن لو اور کتنا ہی ان کا طریقہ اختیار کرلو، مگر تم پھر بھی ان کی نگاہ میں عزت نہیں پاسکتے، قرآنِ کریم نے صاف صاف کہہ دیا ہے کہ

وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ (۱)

یہ یہود اور نصاریٰ تم سے کبھی بھی راضی نہیں ہوں گے، جب تک تم ان کی ملت کو اختیار نہیں کرلو گے، ان کے نظریات، ان کے ایمان اور ان کے دین کو اختیار نہیں کرلو گے، اس وقت تک وہ تم سے راضی نہیں ہوں گے۔ لہٰذا اب تم اپنا لباس بدل لو، پوشاک بدل لو، جسم بدل لو، جو چاہو بدل لو، لیکن وہ تم سے راضی ہونے کو تیار نہیں۔

چنانچہ تم نے تجربہ کرلیا اور سب کچھ کر کے دیکھ لیا، سب کچھ ان کی نقالی پر فنا کر کے دیکھ لیا، سر سے لے کر پاؤں تک تم نے اپنے آپ کو بدل لیا، کیا تم سے وہ لوگ خوش ہوگئے؟ کیا تم سے راضی ہوگئے؟ کیا تمہارے ساتھ انہوں نے ہمدردی کا برتاؤ شروع کردیا؟، بلکہ آج بھی ان کی دشمنی کا وہی عالم ہے اور اس لباس کی وجہ سے ان کے دل میں تمہاری عزت کبھی پیدا نہیں ہوسکتی۔

---

(۱) سورۃ البقرۃ آیت (۱۲۰)۔

اقبال مرحوم کا مغربی زندگی پر تبصرہ

اقبال مرحوم نے نثر کے انداز میں تو بہت گڑ بڑ باتیں بھی کی ہیں، لیکن اشعار میں بعض اوقات بڑی حکمت کی باتیں کہہ دیتے ہیں۔ چنانچہ مغربی لباس اور مغربی طرز زندگی وغیرہ پر تبصرہ کرتے ہوئے انہوں نے کہا ہے کہ ؎

قوتِ مغرب نہ از چنگ و رباب
نے ز رقصِ دخترانِ بے حجاب
نے زسحرِ ساحران لالہ روست
نے زعریاں ساق و نے از قطعِ موست

یعنی مغربی ممالک کے اندر جو قوت نظر آرہی ہے، وہ اس چنگ و رباب کی وجہ سے نہیں، موسیقی اور گانوں کی وجہ سے نہیں اور لڑکیوں کے بے پردہ ہونے اور ان کے ناچنے گانے کی وجہ سے بھی نہیں ہے اور یہ ترقی اس وجہ سے نہیں ہے کہ ان کی عورتوں نے سر کے بال کاٹ کر پٹھے بنالیے اور نہ اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے اپنی پنڈلیاں ننگی کرلیں۔ آگے کہتے ہیں کہ ؎

قوتِ افرنگ از علم وفن است
از ہمیں آتش چراغش روشن است

یعنی جو کچھ قوت ہے وہ ان کی محنت کی وجہ سے ہے، علم و ہنر کی وجہ سے ہے اور اسی وجہ سے ترقی کررہے ہیں، پھر آخر میں کہا کہ ؎

حکمت از قطع و برید جامہ نیست
مانعِ علم و ہنر عمامہ نیست

یعنی حکمت اور ہنر کسی خاص قسم کا لباس پہننے سے حاصل نہیں ہوتا اور عمامہ پہننے سے علم و ہنر حاصل ہونے میں کوئی رکاوٹ پیدا نہیں ہوتی۔

بہر حال! اصل چیز جو حاصل کرنے کی تھی، وہ تو حاصل کی نہیں اور لباس و پوشاک اور طریق زندگی میں ان کی نقل اتار کر ان کے آگے بھی اپنے آپ کو ذلیل کرلیا۔ دنیا سے عزت وہی کراتا ہے جس کو اپنے طریق زندگی سے عزت ہو، اگر دل میں اپنی عزت نہیں، اپنے طریقے کی عزت نہیں، تو پھر وہ دنیا سے کیا عزت کرائے گا، لہٰذا تمہارا یہ انداز اور یہ طریقہ ان کو کبھی پسند نہیں آئے گا، چاہے تم ان کے طریقوں میں غرق ہو کر اور ڈوب کر دیکھ لو اور اپنے آپ کو پوری طرح بدل کر دیکھ لو۔

تشبّہ اور مشابہت دونوں سے بچو

بہر حال! فتوے کی بات تو وہ ہے جو میں نے پہلے عرض کی کہ ''تشبّہ'' تو ناجائز حرام اور گناہ ہے۔ ''تشبّہ'' کا مطلب یہ ہے کہ ارادہ کر کے ان جیسا بننے کی کوشش کرنا اور ''مشابہت'' کے معنی یہ ہیں کہ ان جیسا بننے کا ارادہ تو نہیں تھا، لیکن کچھ مشابہت پیدا ہوگئی۔ یہ گناہ اور حرام تو نہیں ہے، البتہ کراہت سے خالی نہیں اور غیرت کے تو بالکل خلاف ہے، اس لیے ان دونوں سے بچنے کی ضرورت ہے۔ یہ لباس کا تیسرا اصول تھا۔

لباس کے بارے میں چوتھا اصول

لباس کے بارے میں چوتھا اصول یہ ہے کہ ایسا لباس پہننا حرام ہے جس کو پہن کر دل میں تکبر اور بڑائی پیدا ہوجائے، چاہے وہ لباس ٹاٹ ہی کا کیوں نہ

ہو۔ مثلاً اگر کوئی ایک شخص ٹاٹ کا لباس پہنے اور مقصد یہ ہو کہ یہ پہن کر میں لوگوں کی نظروں میں بڑا درویش اور صوفی نظر آؤں اور بڑا متقی اور پرہیز گار بن جاؤں اور پھر اس کی وجہ سے دوسروں پر اپنی بڑائی کا خیال دل میں آجائے اور دوسروں کی تحقیر پیدا ہوجائے تو ایسی صورت میں وہ ٹاٹ کا لباس بھی تکبر کا ذریعہ اور سبب ہے، اس لیے وہ بھی حرام ہے۔ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تکبر کپڑے پہننے سے نہیں ہوتا، بلکہ دوسروں کی حقارت دل میں لانے سے ہوتا ہے، اس لیے بعض اوقات ایک شخص یہ سمجھتا ہے کہ میں بڑا تواضع والا لباس پہن رہا ہوں، حقیقت میں اس کے اندر تکبر بھرا ہوتا ہے۔

ٹخنے چھپانا جائز نہیں

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ

> ”جو شخص اپنے کپڑے کو تکبر کے ساتھ نیچے گھسیٹے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کو رحمت کی نگاہ سے دیکھیں گے بھی نہیں۔“(۱)

دوسری حدیث میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ

> مرد کی زیر جامہ کا جتنا حصہ ٹخنوں سے نیچے ہوگا وہ حصہ جہنم میں جائے گا۔(۲)

اس سے معلوم ہوا کہ مردوں کے لیے ٹخنوں سے نیچے پاجامہ، شلوار، پتلون، لنگی وغیرہ پہننا جائز نہیں اور اس پر حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو وعیدیں

---

(۱) صحیح البخاری ٦/٥(٣٦٦٥) و ٧/٤١(٥٧٨٤)۔
(۲) صحیح البخاری ٥/١٤١(٥٧٨٧)۔

بیان فرمائیں: ایک یہ کہ ٹخنوں سے نیچے جتنا حصہ ہوگا وہ جہنم میں جائے گا اور دوسرے یہ کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ایسے شخص کی طرف رحمت کی نگاہ سے دیکھے گا بھی نہیں۔ اب دیکھیے کہ ٹخنوں سے اوپر شلوار پہننا ایک معمولی بات ہے، اگر ایک انچ اوپر شلوار پہن لی تو اس سے کیا آفت اور مصیبت آجائے گی؟ کون سا آسمان ٹوٹ پڑے گا؟ لیکن اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے بچ جاؤ گے اور اللہ تعالیٰ کی نظر رحمت حاصل ہوگی اور یہ ایسا گناہ بے لذت ہے کہ جس میں پوری کی پوری قوم مبتلا ہے، کسی کو فکر ہی نہیں۔

ٹخنے چھپانا تکبر کی علامت ہے

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعثت کا زمانہ جاہلیت کا زمانہ تھا، اس میں ٹخنے ڈھکنے اور اِزار کو نیچے تک پہننے کا بڑا فیشن اور رواج تھا، بلکہ اگر ازار زمین پر بھی گھسٹتا جائے تو اس کو اور اچھا اور قابل فخر سمجھا جاتا تھا۔ مدارس کے درس نظامی میں ایک کتاب "حماسہ" پڑھائی جاتی ہے جو جاہلیت کے شاعروں کے اشعار پر مشتمل ہے، اس کتاب میں ایک شاعر اپنے حالات پر فخر کرتے ہوئے کہتا ہے کہ

"اذا ما اصطبحت اربعا خط میزری"(۱)

جب میں صبح کے وقت شراب کے چار جام چڑھا کر نکلتا ہوں تو میرا ازار زمین پر لکیریں بناتا ہوا جاتا ہے۔ اب وہ اپنے اس طرز عمل کو اپنا قابل فخر کارنامہ بتا رہا ہے، لیکن جب حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس طرح جاہلیت کے اور طریقوں کو ختم فرمایا، اسی طرح اس طریقے کو بھی

---

(۱) دیوان الحماسة مع شرح التبریزی ۵۵/۱ طبع دار القلم۔

ختم فرمایا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس عمل کے ذریعے دل میں تکبر اور رعونیت پیدا ہوتی ہے، لہٰذا ازار ٹخنوں سے اوپر ہونا چاہیے۔

اس سے اس پروپیگنڈے کا بھی جواب ہوگیا جو آج کل بہت پھیلایا جارہا ہے اور بہت سے لوگ یہ کہنے لگے ہیں کہ درحقیقت حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ طریقے اختیار کرلیے جو آپ کے زمانے میں رائج تھے اور جیسا لباس قریش میں رائج تھا، جیسی وضع قطع رائج تھی، اسی کو اختیار کرلیا، اب اگر آج ہم اپنے دور کے رائج شدہ طریقے اختیار کرلیں تو اس میں کیا حرج ہے؟

خوب سمجھ لیجیے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی بھی اپنے زمانے میں رائج طریقوں کو اختیار نہیں فرمایا، بلکہ ان میں تبدیلی پیدا کی اور ان کو ناجائز قرار دیا۔ آج لوگ نہ صرف یہ کہ غلط کاری میں مبتلا ہیں، بلکہ بعض اوقات بحث کرنے کو تیار ہوجاتے ہیں کہ اگر ازار ٹخنوں سے ذرا نیچے ہوگیا تو اس میں کیا حرج ہے؟ ارے حرج یہ ہے کہ یہ حصہ جہنم میں جائے گا اور یہ عمل اللہ تعالیٰ کے غضب کا موجب ہے۔

انگریز کے کہنے پر گھٹنے بھی کھول دیے

ہمارے بزرگ تھے حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ، وہ ایک تقریر میں فرمانے لگے کہ اب ہمارا یہ حال ہوگیا ہے کہ جب حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ٹخنے کھول دو اور ٹخنے ڈھکنا جائز نہیں تو اس وقت ہم لوگ ٹخنے کھولنے کو تیار نہیں تھے اور جب انگریز نے کہا کہ گھٹنا کھول دو اور نیکر پہن لو، تو اب گھٹنا کھلوانے کو تیار ہوگئے۔ انگریز کے حکم پر گھٹنا بھی کھول دیا اور نیکر پہن لی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر ٹخنے کھولنے پر تیار نہیں۔ یہ کتنی بے غیرتی کی بات

ہے۔ ارے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کے بھی کچھ تقاضے ہیں، لہٰذا جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس عمل کو ناپسند فرمایا تو ایک مسلمان کو کس طرح یہ گوارا ہوسکتا ہے کہ وہ اس کے خلاف کرے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا واقعہ میں نے آپ کو پہلے بھی سنایا تھا کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر جب آپ کفار مکہ سے مذاکرات کے لیے تشریف لے جارہے تھے، تو آپ کے چچا زاد بھائی نے جو آپ کے ساتھ تھے کہا کہ یہ آپ کے ازار ٹخنوں سے اونچا ہے اور مکہ کے جن رؤساء اور سرداروں سے آپ مذاکرات کے لیے جارہے ہیں وہ لوگ ایسے آدمی کو حقیر سمجھتے ہیں جس کا ازار ٹخنوں سے اونچا ہو۔ اس لیے آپ تھوڑی دیر کے لیے اپنا ٹخنا ڈھک لیں اور ازار کو نیچے کرلیں تاکہ وہ لوگ آپ کو حقیر نہ سمجھیں۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا:

”لا، هكذا ازرة صاحبنا رسول الله ﷺ“(۱)

نہیں، یہ کام میں نہیں کرسکتا، اس لیے کہ میرے آقا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ازار ایسا ہی ہوتا ہے۔ اب چاہے وہ لوگ حقیر سمجھیں یا ذلیل سمجھیں، اچھا سمجھیں یا برا سمجھیں، اس سے مجھے کوئی سروکار نہیں، بس میرے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ یہ

(۱) مصنف ابن ابی شیبة ۳۸٦/۷ (۳٦۵۲) ومسند البزار ۱۵/۲ (۳۵۳) وقال: وهذا الحديث لا نعلمه أحدا رواه أعلى من عثمان في صفة إزرة رسول الله ﷺ، وإن كان قد روي من وجوه عن النبي ﷺ، وروي عن أبي بكر عن النبي ﷺ غير متصل. قال الهيثمي في "المجمع" ۲۱۳/۵ (۸۵۱٤): رواه البزار، وفيه موسى بن عبيدة، وهو ضعيف.

ہے اور میں تو اسی کو اختیار کروں گا، پھر انہوں نے ہی دنیا سے اپنی عزت کرائی۔ آج ہم اس مصیبت میں مبتلا ہیں کہ ڈر رہے ہیں، جھینپ رہے ہیں، شرما رہے ہیں کہ اگر ازار ٹخنوں سے اونچا کر لیا تو قاعدے کے خلاف ہوجائے گا، وقار کے خلاف ہوجائے گا، فیشن کے خلاف ہوجائے گا۔ خدا کے لیے یہ خیالات دل سے نکال دو اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع، سنّت کا جذبہ دل میں پیدا کرو۔

اگر دل میں تکبر نہ ہو تو کیا اس کی اجازت ہوگی؟

بعض لوگ یہ پروپیگنڈا کرتے ہیں کہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے تکبر کی وجہ سے ٹخنے سے نیچے ازار پہننے کو منع فرمایا تھا، لہٰذا اگر تکبر نہ ہو تو پھر ٹخنوں سے نیچے پہننے میں کوئی حرج نہیں اور دلیل میں یہ حدیث پیش کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم)! آپ نے تو فرمایا کہ ازار کو ٹخنے سے نیچے نہ کرو، لیکن میرا ازار بار بار ٹخنے سے نیچے ڈھلک جاتا ہے، میرے لیے اوپر رکھنا مشکل ہوتا ہے، میں کیا کروں؟ تو حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارا ازار جو نیچے ڈھلک جاتا ہے، یہ تکبر کی وجہ سے نہیں، بلکہ تمہارے عذر اور مجبوری کی وجہ سے ڈھلک جاتا ہے، اس لیے تم ان میں داخل نہیں (۱)۔

اب لوگ استدلال میں اس واقعے کو پیش کر کے یہ کہتے ہیں کہ ہم بھی تکبر کی وجہ سے نہیں کرتے، لہٰذا ہمارے لیے جائز ہونی چاہیے۔ بات اصل میں یہ ہے کہ یہ فیصلہ کون کرے کہ تم تکبر کی وجہ سے کرتے ہو یا تکبر کی وجہ سے نہیں

---

(۱) صحیح البخاری ۶/۵(۳۶۶۵)۔

کرتے؟ ارے بھائی! یہ تو دیکھو کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی زندگی بھر ٹخنوں سے نیچے ازار نہیں پہنا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو جو اجازت دی گئی تھی، وہ ایک مجبوری کی وجہ سے اجازت دی گئی تھی۔ وہ مجبوری یہ تھی کہ ان کے جسم کی بناوٹ ایسی تھی کہ بار بار ان کا ازار خود بخود نیچے ڈھلک جاتا تھا، لیکن تمہارے ساتھ کیا مجبوری ہے؟ اور آج تک آپ نے کوئی ایسا متکبر دیکھا ہے جو یہ کہے کہ میں تکبر کرتا ہوں میں متکبر ہوں، اس لیے کہ کسی متکبر کو کبھی خود سے اپنے متکبر ہونے کا خیال نہیں آتا۔ اس لیے شریعت نے علامتوں کی بنیاد پر احکام جاری کیے ہیں، یہ نہیں کہا کہ تکبر ہو تو ازار کو اونچا رکھو ورنہ نیچے کرلیا کرو، بلکہ شریعت نے بتادیا کہ جب ازار کو نیچے لٹکا رہے ہو، باوجود یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمادیا ہے، تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ تمہارے اندر تکبر ہے، اس لیے ہر حالت میں ازار نیچے لٹکانا ناجائز ہے۔

علماءِ محققین کا صحیح قول

اگرچہ بعض فقہاء نے یہ لکھ دیا ہے کہ اگر تکبر کی وجہ سے نیچے کرے تو مکروہِ تحریمی ہے اور تکبر کے بغیر کرے تو مکروہ تنزیہی ہے، لیکن علماءِ محققین کا صحیح قول یہ ہے اور جس پر ان کا عمل بھی رہا ہے کہ ہر حالت میں نیچے کرنا مکروہ تحریمی ہے، اس لیے کہ تکبر کا پتہ لگانا آسان نہیں ہے کہ تکبر کہاں ہے اور کہاں نہیں، اس لیے اس سے بچنے کا راستہ یہ ہے کہ آدمی ٹخنے سے اونچا ازار پہنے اور تکبر کی جڑ ہی ختم کردے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و رحمت سے ان اصولوں پر عمل کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین۔

بہر حال! لباس کے یہ چار اصول ہیں، پہلا اصول یہ ہے کہ وہ ساتر ہونا

چاہیے۔ دوسرا اصول یہ ہے کہ حدود شریعت میں رہتے ہوئے اس کے ذریعے زینت بھی حاصل کرنی چاہیے۔ تیسرا اصول یہ ہے کہ اس کے ذریعے نمائش اور دکھاوا مقصود نہ ہو۔ چوتھا اصول یہ ہے کہ اس کے پہننے سے دل میں تکبر پیدا نہ ہو۔ اب آگے لباس سے متعلق جو احادیث حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہیں وہ پڑھ لیتے ہیں۔

سفید رنگ کے کپڑے پسندیدہ ہیں

”عن ابن عباس رضی اللہ عنہما عن النبی ﷺ قال: «البسوا من ثیابکم البیاض، فانہا من خیر ثیابکم، وَكَفِّنُوْا فِيْهَا مَوْتَاكُم»[1]

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ سفید رنگ کے کپڑے پہنو، اس لیے کہ مردوں کے لیے سب سے اچھے کپڑے سفید رنگ کے ہیں اور اپنے مُردوں کو بھی سفید کفن دو۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مردوں کے لیے سفید رنگ کے کپڑوں کو پسند فرمایا ہے، اگرچہ دوسرے رنگ کے کپڑے پہننا ناجائز نہیں، حرام نہیں۔ چنانچہ خود حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعض اوقات دوسرے رنگ کے کپڑے زیب تن فرمائے، لیکن زیادہ تر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سفید کپڑے زیب تن فرماتے تھے۔ لہٰذا اگر مرد اس نیت سے سفید

---

(۱) سنن ابی داود ۸/٤(۳۸۷۸) وسنن الترمذی ٤/۵۰۲(۲۸۱۰) وقال ھذا حدیث حسن صحیح

کپڑے پہنے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عام معمول سفید کپڑے پہننے کا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سفید کپڑے پسند تھے تو اس نیت کی وجہ سے ان شاء اللہ اتباعِ سنّت کا ثواب حاصل ہوجائے گا۔ ہاں اگر کبھی دوسرے رنگ کا کپڑا پہن لیا تو وہ بھی بعض شرائط کے ساتھ مردوں کے لیے جائز ہے، کوئی ناجائز نہیں، چنانچہ اگلی حدیث ہے:

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سرخ دھاری دار کپڑے پہننا

عن براء بن عازب رضی اللہ عنہ قال: "کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مربوعاً، وقد رایته فی حلة حمراء ما رایت شیئاً قط احسن منه"[(۱)]

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم درمیانے قد کے تھے اور میں نے آپ کو ایک مرتبہ سرخ جوڑے میں دیکھا اور میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ خوبصورت چیز اس کائنات میں کوئی نہیں دیکھی۔

بلکہ ایک صحابی حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ چودھویں کا چاند چمک رہا تھا، چاندنی رات تھی اور حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سرخ جوڑا پہنے تشریف فرما تھے، تو اس وقت حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اتنے حسین لگ رہے تھے کہ میں بار بار کبھی چودھویں کے چاند کو دیکھتا اور کبھی سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھتا، آخر میں نے یہ فیصلہ کیا کہ یقیناً حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حسن و جمال

---

(۱) صحیح البخاری ۱۵۳/۷ (۵۸۴۸)۔

چودہویں کے چاند سے کہیں زیادہ تھا[1] تو ان احادیث سے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا سرخ جوڑا پہننا ثابت ہے۔

خالص سرخ مرد کے لیے جائز نہیں

لیکن یہ بات سمجھ لیجیے کہ سرخ جوڑے سے مراد یہ نہیں ہے کہ پورا سرخ تھا، بلکہ علماء کرام نے دوسری روایات کی روشنی میں تحریر فرمایا ہے کہ اس زمانے میں یمن سے کچھ چادریں آیا کرتی تھیں، ان چادروں پر سرخ رنگ کی دھاریاں ہوا کرتی تھیں، پوری سرخ نہیں ہوتی تھیں اور وہ بہت اچھا کپڑا سمجھا جاتا تھا، تو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی دھاریوں والے کپڑے کا جوڑا پہنا ہوا تھا۔

اور یہ جوڑا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لیے پہنا کہ امت کو پتہ چل جائے کہ اس قسم کے کپڑے پہننا جائز ہے، کوئی گناہ نہیں، البتہ بالکل خالص سرخ کپڑے پہننا مرد کے لیے جائز نہیں۔ اسی طرح ایسے کپڑے جو عورتوں کے ساتھ مخصوص سمجھے جاتے ہیں ایسے کپڑے پہننا بھی مردوں کے لیے جائز نہیں، اس لیے کہ اس میں عورتوں کے ساتھ تشبّہ ہو جائے گا، اور یہ تشبّہ بھی ناجائز ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سبز کپڑے پہننا

عن ابی رمثة رفاعة التیمی رضی اللہ عنہ، قال: "رایت رسول اللہ ﷺ وعلیه ثوبان اخضران"[2]

---

(۱) سنن الترمذی ۵۰۳/٤ (۲۸۱۱) وقال هذا حدیث حسن غریب۔

(۲) سنن النسائی ۲۰٤/۸ (۵۳۱۹) ومسند احمد ٦۷۹/۱۱ (۷۱۰۹) وسنن ابی داود ۸٦/٤ (٤۲۰٦) وسنن الترمذی ۵۰٤/٤ (۲۸۱۲) وقال هذا حدیث حسن غریب. وقال النووی

حضرت رفاعہ تیمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر دو سبز رنگ کے کپڑے تھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سبز رنگ کے کپڑے بھی پہنے ہیں، تو کبھی کبھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوسرے رنگوں کے کپڑے پہن کر یہ بتادیا کہ ایسا کرنا بھی جائز ہے، کوئی گناہ نہیں، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پسندیدہ کپڑا سفید ہی تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمامے کے رنگ

وعن جابر رضی اللہ عنہ: ''ان رسول الله ﷺ دخل عام الفتح مكة وعليه عمامة سوداء.'' (۱)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فتحِ مکہ کے دن جب مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر پر سیاہ رنگ کا عمامہ تھا۔

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سیاہ عمامہ پہننا ثابت ہے۔

آستین کہاں تک ہونی چاہیے؟

وعن اسماء بنت يزيد رضی اللہ عنہا قالت: ''كان كم قميص رسول الله ﷺ الى الرسغ'' (۲)

ﻫ فی ''رياض الصالحين'' ص۲۴۸: رواه أبو داود والترمذي بإسناد صحيح.

(۱) صحیح مسلم ۲/۹۹۰ (۱۳۵۸) وسنن ابی داود ۴/۵۴ (۴۰۷۶)۔

(۲) سنن ابی داود ۴/۴۳ (۴۰۲۷) وسنن الترمذی ۳/۳۶۶ (۱۷۶۵) وقال هذا حديث حسن غريب.

یعنی حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قمیص کی آستین گٹوں تک ہوتی تھی۔ اس لیے مردوں کے لیے تو سنّت یہ ہے کہ ان کی آستین گٹوں تک ہو، اگر اس سے کم ہوگی تو سنّت ادا نہیں ہوگی۔ اگرچہ جائز ہے، لیکن عورتوں کے لیے گٹوں سے اوپر کا تو حصہ کھلا رکھنا کسی طرح بھی جائز نہیں، حرام ہے، کیونکہ ان کے لیے پنچے سے نیچے پوری کلائی ستر میں داخل ہے، اس کا کھولنا کسی بھی حال میں جائز نہیں۔

آج کل یہ فیشن بھی عورتوں میں چل پڑا ہے کہ قمیص کی آستین آدھی ہوتی ہے اور بسا اوقات پورے بازو کھلے ہوتے ہیں، حالانکہ ایک مرتبہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی سالی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو بلا کر فرمایا کہ جب لڑکی بالغ ہوجائے تو اس کے جسم کا کوئی حصہ کھلا نہ رہنا چاہیے سوائے گٹوں تک ہاتھوں کے اور چہرے کے[1]۔ لہٰذا اگر آستین چھوٹی ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ستر کا حصہ کھلا ہوا ہے اور اس طرح خواتین ستر کھولنے کے گناہ میں مبتلا ہوجاتی ہیں، اس لیے ان کو اس کا بھی اہتمام کرنا چاہیے اور مردوں کو بھی چاہیے کہ وہ خواتین کو ان باتوں پر متنبہ کرتے رہیں۔ یہ جو ہم نے کہنا سننا چھوڑ دیا ہے اس کے نتیجے میں ہم کہاں سے کہاں پہنچ گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

---

(۱) سنن ابی داود ٤/٥٥٧ (٤١٠١) قال أبو داود: وھو مرسل، لم یسمع خالد بن دریك من عائشة، ولا أدركها، وسعید بن بشیر لیس بالقوي. طبع دار المنهاج

راحت حاصل کریں

(اصلاحی خطبات ۸/۵۷)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

راحت حاصل کریں

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَاهَادِيَ لَهٗ، وَأَشْهَدُ اَنْ لَّا إِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْماً كَثِيْراً كَثِيْراً۔ أَمَّا بَعْدُ!

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ:

«انظروا الی من ھو اسفل منکم، ولا تنظروا الی من ھو فوقکم، فھو اجدر ان لا تزدروا نعمۃ اللہ علیکم»[1]

---

(۱) صحیح مسلم ۲۲۷۵/٤ (۲۹٦۳) وسنن الترمذی ۲۸۲/٤ (۲۵۱۳)۔

اپنے سے کم تر لوگوں کو دیکھو

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم ان لوگوں کی طرف دیکھو جو تم سے دنیاوی ساز و سامان کے اعتبار سے کم ہیں (جن کے پاس دنیا کی مال و دولت اور دنیا کا ساز و سامان اتنا نہیں ہے جتنا تمہارے پاس ہے، تم ان کی طرف دیکھو) اور ان لوگوں کی طرف مت دیکھو جو مال و دولت میں اور ساز و سامان کے اعتبار سے تم سے زیادہ ہیں۔ اس کے نتیجے میں تمہارے دل میں اللہ کی نعمت کی بے وقعتی اور ناقدری پیدا نہیں ہوگی۔ (اس لیے کہ اگر تم اپنے سے اونچے آدمی کو دیکھتے رہو گے تو پھر ہر وقت اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو ناقدری کی نگاہ سے دیکھو گے اور تمہارے دل میں اس کی بے وقعتی پیدا ہوگی اور تم پریشان رہو گے)۔

دنیا کی محبت دل سے نکال دو

اس حدیث میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا کی محبت دل سے نکالنے کا اور دنیا کے اندر حقیقی راحت حاصل کرنے کا نسخۂ اکسیر بیان فرمایا ہے، جیسا کہ پہلے عرض کیا تھا کہ آدمی کے پاس دنیا تو ہو، لیکن دنیا کی محبت دل میں نہ ہو۔ آدمی کے پاس دنیا کا ہونا اس لیے ضروری ہے کہ اس کے بغیر گزارہ نہیں۔ اگر انسان کے پاس کھانے پینے کی اشیاء نہ ہوں، رہنے کے لیے مکان نہ ہو، پہننے کے لیے کپڑے نہ ہوں تو پھر انسان کیسے زندہ رہے گا؟ اس لیے ان چیزوں کی ضرورت ہے، لیکن ان چیزوں کو اپنا مقصدِ زندگی نہ بنائے اور ان چیزوں کو اپنا آخری مطمحِ نظر نہ بنائے اور صبح شام ہمہ وقت اس کی دھن میں سرگرداں نہ رہے اور دل میں

ان کی محبت پیدا نہ کرے اور یہ بات ''قناعت'' کے ذریعے پیدا ہوتی ہے۔ جب انسان کے اندر ''قناعت'' کی صفت پیدا ہوجاتی ہے تو پھر اس کے پاس دنیا ہوتی ہے، لیکن اس کی محبت دل میں نہیں ہوتی۔ اس لیے جب انسان کے دل میں دنیا کی محبت ہوتی ہے تو ہر وقت انسان اس فکر میں رہتا ہے کہ یہ چیز نہیں ملی، وہ مل جائے۔ فلاں چیز کی کمی ہے وہ مل جائے۔ کل اتنے پیسے کمائے تھے۔ آج اس سے ڈبل کمالوں۔ صبح سے لے کر شام تک بس اسی فکر اور دھن میں مگن رہتا ہے۔ بس اسی کا نام دنیا کی محبت ہے۔ اس محبت کے نتیجے میں لازماً حرص پیدا ہوجاتی ہے۔

قناعت حاصل کرنے کا نسخۂ اکسیر

ایک حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اگر ابن آدم کو ایک وادی سونے کی بھری ہوئی مل جائے تو وہ چاہے گا کہ مجھے ایک وادی اور مل جائے، جب دو مل جائیں گی تو پھر یہ چاہے گا کہ مجھے ایک وادی اور مل جائے، پھر فرمایا:

«لا یملأ جوف ابن آدم الا التراب»[1]

ابن آدم کا پیٹ سوائے قبر کی مٹی کے اور کوئی چیز نہیں بھرے گی۔

جب وہ دنیا سے رخصت ہوگا اور اس کو قبر میں دفن کیا جائے گا تب اس کا پیٹ بھرے گا۔ اور دنیا میں مال و دولت جمع کرنے کے لیے جو بھاگ دوڑ اور

---

(۱) صحیح البخاری ۹۲/۸ (٦٤٣٦).

محنت کر رہا تھا۔ وہ ساری محنت دھری رہ جائے گی اور سب مال و دولت یہاں چھوڑ کر خالی ہاتھ دنیا سے رخصت ہو جائے گا۔ البتہ اگر اللہ تعالیٰ کسی بندے کو ''قناعت'' عطا فرمادیں تو یہ ایک ایسی چیز ہے جو انسان کا پیٹ بھر دیتی ہے اور اس ''قناعت'' کو حاصل کرنے کا نسخہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں بیان فرمایا اگر تم دنیا اور آخرت کی فلاح چاہتے ہو تو اس نسخے پر عمل کرلو اور اگر فلاح نہیں چاہتے تو عمل مت کرو، لیکن پھر ساری عمر بے چینی اور پریشانی کا شکار رہو گے۔ وہ نسخہ یہ ہے کہ دنیاوی مال و دولت کے اعتبار سے اپنے سے اونچے کو مت دیکھو ورنہ یہ خیال آئے گا کہ اس کو فلاں چیز مل گئی ہے، مجھے وہ چیز نہیں ملی، بلکہ اپنے سے کم تر آدمی کو دیکھو کہ اس کے پاس دنیا کے اسباب کیا ہیں اور تمہیں اس کے مقابلے میں کتنا زیادہ ملا ہوا ہے۔ اس وقت تم اللہ کا شکر ادا کرو گے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے جو سامان اور راحت عطا فرمایا ہے وہ اس کو حاصل نہیں اور اگر اپنے سے اونچے کو دیکھو گے تو دل میں حرص پیدا ہوگی۔ پھر مقابلہ اور دوڑ پیدا ہوگی اور اس کے نتیجے میں دل کے اندر حسد پیدا ہوگا کہ وہ آگے نکل گیا، میں پیچھے رہ گیا۔ پھر حسد کے نتیجے میں بغض پیدا ہوگا۔ پھر عداوت پیدا ہوگی، تعلقات خراب ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کے حقوق بھی ضائع ہونگے اور اللہ کے بندوں کے حقوق بھی ضائع ہونگے اور اگر قناعت حاصل ہوگئی اور یہ سوچا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ مجھے عزت کے ساتھ رزق مل رہا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا انعام ہے، بہت سے لوگ اس سے محروم ہیں، الحمد للہ میں اس نعمت پر خوش ہوں، پس اس سے اللہ تعالیٰ قناعت عطا فرمائیں گے، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ سکون میں آجاؤ گے، بس اس کے علاوہ سکون کا کوئی راستہ نہیں ہے۔

دنیا کی خواہشات ختم ہونے والی نہیں

جہاں تک اس دنیا کا تعلق ہے تو یہ دنیا ایسی چیز ہے کہ اس روئے زمین پر کبھی کوئی انسان ایسا پیدا نہیں ہوا جو یہ کہہ دے کہ میری ساری خواہشات پوری ہوگئیں۔ اس لیے کہ خواہشات کی کوئی انتہا نہیں، کوئی حد نہیں۔ اگر قارون کا خزانہ بھی مل جائے تب بھی خواہشات پوری نہیں ہوں گی۔ دنیا کی خواہشات ایسی ہیں کہ اس کی ایک کڑی دوسری کڑی سے ملی ہوئی ہے۔ عربی کا ایک شاعر ''متنبی'' گزرا ہے، وہ بعض اوقات بہت حکیمانہ شعر کہتا تھا، اس نے دنیا کے بارے میں ایک بڑی سچی بات کہی ہے کہ ۔

وَمَا قَضٰی اَحَدٌ مِنْهَا لُبَانَتَه
وَلَا انْتَهٰی اَرَبٌ اِلَّا اِلٰی اَرَبٖ[1]

یعنی دنیا کا یہ حال ہے کہ آج تک ایک شخص بھی ایسا نہیں گزرا جس نے اس دنیا کی ساری لذتوں اور راحتوں اور خواہشات کو پورا حاصل کرلیا ہو، بلکہ اس دنیا کا حال یہ ہے کہ ابھی ایک خواہش پوری نہیں ہوئی ہوتی ہے کہ دوسری خواہش اُبھر آتی ہے۔

کارِ دنیا کسے تمام نہ کرد

مثلاً ایک شخص بے روزگار ہے۔ اس کی خواہش بھی ہے اور ضرورت بھی ہے کہ مجھے روزگار مل جائے، چنانچہ اس کو ایک روزگار کی جگہ مل گئی۔ اب اس کے ملتے ہی فوراً یہ خواہش ہوگی کہ دوسرے لوگوں کی تنخواہ تو مجھ سے زیادہ ہے،

(۱) دیوان المتنبی مع شرح الواحدی ص ۳۰۵

وہ زیادہ کما رہے ہیں، میں ان تک پہنچ جاؤں، چنانچہ ان تک پہنچ گئے۔ جب آگے پہنچا تو اور اُوپر کے لوگ نظر آئے کہ وہ تو مجھ سے زیادہ کما رہے ہیں۔ اب خواہش یہ ہو رہی ہے کہ ان تک پہنچ جاؤں۔ اس انسان کی پوری زندگی اسی دوڑ دھوپ میں گزر جائے گی، لیکن کسی جگہ پر چین سے بیٹھنا نصیب نہ ہوگا۔ آج ہر شخص کی زندگی میں یہ چیز نظر آئے گی۔

''کارِ دنیا کسے تمام نہ کرد''

یعنی کسی نے آج تک دنیاوی کام پورا نہیں کیا۔ ہاں! اس شخص نے پورا کیا جس نے اس دنیا کی حقیقت کو سمجھ لیا، یعنی انبیاء علیہم السلام اور ان کے وارثین جو اس دنیا کی حقیقت کو سمجھتے ہیں کہ یہ دنیا چند روزہ ہے اور اس دنیا میں محض بقدر ضرورت ہی کمانا ہے، اس دنیا میں بہت زیادہ اسباب و سامان جمع کرنے اور عیش و آرام کی فکر زیادہ نہیں کرنی۔ اگر اللہ تعالیٰ محض اپنی رحمت سے دنیا کے مال و اسباب عطا فرمادیں تو یہ اس کی نعمت ہے، لیکن اپنی طرف سے اس کو حاصل کرنے کی زیادہ فکر نہیں کرنی۔ یہ حضرات اُوپر کے بجائے نیچے کی طرف دیکھتے ہیں۔

دین کے معاملات میں اُوپر والے کو دیکھو

ایک اور حدیث میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد اس طرح آیا ہے کہ دنیا کے ساز و سامان کے اندر تم اپنے سے نیچے والے آدمی کو دیکھو کہ فلاں کو دنیا کی یہ نعمت نہیں ملی تم کو ملی ہوئی ہے اور اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو اور اپنے سے اُوپر والے کی طرف مت دیکھو اور دین کے معاملات میں اپنے سے اُوپر والے کو دیکھو کہ فلاں شخص دین کا کتنا کام کر رہا ہے، میں اب تک وہاں نہیں پہنچا،

تاکہ تمہارے اندر دین کے کاموں میں آگے بڑھنے اور ترقی کرنے کا رجحان پیدا ہو(۱)، لہٰذا دین میں اُوپر والے کو دیکھو اور دنیا میں نیچے والے کو دیکھو۔ اس کے ذریعے تمہارا دین بھی درست ہوگا اور تمہاری دنیا بھی درست ہوگی۔ یہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا بتایا ہوا حکیمانہ نسخہ ہے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ جو بہت اونچے درجے کے فقیہ، محدث، بزرگ اور صوفی تھے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہم عصر ہیں اور ان کے شاگردوں میں سے ہیں۔ ابتدا میں بہت مالدار، دولت مند اور بہت آزاد منش تھے، زمینیں اور جائیدادیں تھیں، باغات وغیرہ تھے۔ نہ علم سے کوئی تعلق، نہ دین سے کوئی تعلق۔ پینے پلانے والے اور گانے بجانے والے تھے، ان کے سیب کے باغات تھے۔ ایک مرتبہ جب سیب پکنے کا موسم آیا تو انہوں نے اپنے دوستوں کے ساتھ اسی باغ میں ڈیرہ ڈال لیا اور وہیں مقیم ہوگئے، تاکہ وہاں تازہ تازہ سیب توڑ کر کھائیں گے اور تفریح کریں گے۔ اب وہاں کھانے پک رہے ہیں، سیب کھائے جارہے ہیں اور شراب و کباب کا دور بھی چل رہا ہے اور ایک مرتبہ کھانے پینے کے بعد موسیقی کا پروگرام ہوا۔ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ خود بھی بہترین ساز بجانے والے تھے، چنانچہ اب کھانا کھایا ہوا، باغ کا بہترین ماحول، دوستوں کی بہترین محفل، شراب پی ہوئی اس کا نشہ چڑھا ہوا، ہاتھ میں ستار ہے،

---

(۱) سنن الترمذی ۲۸۱/٤ (۲۵۱۲) وقال هذا حديث غريب۔ وعمل اليوم والليلة لابن السنی ۲٦۹ (۳۰۹) طبع دار القبلة۔ جدة۔

اب اس کو بجا رہے ہیں، سِتار بجاتے بجاتے سو گئے اور آنکھ لگ گئی۔ جب آنکھ کھلی تو دیکھا کہ ہاتھ میں ستار ہے۔ چنانچہ بیدار ہونے پر پھر ستار بجانا شروع کر دیا، لیکن سِتار بجتا نہیں ہے، اس میں سے آواز ہی نہیں نکلتی، چنانچہ اس کے تاروں کو دیکھا اور ٹھیک کیا، دوبارہ بجانے کی کوشش کی، پھر بھی آواز نہیں آئی۔ تیسری مرتبہ جب ٹھیک کر کے بجانے کی کوشش کی تو اب اس کے اندر سے موسیقی کی آواز آنے بجائے قرآنِ کریم کی ایک آیت کی آواز آ رہی ہے۔ وہ آیت یہ تھی کہ

اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَ مَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ (۱)

یعنی کیا اب بھی ایمان والوں کے لیے وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کی یاد میں پسیج جائیں اور اللہ نے جو حق کی بات نازل کی ہے اس کے آگے ان کے دل نرم ہو جائیں۔

کیا اب بھی اس کا وقت نہیں آیا؟ یہ آواز اس سِتار سے آ رہی تھی۔

بہر حال! اللہ تعالیٰ جس کسی بندے کو اپنی طرف کھینچنا چاہتے ہیں تو ایسے غیبی سامان بھی پیدا فرما دیتے ہیں۔ جب ستار سے یہ آواز سنی، بس اسی وقت دل کی دنیا بدل گئی اور زبان سے اس آیت کا یہ جواب دیا بَلٰی یَا رَبِّ قَدْ اٰنَ اے اللہ! وہ وقت آ گیا۔ اسی وقت گانے بجانے اور شراب و کباب سے توبہ کی اور پھر دل میں علم حاصل کرنے کا داعیہ پیدا ہوا اور علم حاصل کرنا شروع کیا اور اتنے

---

(۱) سورۃ الحدید آیت (۱٦)۔

بڑے عالم بنے کہ حدیث میں بہت اونچے درجے کے امام بن گئے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی شاگردی کا شرف حاصل کیا اور اب ان کا قول حدیث کے اندر بھی حجت کا درجہ رکھتا ہے، فقہ کے اندر بھی حجت ہے اور صوفیاءِ کرام کے بھی بڑے امام بن گئے(۱)۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کا مقامِ بلند

انہی کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ ہارون رشید بغداد میں اپنے محل کے برج میں اپنی بیوی کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا، شام کا وقت تھا۔ ہارون رشید نے شہر کے باہر سے بہت زبردست شور سنا۔ بادشاہ کو خطرہ ہوا کہ کہیں دشمن نے تو شہر پر حملہ نہیں کر دیا، اس نے جلدی سے آدمی بھیجا کہ جا کر معلوم کرے کہ یہ کیسا شور ہے، چنانچہ وہ گیا اور معلوم کر کے جب واپس آیا تو اس نے بتایا کہ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ آج اس شہر میں تشریف لانے والے تھے اور لوگ ان کے استقبال کے لیے شہر سے باہر نکلے ہوئے تھے، جب وہ تشریف لائے تو انہیں وہاں پر چھینک آگئی، اس چھینک پر انہوں نے ''الحمد للّٰہ'' کہا اور استقبال کرنے والوں نے اس کے جواب میں ''یرحمك اللّٰہ'' کہا، یہ اس کا شور تھا۔ جب ہارون رشید کی بیوی نے یہ صورت حال سنی تو ہارون رشید سے کہا کہ ہارون! تم یہ سمجھتے ہو کہ تم بڑے بادشاہ ہو اور آدھی دنیا پر تمہاری حکومت ہے، لیکن سچی بات یہ ہے کہ بادشاہت تو ان لوگوں کا حق ہے اور حقیقت میں تو یہ لوگ بادشاہ ہیں جو لوگوں کے دلوں پر حکومت کر رہے ہیں۔ کوئی پولیس ان کو یہاں کھینچ کر

(۱) تاریخ مدینة دمشق لابن عساکر ۴۰۶/۳۲۔طبع دار الفکر۔

نہیں لائی، بلکہ یہ صرف حضرت عبداللہ بن مبارک کی محبت ہے جس نے اتنے سارے لوگوں کو یہاں جمع کر دیا۔ بہرحال! بعد میں اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ مقام عطا فرمایا۔ (۱)

حضرت عون بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کا راحت حاصل کرنا

حضرت عون بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے اوپر ایک وقت گزرا ہے کہ میں بڑے بڑے مالداروں کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا تھا اور ہر وقت انہی کے ساتھ رہتا، ان کے ساتھ کھاتا پیتا تھا، لیکن اس زمانے میں میرا یہ حال تھا کہ شاید مجھ سے زیادہ کوئی رنج اور تکلیف میں نہیں تھا۔ اس لیے کہ میں جس دوست کے پاس جاتا تو یہ دیکھتا کہ اس کا گھر میرے گھر سے اچھا ہے اور میں اپنی سواری پر بڑا خوش ہوتا کہ میری سواری بڑی اچھی ہے، لیکن جب کسی دوست کے پاس جاتا تو یہ دیکھتا کہ اس کی سواری تو میری سواری سے بھی آگے بڑھی ہوئی ہے اور وہ بہت اعلیٰ اور عمدہ ہے اور بازار سے اپنے لیے اعلیٰ سے اعلیٰ شاندار لباس خرید کر لایا اور وہ لباس پہن کر جب دوست سے ملنے گیا تو میں نے دیکھا کہ اس نے تو مجھ سے بھی اچھا لباس پہنا ہوا ہے، لہٰذا جہاں بھی جاتا ہوں تو اپنے سامان سے اچھا سامان نظر آتا ہے۔ کسی کا مکان اچھا، کسی کے کپڑے اچھے

---

(۱) یہ واقعہ بندہ نے اپنے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اسی طرح سنا تھا، بعد میں بندہ کے رفیق مولانا عنایت الرحمن صاحب نے کتابوں میں تلاش کیا تو اس میں چھینکنے کا ذکر انہیں نہیں ملا، البتہ حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کی آمد اور استقبال پر غیر معمولی ہجوم دیکھ کر ہارون رشید کی ام ولد کا یہ قول ملا جو اوپر ذکر ہوا۔ تاریخ دمشق ۳۲/۴۴۷ (حاشیہ از حضرت والا دامت برکاتہم)۔

ہیں، کسی کی سواری اچھی ہے، پھر بعد میں، میں نے ایسے لوگوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا شروع کر دیا جو زیادہ مالدار نہیں تھے، بلکہ معمولی قسم کے لوگ تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مجھے راحت اور آرام حاصل ہو گیا۔ اس لیے کہ اب میں جس کے پاس بھی ملاقات کے لیے جاتا ہوں اور اس کے حالات دیکھتا ہوں اور اس کے مقابلے میں، میں اپنی حالت دیکھتا ہوں تو یہ نظر آتا ہے کہ میرا مکان اس کے مکان سے اچھا ہے، میری سواری اس کی سواری سے اچھی ہے، میرا لباس اس کے لباس سے اچھا ہے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ یا اللہ آپ نے اس سے بہتر عطا فرمایا(۱)۔ یہ ہے قناعت، اگر یہ قناعت حاصل نہ ہو پھر نہ صرف یہ کہ انسان ساری عمر دنیا حاصل کرنے کی دوڑ میں مبتلا رہے گا، بلکہ راحت بھی نصیب نہیں ہوگی۔

''راحت'' اللہ تعالیٰ کی عطا ہے

اس لیے کہ ''راحت'' اس پیسے اور اس دولت کا نام نہیں، بلکہ ''راحت'' تو ایک قلبی کیفیت کا نام ہے جو محض اللہ جل جلالہ کی عطا ہوتی ہے۔ کوٹھی اور بنگلے کھڑے کر لو، نوکر چاکر جمع کر لو، دروازے پر لمبی لمبی گاڑیاں کھڑی کر لو، یہ سب چیزیں جمع کر لو، اس کے باوجود یہ حال ہے کہ رات کو جب بستر پر لیٹتے ہیں تو نیند نہیں آتی، حالانکہ اعلیٰ درجے کا بستر لگا ہوا ہے، اعلیٰ درجے کی مسہری ہے، شاندار قسم کے گدے اور تکیے لگے ہوئے ہیں، ساری رات کروٹیں بدلتے گزر رہی ہے، نیند کی گولیاں کھا کھا کر نیند لائی جا رہی ہے۔ وہ گولیاں بھی ایک حد تک

(۱) حلیۃ الاولیاء لابی نعیم ۲۴۲/۴ طبع دار الکتاب العربی۔ وسنن الترمذی ۳۷۷/۳ معلقا۔

کام دیتی ہیں۔ اس کے بعد وہ بھی جواب دے جاتی ہیں۔ دیکھیے سامان راحت سب موجود ہیں۔ بنگلے ہیں، گاڑی ہے، روپیہ پیسہ ہے، ایئر کنڈیشن کمرہ ہے، آرام دہ بستر ہے، لیکن رات کی بے چینی کو دور کرنے میں کوئی چیز کارآمد نہیں۔ وہ اسباب بے چینی دور نہیں کرسکتے، بلکہ اللہ جل شانہ ہی اس بے چینی کو دور فرما سکتے ہیں۔ دوسری طرف ایک مزدور ہے جس کے پاس نہ ڈبل بیڈ ہے، نہ اس کے پاس ایئر کنڈیشن کمرہ ہے، نہ اس کے پاس ایسے نرم گدے اور تکیے ہیں، لیکن جب رات کو بستر پر سوتا ہے تو صبح کے وقت آٹھ گھنٹے کی بھرپور نیند لے کر اٹھتا ہے۔ آپ خود فیصلہ کریں کہ اس مزدور کو راحت حاصل ہے یا اس مالدار کو راحت حاصل ہے؟ یاد رکھیے! ''راحت'' اللہ تبارک وتعالیٰ کی عطا ہے۔ اسبابِ راحت پر ''راحت'' حاصل ہونا ضروری نہیں۔ ''راحت'' اور چیز ہے ''اسبابِ راحت'' اور چیز ہیں۔

ایک سبق آموز واقعہ

مجھے یاد ہے کہ جب میں نے اپنے گھر میں ایئر کنڈیشنر لگانا چاہا تو سب سے پہلے تو اس کی خریداری میں اچھی خاصی بڑی رقم خرچ ہوئی، جب کسی طرح اس کو خرید لیا تو پھر پتہ چلا کہ بجلی کی وائرنگ اس قابل نہیں ہے کہ وہ اس کے بوجھ کو اٹھا سکے، لہٰذا اس کے لیے نئی وائرنگ ہوگی اور اس میں اتنے پیسے خرچ ہونگے، چنانچہ پیسے خرچ کر کے نئی وائرنگ کرالی۔ پھر پتہ چلا کہ وولٹیج اتنا کم ہے کہ وہ اس کو نہیں چلا سکتا، اس کے لیے اسٹیبلائزر کی ضرورت ہے چنانچہ وہ بھی خرید کر لگالیا، لیکن پھر بھی وہ نہ چلا اور اب یہ پتہ چلا کہ یہاں پر بجلی کا پاور اور

زیادہ کم ہے، اس کے لیے فلاں پاور کے اسٹیبلائزر کی ضرورت ہے۔ تقریباً چھ مہینے اس ادھیڑ بن میں گزر گئے اور مجھے متنبی کا یہ مصرع بار بار یاد آتا رہا کہ

"ولا انتھی ارب الاالی ارب"(۱)

یعنی دنیا کی کوئی ضرورت ایسی نہیں ہے کہ اس کے پورا ہونے کے بعد دوسری نئی ضرورت سامنے نہ آجائے، پیسے بھی خرچ کر لیے، بھاگ دوڑ بھی کرلی، لیکن وہ "راحت" حاصل نہیں ہورہی ہے، اس لیے کہ یہ راحت، یہ آرام، یہ سکون اللہ جل جلالہ کی عطا ہے۔ یہ پیسوں سے نہیں خریدا جاسکتا۔

یاد رکھیے! جب تک انسان کے اندر "قناعت" پیدا نہ ہو اور جب تک انسان اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر کرنے کا عادی نہ بن جائے۔ اس وقت تک کبھی راحت اور سکون حاصل نہیں ہوسکتا۔ چاہے اس کے لیے کتنے ہی پیسے خرچ کر ڈالو اور کتنا ہی ساز و سامان جمع کرلو، بلکہ اس کے حاصل کرنے کا طریقہ وہ ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بتایا، وہ یہ کہ ہمیشہ اپنے سے نیچے والے کو دیکھو۔ اپنے سے اوپر والے کو مت دیکھو اور پھر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔

اوپر کی طرف دیکھنے کے برے نتائج

اس طریقے پر عمل کرنے میں یہ فائدہ ہوگا کہ اس کے ذریعے "قناعت" پیدا ہوگی، لیکن اگر اس پر عمل نہیں کرو گے، بلکہ اپنے سے اوپر والے کو دیکھتے رہو گے تو ہمیشہ رنج اور صدمہ میں رہو گے اور یہ رنج اور صدمہ کسی نہ کسی وقت "حسد" میں تبدیل ہوجائے گا۔ اس لیے کہ جب دل میں دنیا کی حرص پیدا ہوگی

(۱) دیوان المتنبی مع شرح الواحدی ص ۳۰۵۔

اور کسی کو اپنے سے آگے بڑھتا ہوا دیکھ لیا تو پھر یہ ممکن نہیں ہے کہ "حسد" پیدا نہ ہو، کیونکہ "حرصِ دنیا" کا لازمی خاصہ یہ ہے کہ اس سے "حسد" ہوگا کہ یہ مجھ سے آگے بڑھ گیا اور میں پیچھے رہ گیا اور پھر "حسد" کے نتیجے میں "بغض"، "افتراق"، "عداوتیں" اور "دشمنیاں" پیدا ہوں گی۔ آج معاشرے کے اندر دیکھ لیں کہ یہ سب چیزیں کس طرح معاشرے کے اندر پھیلی ہوئی ہیں اور جب یہ دوڑ لگی ہوئی ہے کہ مجھے دوسروں سے آگے بڑھنا ہے تو اس کے نتیجے میں لازمی طور پر انسان کے اندر یہ بات پیدا ہوگی کہ وہ حلال وحرام کی فکر چھوڑ دے گا، اس لیے کہ جب اس نے یہ طے کرلیا کہ مجھے یہ چیز ہر قیمت پر حاصل کرنی ہے تو اب وہ چیز چاہے حلال طریقے سے حاصل ہو یا حرام طریقے سے حاصل ہو۔ اس کو اس کی کوئی پرواہ نہیں ہوگی، چنانچہ اس کے حاصل کرنے کے لیے پھر وہ رشوت بھی لے گا، دھوکہ بازی بھی کرے گا، ملاوٹ بھی کرے گا، سارے برے کام وہ کرے گا۔ اس لیے کہ اس کو تو فلاں چیز حاصل کرنی ہے۔ یہ سب "قناعت" اختیار نہ کرنے کا نتیجہ ہے۔ اس لیے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "قناعت" اختیار کرو اور اپنے سے نیچے والے کو دیکھو۔

حرص اور حسد کا ایک علاج

ایک اور حدیث میں اس بات کو دوسرے الفاظ میں بیان فرمایا کہ

"إذا نظر أحدكم إلى من فضل عليه في المال والخلق فلينظر إلى من هو أسفل منه ممن فضل عليه"(۱)

(۱) صحيح مسلم ٤/٢٢٧٥ (٢٩٦٣)۔

پچھلی حدیث میں تو یہ بیان فرمایا تھا کہ اپنے سے اونچے آدمی کی طرف مت دیکھو، یعنی باقاعدہ سوچ بچار کر کے اس طرف نظر مت کرو، لیکن ظاہر ہے کہ جب انسان اس دنیا کے اندر رہ رہا ہے تو ایسا نہیں ہوسکتا کہ اپنے سے زیادہ دولت مند پر نظر ہی نہ پڑے، بلکہ اس کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا بھی ہوگا، اس کو دیکھے گا بھی، اس کے ساتھ میل ملاپ بھی ہوگا لہٰذا جب کبھی ایسا ہو کہ تم ایسے شخص کو دیکھو جو تم سے مال میں زیادہ ہے یا جسم کی بناوٹ میں زیادہ ہو۔ مثلاً وہ زیادہ خوبصورت ہے، زیادہ طاقتور ہے، تم سے زیادہ تندرست ہے۔ اس وقت تم فوراً ایسے شخص کو دیکھو اور اس کا تصور کرو جو تم سے مال و دولت میں اور راحت و آرام میں اور جسم کی خوبصورتی اور تندرستی میں تم سے کم تر ہو، تاکہ پہلے والے شخص کو دیکھ کر تمہارے دل میں جو حسرت پیدا ہوئی ہے وہ حسرت کسی وقت حرص اور حسد میں تبدیل ہوسکتی ہے۔ اس لیے دل میں اس ''حسرت کو باقی نہ رہنے دو، بلکہ اپنے سے نیچے والے کو دیکھ لو۔ اس کے نتیجے میں ان شاء اللہ اس ''حسرت'' کا ازالہ ہوجائے گا اور پھر وہ ''حرص اور حسد'' پیدا نہیں ہوگا۔

وہ شخص برباد ہوگیا...

ایک اور حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''تعس عبد الدينار والدرهم والقطيفة والخميصة ان اعطى رضى وان لم يعط لم يرض''(1)

(۱) صحیح البخاری ۳۴/۴ (۲۸۸۶)۔

فرمایا کہ وہ شخص برباد ہوگیا جو درہم اور دینار کا غلام ہے۔ ''دینار'' ایک سونے کا سکہ ہوتا تھا جس کو ''اشرفی'' کہتے ہیں اور ''درہم'' چاندی کا سکہ ہوتا تھا، یعنی جو شخص پیسوں کا غلام ہے اور اچھے اچھے کپڑوں اور اچھی اچھی چادروں کا غلام ہے وہ شخص برباد ہوگیا۔ اور غلام ہونے کا مطلب یہ ہے کہ دن رات اس کو یہی فکر لگی ہوئی ہے کہ پیسہ کس طرح آجائے اور مجھے کس طرح اچھے سے اچھا کپڑا اور اچھا ساز و سامان حاصل ہوجائے۔ جو شخص اس فکر میں مبتلا ہے وہ اس کا غلام ہے۔ اس لیے کہ یہ فکر اس کے اوپر اتنی غالب آچکی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو بھول گیا ہے۔ ایسا شخص ہلاک اور برباد ہے۔ اس کا حال یہ ہے کہ اگر اس کو کوئی چیز دے دی جائے گی تو خوش ہوجائے گا اور اگر نہیں دی جائے گی تو اس صورت میں راضی نہیں ہوگا۔ بخلاف اس شخص کے جو ''قناعت پسند'' ہے اور اللہ جل شانہ کی عطا پر راضی ہے۔ اس کا یہ حال ہوتا ہے کہ جائز طریقوں سے جائز حدود میں اپنی کوشش کرنے کے بعد جتنا مل گیا اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے اور جو نہیں ملا اس پر اس کے دل میں کوئی گلہ اور شکوہ پیدا نہیں ہوتا کہ فلاں کو اتنا مل گیا مجھے کیوں نہیں ملا۔

بہرحال! یہ تمام احادیث یہ بیان کررہی ہیں کہ دنیا کے ساز و سامان سے دل نہ لگاؤ، چنانچہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دل میں ایک مرتبہ یہ بات بٹھا دی تھی کہ یہ دنیا بے وقعت اور بے حقیقت ہے اور اس کا ساز و سامان ایسی چیز نہیں ہے کہ آدمی دن رات اس کی فکر میں سرگرداں اور پریشان رہے، بلکہ ضرورت کے مطابق اس دنیا کو اختیار کرنا چاہیے۔

اصحابِ صفّہ کون تھے؟

چنانچہ ایک حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

”لَقَدْ رَاَیْتُ سَبْعِیْنَ مِنْ اَصْحَابِ الصُّفَّةِ، مَا مِنْهُمْ رَجُلٌ عَلَیْهِ رِدَاءٌ اِمَّا اِزَارٌ وَاِمَّا كِسَاءٌ، قَدْ رَبَطُوْا فِیْ اَعْنَاقِهِمْ، فَمِنْهَا مَا یَبْلُغُ نِصْفَ السَّاقَیْنِ، وَمِنْهَا مَا یَبْلُغُ الْكَعْبَیْنِ، فَیَجْمَعُهٗ بِیَدِهٖ كَرَاهِیَةَ اَنْ تُرٰی عَوْرَتُه“(۱)

اس حدیث میں حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ اصحابِ صفہ کا حال بیان فرما رہے ہیں۔ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو اپنا سارا کام چھوڑ کر حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دین کا علم حاصل کرنے کی غرض سے آپڑے تھے۔ ان کو ”اصحاب صفہ“ کہا جاتا ہے۔ جن حضرات کو مدینہ منورہ میں حاضری کی سعادت حاصل ہوئی ہے۔ انہوں نے دیکھا ہوگا کہ مسجد نبوی میں ایک چبوترہ ہے جس کو ”صفہ“ کہا جاتا ہے۔ اسی چبوترے پر دن رات یہ اصحاب صفہ رہتے تھے، یہی ان کا مدرسہ تھا، یہی ان کی درسگاہ تھی، یہی ان کی یونیورسٹی تھی، جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ان کو تعلیم دیتے تھے، تعلیم کا کوئی نصاب کتاب کی شکل میں نہیں تھا، اس کے کوئی اوقات باقاعدہ مقرر نہیں تھے، بس جس وقت بھی حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آپ نے کوئی بات ارشاد فرمائی، ان حضرات نے اس کو سنا اور یاد کرلیا یا اگر کوئی شخص آپ کے پاس ملاقات کے لیے آیا اور اس نے آ کر سوال کیا، آپ نے اس کو جواب دیا، ان حضرات نے اس سوال و جواب کو سن کر یاد کرلیا یا آپ نے کسی

---

(۱) صحیح البخاری ۹۶/۱ (٤٤٢)۔

کے ساتھ کس طرح کا معاملہ فرمایا اس کو محفوظ کرلیا۔ ان حضرات کی ساری زندگی اسی کام کے لیے وقف تھی۔ انہی کو ''اصحابِ صفہ'' کہا جاتا ہے۔ یہ اصحاب صفہ اسلام کی تاریخ کے پہلے طالب علم تھے اور ''صفہ'' اسلامی تاریخ کا پہلا مدرسہ تھا جو ایک چبوترے پر قائم ہوا۔

اصحابِ صفّہ کی حالت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی انہی میں سے ایک تھے۔ وہ اس حدیث میں ان کا حال بیان فرمارہے ہیں کہ میں نے ستر اصحاب صفہ کو دیکھا کہ ان میں سے کسی کے پاس اپنے جسم کو ڈھانپنے کے لیے پورے دو کپڑے نہیں تھے، بلکہ کسی کے پاس تو صرف ایک چادر تھی اور اسی چادر کو اس نے اپنے گلے سے باندھ کر نصف پنڈلی تک اپنے جسم کو اس کے ذریعے چھپا رکھا تھا اور کسی کے پاس صرف زیر جامہ تھا۔ جس کے ذریعے اس نے جسم کا نیچے کا حصہ تو چھپا رکھا تھا اور اوپر کا جسم ڈھانپنے کے لیے اس کے پاس کوئی کپڑا نہیں تھا اور بعض اوقات یہ ہوتا کہ وہ صحابی جنہوں نے اپنے گلے سے چادر باندھی ہوئی ہوتی وہ اپنی چادر کو چلتے ہوئے اس خوف سے بار بار سمیٹتے تھے کہ کہیں ستر نہ کھل جائے اور بہت احتیاط سے چلتے تھے۔ اس حالت میں وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس علم حاصل کرنے کے لیے پڑے ہوئے تھے۔ کیا وہ حضرات اگر دنیا جمع کرنا چاہتے تو نہ کرسکتے تھے؟ اللہ تعالیٰ نے ان کو صلاحیت، ذہانت اتنی عطا فرمائی تھی کہ اگر دنیا حاصل کرنا چاہتے تو ضرور حاصل کرلیتے، لیکن وجہ یہ تھی کہ ان کو دنیا کی طرف التفات ہی نہیں تھا۔ بس بقدر ضرورت جو مل گیا اس پر اکتفا کرلیا۔ اس زمانے میں ''اصحابِ صفہ'' کے چبوترے پر ایک ستون تھا، اس کی

یادگار اب بھی موجود ہے، اس ستون کے ساتھ لوگ اصحاب صفہ کے لیے کھجور کے خوشے لٹکا دیا کرتے تھے۔ کھجور کے وہ خوشے ان اصحاب صفہ کی غذا ہوتے تھے۔ جب کسی کو بھوک لگتی وہ اس خوشے سے کھجور لے کر کھا لیتا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی بھوک کی شدت

خود حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اپنا حال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مسجد نبوی میں رہتا تھا اور بعض اوقات بھوک کی شدت کی وجہ سے میرا یہ حال ہوتا تھا کہ میں نڈھال ہو کر مسجد نبوی کے دروازے پر گر جاتا تھا۔ لوگ یہ سمجھتے کہ شاید اس کو مرگی کا دورہ پڑا ہے چنانچہ لوگ میری گردن پر پاؤں رکھ کر گزرتے تھے۔ اس زمانے میں اہل عرب کے اندر یہ مشہور تھا کہ اگر کسی کو مرگی کا دورہ پڑے تو یہ سمجھا جاتا تھا کہ اس کی گردن پر پاؤں رکھا جائے تو اس سے دورہ کھل جاتا تھا، پھر قسم کھا کر فرماتے ہیں کہ وَاللّٰہِ مَابِیْ اِلَّا الْجُوْعُ اللہ کی قسم نہ مجھے مرگی کا دورہ تھا اور نہ وہ غشی کی کیفیت تھی، بلکہ بھوک کی شدت سے نڈھال ہو کر لیٹا ہوا ہوتا تھا[1]۔ اس حالت میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے وقت گزارا، تب جا کر حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی پانچ ہزار تین سو چونسٹھ احادیث ہم تک پہنچائیں اور ذخیرہ حدیث میں سب سے زیادہ احادیث ان سے مروی ہیں۔

بہر حال! صحابہ کرام نے خود فاقے برداشت کر کے موٹا چھوٹا پہن کر، روکھی سوکھی کھا کر، ہمارے لیے یہ پورا دین محفوظ کر کے چلے گئے۔ یہ ان کا ہم پر بہت بڑا احسان ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔ آمین۔

---

(۱) صحیح البخاری ۱۰۴/۹ (۷۳۲٤)۔

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تربیت کا انداز

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کا یہ مزاج بنادیا تھا کہ دنیا کی حرص، دنیا کی محبت، دنیا کا ضرورت سے زیادہ شوق ختم ہوجائے۔ ان میں سے ہر شخص اس فکر میں تھا کہ کسی طرح اللہ تعالیٰ مجھے آخرت کی صلاح وفلاح عطا فرمادے، دنیا ہوتو وہ صرف ضرورت کے مطابق ہو۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کس طرح تربیت فرمایا کرتے تھے؟ اس کے واقعات سنیے۔

یہی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ میں دوپہر کے وقت اپنے گھر سے باہر نکلا تو دیکھا کہ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما دونوں راستے میں ٹہل رہے ہیں۔ میں نے سوچا کہ معلوم نہیں یہ دونوں اس وقت کس وجہ سے ٹہل رہے ہیں۔ میں نے جاکر ان سے وجہ پوچھی تو انہوں نے بتایا کہ بھوک لگی ہوئی ہے اور گھر میں کھانے کو کچھ نہیں ہے۔ سوچا کہ کچھ محنت مزدوری کر کے کچھ کھانے کا بندوبست کریں۔ ابھی کچھ دیر گزری تھی کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی گھر سے باہر تشریف لے آئے۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آکر ان حضرات سے پوچھا کہ آپ حضرات کس وجہ سے باہر تشریف لائے؟ ان حضرات نے جواب دیا: ''ما اخرجنا الا الجوع'' یا رسول اللہ! ہمیں بھوک نے باہر نکالا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں بھی اسی وجہ سے نکلا ہوں۔ پھر آپ نے فرمایا کہ میرے ایک دوست ہیں، ان کے باغ میں چلتے ہیں۔ وہ ایک انصاری صحابی تھے، ان کا ایک باغ تھا، چنانچہ یہ حضرات وہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ وہ صحابی موجود نہیں ہیں، ان کی اہلیہ موجود تھیں۔ انہوں نے جب یہ دیکھا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما ہمارے

باغ میں تشریف لائے ہیں تو ان کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی اور انہوں نے کہا کہ آج تو مجھ سے زیادہ خوش قسمت کوئی نہیں ہے، کیونکہ حضور اکرم ﷺ میرے مہمان ہیں۔ جب حضورِ اقدس ﷺ ان کے باغ میں تشریف فرما ہوئے تو ان خاتون نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! آپ مجھے تھوڑی دیر کی اجازت دیجیے کہ آپ کے لیے ایک بکری ذبح کرلوں۔ آپ نے فرمایا کہ بکری ذبح کرنے میں کوئی حرج نہیں، لیکن اس کا خیال رہے کہ کوئی دودھ دینے والی بکری مت ذبح کرنا۔ ان خاتون نے فرمایا کہ میں دوسری بکری ذبح کروں گی، چنانچہ ان خاتون نے بکری ذبح کی اور اس کا گوشت اور باغ کی تازہ کھجوریں اور ٹھنڈا پانی پیش کیا، آپ ﷺ نے اور حضرت صدیقِ اکبر اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہما نے تناول فرمایا۔ جب کھا کر فارغ ہوئے تو فرمایا کہ آج اللہ تعالیٰ نے ہمیں کھانے کی جو نعمت عطا فرمائی کہ اتنا اچھا اور عمدہ کھانا، اتنا عمدہ پانی اور درختوں کا اتنا عمدہ سایہ جس میں ہم بیٹھے ہوئے ہیں، یہ سب اللہ تعالیٰ کی وہ نعمتیں ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں ارشاد فرمایا:

وَلَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ (۱)

یعنی آخرت میں تم سے ان نعمتوں کے بارے میں سوال ہوگا کہ ہم نے تمہیں یہ نعمتیں عطا کیں، تم نے ان کو کس مصرف میں استعمال کیا؟(۲)

---

(۱) سورۃ التکاثر آیت (۸)۔

(۲) مسند ابی یعلی ۱/۷۹ (۷۸) والمعجم الکبیر للطبرانی ۱۹/۲۵۱ (۵۶۷) و کتاب الجوع لابن ابی الدنیا ص ۳۳ (۱٤) طبع دار ابن حزم۔ و قال الهيثمي في "مجمع الزوائد" ۱۰/ ۵۷۳ (۱۸۲٦۲): رواه الطبراني، ورواه أبو يعلى أتم منه، وفيه يحيى بن عبيد الله بن موهب، وقد ضعفه الجمهور ووثق، وبقية رجاله ثقات.

نعمتوں کے بارے میں سوال

اس طرح آپ نے ان حضرات کی تربیت فرمائی کہ بھوک کی شدت کے عالم میں یہ تھوڑا سا ایک وقت کا کھانا میسر آگیا، اس کے بارے میں ان کے دلوں میں یہ بات بٹھائی جارہی ہے کہ اس کی محبت تمہارے دلوں میں نہ آجائے، بلکہ یہ خوف پیدا ہو کہ یہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں تو ہیں، لیکن کل قیامت کے دن ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے یہاں جواب دینا ہوگا۔ یہ ذہنیت تمام صحابہ کرام کے اندر حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پیدا فرمادی تھی۔

موت اس سے زیادہ جلدی آنے والی ہے

ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم راستے سے گزر رہے تھے۔ دیکھا کہ ایک صاحب اپنی جھونپڑی کی مرمت کررہے ہیں۔ جب آپ قریب سے گزرے تو آپ نے ان سے پوچھا کہ کیا کررہے ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ ہماری جھونپڑی کچھ کمزور ہوگئی تھی، اس میں اس کی کچھ مرمت کررہا ہوں۔ آپ نے ان کو منع نہیں فرمایا کہ یہ مرمت مت کرو، لیکن بس ایک جملہ ارشاد فرمادیا کہ

"مَا اَرَی الْاَمْرَ اِلَّا أَعْجَلَ مِنْ ذٰلِكَ"(۱)

یعنی جو وقت موت کا آنے والا ہے وہ مجھے اس سے زیادہ جلدی نظر آتا ہے۔

---

(۱) سنن ابی داود ۳۶۰/۴ (۵۲۳۶) وسنن الترمذی ۱۶۰/۴ (۲۳۳۵) وقال هذا حديث حسن صحيح۔

یعنی اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونے کا جو وقت ہے وہ اتنا جلدی آ سکتا ہے کہ اگر اس کا استحضار ہو تو پھر آدمی کو اس بات کی فکر نہیں ہوتی کہ میری جھونپڑی کمزور ہوگئی ہے، اس کو درست کرلوں۔ اشارہ اس بات کی طرف فرمادیا کہ اس جھونپڑی کو اور اس گھر کو درست کرتے ہوئے ذہن میں یہ بات نہ آجائے کہ یہ میرا ہمیشہ کا گھر ہے اور ہمیشہ مجھے اس میں رہنا ہے، بلکہ یہ خیال رکھنا کہ تمہیں تو آگے جانا ہے، یہ گھر تو تمہارے سفر کی ایک منزل ہے، سفر کی منزل میں بقدرِ ضرورت انتظام کرلو، اس سے زیادہ مت کرو۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تربیت کا یہ انداز تھا۔

کیا دین پر چلنا مشکل ہے؟

بعض اوقات ان احادیث کو پڑھ پڑھ کر ہم جیسے کم ہمت لوگوں کے ذہن میں یہ خیال پیدا ہونے لگتا ہے کہ پھر دین پر چلنا ہمارے بس کی بات نہیں۔ یہ حضرت ابو ہریرہ، یہ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر اور اصحاب صفہ رضی اللہ عنہم ہی نے دین پر عمل کر کے دکھادیا۔ ہمارے بس میں تو یہ نہیں ہے کہ اتنے دن کی بھوک برداشت کرلیں اور ایک چادر اوڑھ کر اپنی زندگی گزار لیں اور اپنے رہنے کی جھونپڑی بھی ہو تو اس کی مرمت نہ کریں اور اگر مرمت کرنے لگیں تو اس وقت یہ خیال ہو کہ قیامت کا وقت قریب آنے والا ہے۔ خوب سمجھ لیجیے! یہ واقعات سنانے کا مقصد یہ نہیں ہے کہ دل میں مایوسی پیدا ہو، بلکہ یہ واقعات سنانے کا منشا یہ ہے کہ حضورِ اقدس جناب محمد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام کے اندر یہ اہلیت پیدا فرمائی جس کا اعلیٰ ترین معیار وہ تھا، لیکن یہ ضروری نہیں کہ ہر انسان اس اعلیٰ

معیار پر پہنچنے کے بعد ہی نجات حاصل کرسکے گا، بلکہ ہر انسان کی طاقت اور استطاعت الگ الگ ہے اور اللہ تعالیٰ نے کوئی حکم انسان کی طاقت اور استطاعت سے زیادہ نہیں دیا۔ کسی نے خوب کہا ہے ؎

''دیتے ہیں بادہ ظرف قدح خوار دیکھ کر''

یعنی جتنا جس شخص کا ظرف ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے ظرف کے مطابق اس کے ساتھ معاملہ فرماتے ہیں۔

کاش ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں ہوتے

چنانچہ بعض اوقات ہمارے ذہنوں میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ کاش ہم بھی حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں پیدا ہوئے ہوتے تو صحابہ کرام کے ساتھ ہوتے اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت نصیب ہوتی، جہاد اور غزوات میں آپ کے ساتھ شریک ہوتے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ اللہ جل شانہ کی مصلحت ہے کہ انہوں نے ہمیں اس دور میں پیدا نہیں کیا، اگر ہم اپنی موجودہ صلاحیت اور موجودہ ظرف کے ساتھ جو آج ہمارے اندر ہے، اس دور میں ہوتے تو شاید ابوجہل، ابولہب کی صف میں ہوتے۔ یہ تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا ظرف تھا اور ان کی استطاعت تھی کہ انہوں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایسے مشکل حالات میں ساتھ دیا، لیکن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں اور آپ کو اور قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کو یہ راستہ بتادیا کہ تمہاری استطاعت کے مطابق تمہارے ذمے یہ کام ہے کہ دنیا کی محبت اور اس کی حرص تمہارے دل میں نہ ہو۔ محبت اور حرص کے بغیر دنیا کو اپناؤ اور دنیا کو جائز اور حلال طریقوں

سے حاصل کرو اور حرام طریقوں سے پرہیز کرو۔ بس یہ چیز تمہارے دنیا سے بے رغبت ہونے کے لیے کافی ہے۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے دور کے مجدّد تھے

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہ حقیقت میں وہ ہمارے دور میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث ہیں اور اپنے عہد کے مجدد ہیں، چنانچہ وہ ہمیں بتا گئے کہ ہمیں ہماری صلاحیت اور ظرف کے مطابق کیا کرنا ہے اور کیا نہیں کرنا ہے۔ شاید یہ بات ان سے زیادہ بہتر انداز میں کوئی اور نہ بتا سکے گا، چنانچہ انہوں نے ہمیں اس بارے میں ایک اصول بتادیا کہ دنیا کتنی حاصل کرو اور کس درجے میں حاصل کرو اور دنیا کے ساتھ کس طرح کا معاملہ کرو، یہ اصول اصل میں تو مکان کے سلسلے میں بیان فرمایا کہ آدمی کیسا مکان بنائے؟ لیکن یہ اصول تمام ضروریات زندگی پر لاگو ہوتا ہے۔

مکان بنانے کے چار مقاصد

چنانچہ انہوں نے یہ اصول بیان فرمایا کہ مکان چار مقاصد کے لیے بنایا جاسکتا ہے۔

پہلا مقصد ہے ''رہائش''۔ یعنی ایسا مکان جس میں آدمی رات گزار سکے اور اس کے ذریعے دھوپ، بارش، سردی اور گرمی سے حفاظت ہوجائے۔ اب یہ ضرورت ایک جھونپڑی کے ذریعے بھی پوری ہوسکتی ہے۔ اس مقصد کے تحت مکان بنانا جائز ہے۔

دوسرا مقصد ہے ''آسائش'' یعنی صرف رہائش مقصود نہیں، بلکہ مقصد یہ ہے کہ وہ رہائش آرام اور آسائش کے ساتھ ہو۔ مثلاً جھونپڑی اور کچے مکان میں انسان جوں توں گزارہ تو کرلے گا، لیکن اس میں آسائش حاصل نہیں ہوگی اور آرام نہیں ملے گا۔ ہوسکتا ہے کہ بارش کے اندر اس میں سے پانی ٹپکنا شروع ہوجائے اور اس میں دھوپ کی تپش بھی اندر آرہی ہے۔ اس لیے آسائش حاصل کرنے کے لیے مکان کو پکا بنادیا تو یہ آسائش بھی جائز ہے، کوئی گناہ نہیں ہے۔

تیسرا درجہ ''آرائش'' یعنی اس مکان کی سجاوٹ، آپ نے مکان تو پکا بنالیا اور اس کی وجہ سے آپ کو رہائش حاصل ہوگئی، لیکن اس کی دیواروں پر پلاسٹر نہیں کیا ہے اور نہ اس پر رنگ و روغن ہے اب رہائش بھی حاصل ہے اور فی الجملہ آسائش بھی حاصل ہے، لیکن آرائش نہیں ہے۔ اس لیے کہ اس پر رنگ و روغن نہیں ہے۔ جب آپ اس مکان میں داخل ہوتے ہیں تو آپ کی طبیعت خوش نہیں ہوتی۔ اب اپنے دل کو خوش کرنے کے لیے رنگ و روغن کر کے کچھ زیب و زینت کرلے تو یہ بھی کوئی گناہ نہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی بھی اجازت ہے۔ بشرطیکہ اپنے دل کو خوش کرنے کے لیے یہ آرائش والا کام کرے۔

چوتھا درجہ ہے ''نمائش'' یعنی اس مکان کے ذریعے رہائش کا مقصد بھی حاصل ہوگیا۔ آسائش اور آرائش کا مقصد بھی حاصل کرلیا۔ اب یہ دل چاہتا ہے کہ اپنے مکان کو ایسا بناؤں کہ دیکھنے والے یہ کہیں کہ ہم نے فلاں شخص کا مکان دیکھا، اس کو دیکھ کر اس کی خوش ذوقی کی داد دینی پڑتی ہے اور اس کی مالداری کا پتہ چلتا ہے۔ اب اگر اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے آدمی اپنے مکان کے اندر کوئی کارروائی کرتا ہے تا کہ لوگ اس کو بڑا آدمی سمجھیں، تا کہ لوگ اس کو

دولت مند سمجھیں، تاکہ لوگ اس کو اپنے سے زیادہ فوقیت والا سمجھیں تو یہ صورت حرام ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ''رہائش'' حاصل کرنا جائز، ''آسائش'' حاصل کرنے کے لیے کوئی کام کرنا جائز، ''آرائش'' کے حصول کے لیے کوئی کام کرنا جائز، لیکن ''نمائش'' اور دکھاوے کے لیے کوئی کام کرنا حرام اور ناجائز ہے اور نمائش کی غرض سے جو چیز بھی حاصل کی جائے گی وہ حرام ہوگی۔

''قناعت'' کا صحیح مطلب

یہ تفصیل اس لیے عرض کردی تاکہ قناعت کا صحیح مطلب سمجھ میں آجائے۔ ''قناعت'' کے معنی یہ ہیں کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔ اس پر آدمی راضی اور خوش ہوجائے، لیکن قناعت کے ساتھ اگر آدمی کے دل میں یہ خیال پیدا ہورہا ہے کہ میرے مکان میں فلاں تکلیف ہے، یہ دور ہوجائے اور میں جائز طریقے سے اور حلال آمدنی سے اس تکلیف کو دور کرنا چاہتا ہوں تو یہ ''آسائش'' کے اندر داخل ہے اور جائز ہے۔ یہ خواہش ''حرص'' کے اندر داخل نہیں یا مثلاً اگر ایک شخص نے یہ سوچا کہ میرا مکان ویسے بہت اچھا ہے ماشاء اللہ، لیکن جب میں داخل ہوتا ہوں تو مجھے دیکھنے میں اچھا نہیں لگتا، اس لیے دل چاہتا ہے کہ اس میں کچھ سبزہ وغیرہ لگا ہوا ہوتا کہ دیکھنے میں اچھا لگے اور میرا دل خوش ہوجایا کرے۔ اب وہ اپنے دل کو خوش کرنے کے لیے یہ کام کرتا ہے تو یہ حرص میں داخل نہیں، بشرطیکہ اس کام کو کرانے کے لیے جائز اور حلال طریقہ اختیار کرے، ناجائز اور حرام طریقہ اختیار نہ کرے تو یہ جائز ہے۔

لیکن اگر مکان میں تمام سہولتیں حاصل ہیں، اچھا بھی لگتا ہے، آرام بھی ہے، لیکن میرے مکان کو دیکھ کر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ تو تھرڈ کلاس آدمی ہے یا میں جس محلے میں رہتا ہوں اس میں میرا مکان دوسروں کے مکانوں کے ساتھ میچ نہیں کرتا، بلکہ میرے مکان کو دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مالداروں کے محلے میں کوئی نچلے درجے کا آدمی آ گیا ہے۔ اب اس غرض کے لیے مکان کو عمدہ بناتا ہوں تاکہ اس کی نمائش ہو، لوگ اس کی تعریف کریں اور اس کو دیکھ کر لوگ مجھے دولت مند سمجھیں۔ اس وقت یہ کام کرنا حرام ہے، حرص میں داخل ہے اور یہ کام ''قناعت'' کے خلاف ہے۔ یا اگر کوئی شخص ''آسائش'' اور ''آرائش'' کو حاصل کرنے کے لیے ناجائز اور حرام طریقہ اختیار کرتا ہے۔ مثلاً رشوت کی آمدنی کے ذریعے وہ یہ آسائش اور آرائش حاصل کرنا چاہتا ہے یا سود لے کر، دوسرے کو دھوکہ دے کر یا دوسرے کا حق مار کر یہ چیز حاصل کرنا چاہتا ہے تو پھر یہ حرص میں داخل ہے اور ناجائز اور حرام ہے۔

کم از کم ادنیٰ درجہ حاصل کرلیں

بہرحال! صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے جو حالات میں نے آپ کو سنائے اس کا مقصد یہ بیان کرنا تھا کہ وہ تو اعلیٰ درجے کے لوگ تھے۔ اگر ہم اپنی کمزوری کی وجہ سے صحابہ کرام کے اس اعلیٰ مقام تک نہیں پہنچ سکتے تو کم از کم اس کا ادنیٰ درجہ تو حاصل کرنے کی فکر کریں، جس کو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا ہے اور یہ درجہ اس وقت تک حاصل نہیں ہوگا جب تک دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کی فکر اور موت کا دھیان انسان کے اندر پیدا نہ ہوجائے۔ آج انسان سالہا سال کے

منصوبے بنا رہا ہے۔ اس کو یہ پتہ نہیں کہ وہ کل ہی اس دنیا سے رخصت ہوجائے گا، بیٹھے بیٹھے انسان دنیا سے رخصت ہوجاتا ہے۔ لہٰذا ایسے لمبے لمبے منصوبے بنانے سے پرہیز کرے اور صرف بقدرِ ضرورت دنیا کے مال و اسباب پر قناعت کرے۔ اس قناعت کے ذریعے اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی راحت عطا فرمائیں گے اور آخرت میں بھی سکون ملے گا اور اس کا طریقہ وہ ہے کہ جو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرمادیا کہ ''اپنے سے نیچے والے کو دیکھو اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو''۔ اپنے سے اوپر کی طرف مت دیکھو، اس لیے کہ اوپر کی تو کوئی انتہا ہی نہیں ہے۔

ایک یہودی کا عبرت ناک قصہ

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک یہودی کا قصہ لکھا ہے کہ اس نے مال و دولت کے بہت خزانے جمع کر رکھے تھے۔ ایک دن وہ خزانے کا معائنہ کرنے کے ارادے سے چلا۔ خزانے پر ایک چوکیدار بٹھایا ہوا تھا، لیکن وہ یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ کہیں چوکیدار تو خیانت نہیں کررہا ہے۔ اس لیے اس چوکیدار کو اطلاع دیے بغیر وہ خود اپنی خفیہ چابی سے خزانے کا تالہ کھول کر اندر چلا گیا۔ چوکیدار کو پتہ نہیں تھا کہ مالک معائنے کے لیے اندر گیا ہوا ہے۔ اس نے جب یہ دیکھا کہ خزانے کا دروازہ کھلا ہوا ہے، اس نے آکر باہر سے تالا لگادیا۔ اب وہ مالک اندر معائنہ کرتا رہا، خزانے کی سیر کرتا رہا، جب معائنے سے فارغ ہوکر باہر نکلنے کے لیے دروازے کے پاس آیا تو دیکھا کہ دروازہ باہر سے بند ہے۔ اندر سے آواز لگاتا ہے تو آواز باہر نہیں جاتی۔ اس خزانے کے اندر سونا چاندی کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں، لیکن بھوک مٹانے کے لیے ان کو کھا نہیں سکتا تھا، پیاس لگ رہی ہے، لیکن ان کے ذریعے اپنی پیاس نہیں بجھا سکتا تھا حتیٰ کہ اس خزانے کے

اندر بھوک اور پیاس کی شدت سے تڑپ تڑپ کر جان دے دی اور وہی خزانہ اس کی موت کا سبب بن گیا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (۱)

یعنی اللہ تعالیٰ بعض اہل دنیا کو اس دنیا ہی کے ذریعے اس دنیاوی زندگی میں عذاب دیتے ہیں۔ اگر اس عذاب سے بچنا ہے تو اس کا طریقہ وہی ہے کہ اپنے سے اُوپر مت دیکھو، اپنے سے نیچے والے کو دیکھو اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو، البتہ جائز حدود میں رہ کر اپنی جائز ضروریات پوری کرلو، باقی صبح و شام دن رات دنیا کو جمع کرنے کے اندر جو انہماک اور جو فکر ہے اس کو ختم کرنے کی کوشش کرو۔

ایک تاجر کا عجیب قصہ

حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے گلستان میں ایک قصہ لکھا ہے کہ میں ایک مرتبہ سفر کررہا تھا۔ سفر کے دوران ایک تاجر کے گھر رات گزارنے کے لیے قیام کیا۔ اس تاجر نے ساری رات میرا دماغ چاٹا، وہ اس طرح کہ اپنی تجارت کے سارے قصے مجھے سناتا رہا کہ فلاں ملک میں میری یہ تجارت ہے، فلاں جگہ میری یہ تجارت ہے، فلاں جگہ اس چیز کی دکان ہے، فلاں ملک سے یہ چیز درآمد کرتا ہوں، یہ چیز برآمد کرتا ہوں۔ ساری رات قصے سنا کر آخر میں کہنے لگا کہ میری اور سب آرزوئیں تو پوری ہوگئی ہیں اور میری تجارت پروان چڑھ گئی، البتہ اب صرف ایک آخری سفر کرنے کا ارادہ ہے، آپ دعا کریں کہ میرا وہ سفر کامیاب

---

(۱) سورۃ التوبۃ آیت (۵۵)۔

ہوجائے تو پھر اس کے بعد قناعت کی زندگی اختیار کرلوں گا اور بقیہ زندگی اپنی دکان پر بیٹھ کر گزار دوں گا۔

شیخ سعدی نے پوچھا کہ وہ کیسا سفر ہے؟ اس تاجر نے جواب دیا کہ میں یہاں سے فارسی گندھک لے کر چین جاؤں گا، اس لیے کہ میں نے سنا ہے کہ وہ چین میں بہت زیادہ قیمت پر فروخت ہوجاتی ہے، پھر چین سے چینی برتن لے کر روم میں فروخت کروں گا اور وہاں سے رومی کپڑا لاکر ہندوستان میں فروخت کروں گا اور پھر ہندوستان سے فولاد خرید کر حلب (شام) میں لے جا کر فروخت کروں گا اور حلب سے شیشہ خرید کر یمن میں فروخت کروں گا اور پھر وہاں سے یمنی چادر لے کر واپس فارس آجاؤں گا۔ غرض یہ کہ اس نے ساری دنیا کے ایک سفر کا منصوبہ بنالیا اور شیخ سعدی سے فرمایا کہ بس! اس ایک آخری سفر کا ارادہ ہے۔ اس کے لیے آپ دعا کردیں۔ اس کے بعد میں قناعت سے اپنی دکان پر بقیہ زندگی گزار دوں گا۔ (اس وقت بھی یہی خیال ہے کہ سب کچھ کرنے کے بعد بھی باقی زندگی دکان پر ہی گزارلے گا) شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب میں نے اس کے سفر کی روئیداد سنی تو میں نے اس سے کہا کہ ؎

آن شنیدستی کہ در صحرائے غور
بار سالارے بیفتاد از ستور
گفت چشم تنگ دنیا دار را
یا قناعت پر کند یا خاک گور

فرمایا کہ تم نے یہ قصہ سنا ہے کہ غور کے صحرا میں ایک بہت بڑے سوداگر کا سامان اس کے اونٹ سے گرا ہوا پڑا تھا اور ایک طرف اس کا اونٹ بھی مرا پڑا تھا اور دوسری طرف وہ خود بھی مرا پڑا تھا۔ اس کا وہ سامان زبان حال سے یہ کہہ

رہا تھا کہ دنیا دار کی تنگ نگاہ کو یا تو قناعت پُر کرسکتی ہے یا قبر کی مٹی پُر کرسکتی ہے۔ اس کے پُر کرنے کا کوئی تیسرا طریقہ نہیں ہے۔[1]

یہ مال بھی آخرت کا سامان ہے

یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں کہ جب دنیا انسان کے اُوپر مسلط ہوجاتی ہے تو پھر اس کو کسی اور چیز کا خیال بھی نہیں آتا۔ یہ ہے دنیا کی محبت جس سے منع کیا گیا ہے۔ اگر یہ محبت نہ ہو اور پھر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے مال دیدے اور اس کے ساتھ دل اٹکا ہوا نہ ہو اور وہ مال اللہ تعالیٰ کی پیروی میں رکاوٹ نہ بنے، وہ مال اللہ تعالیٰ کے احکام بجالانے میں صرف ہو اور اس کے ذریعے انسان جنت کمائے تو وہ مال پھر دنیا نہیں ہے، وہ مال بھی آخرت کا سامان ہے، لیکن اگر اس مال کے ذریعے آخرت کے راستے میں رکاوٹ پیدا ہوگئی تو وہ دنیا ہے جس سے روکا گیا ہے۔

دل سے دنیا کی محبت کم کرنے کا طریقہ

اور دنیا کی محبت دل سے نکالنے اور آخرت کی محبت دل میں لانے کا طریقہ یہ ہے کہ تھوڑا سا وقت نکال کر انسان اس بات کا مراقبہ کرے کہ یہ دن رات ہم غفلت میں مبتلا ہیں، مرنے سے غافل ہیں، اللہ کے سامنے پیش ہونے سے غافل ہیں اور اس غفلت کی وجہ سے آخرت اور موت کا خیال بھی نہیں آتا، اس لیے تھوڑا سا وقت نکال کر انسان یہ مراقبہ کرے کہ ایک دن مروں گا، اس وقت میرا کیا حال ہوگا؟ اور کس طرح اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشی ہوگی؟ کس طرح

(۱) گلستان سعدی ص ۱۱۹ حکایت نمبر ۲۲۔

سوال و جواب ہوں گے؟ اور مجھے کیا جواب دینا ہوگا۔ روزانہ ان باتوں کا استحضار کرے۔ حضرت تھانوی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی آدمی روزانہ ان باتوں کا مراقبہ کرے تو چند ہی ہفتوں میں ان شاء اللہ وہ یہ محسوس کرے گا کہ دنیا کی محبت دل سے نکل رہی ہے۔

اس کو پوری دنیا دے دی گئی

ایک حدیث میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"مَنْ اَصْبَحَ مِنْکُمْ اٰمِناً فِیْ سِرْبِہٖ، مُعَافاً فِیْ جَسَدِہٖ، عِنْدَہٗ قُوْتُ یَوْمِہٖ، فَکَاَنَّمَا حِیْزَتْ لَہُ الدُّنْیَا"(۱)

یعنی جو شخص اس طرح صبح کرے کہ اس کو تین چیزیں حاصل ہوں۔ ایک یہ کہ وہ اپنے سرچھپانے کی جگہ میں بے خوف ہو، یعنی اپنے گھر میں بے خوف ہو اور اس کو کسی دشمن کا یا کسی ظالم کے ظلم کا خطرہ نہ ہو اور دوسرے یہ کہ اس کے بدن میں اس کو تکلیف نہ ہو، بلکہ صحت اور عافیت کی حالت میں ہو، کوئی بیماری نہ ہو۔ تیسرے یہ کہ اس کے پاس ایک دن کے کھانے کا انتظام موجود ہو۔ جس شخص کو یہ تین چیزیں حاصل ہوں۔ اس کو گویا کہ پوری کی پوری دنیا تمام اسباب کے ساتھ جمع کرکے دے دی گئی ہے، لہٰذا اگر کسی کو یہ تین چیزیں حاصل ہوگئیں، اس کی دنیا کی ضرورت پوری ہوگئی، اس کو اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرنا چاہیے کہ اس کو عافیت مل گئی اور ضرورت کے مطابق دنیا مل گئی اور ایسے شخص کو ناشکری میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے۔

---

(۱) سنن الترمذی ۱۶۷/٤ (۲۳٤٦) وقال ھذا حدیث حسن غریب. وشعب الایمان للبیھقی ۱۰/۱۳ (۹۸۷۸)۔

ان نعمتوں پر شکر ادا کرو

اس حدیث میں دو باتوں کی تلقین فرمائی ہے جو ہم سب کے لیے بڑا سبق ہے۔ ایک یہ کہ انسان کو شکر کی عادت ڈالنی چاہیے، ناشکری سے بچنا چاہیے۔ ہم لوگ صبح وشام جو ناشکری میں مبتلا رہتے ہیں، جبکہ اللہ تعالیٰ نے انواع واقسام کی نعمتیں ہمیں دے رکھی ہیں، اس کی نعمتوں کی بارش ہورہی ہے، لیکن جب ذرا سی کوئی بات طبیعت کے خلاف پیش آ گئی تو بس اب تمام نعمتوں کو بھول کر ناشکری کرنے لگے اور ان نعمتوں کے مقابلے میں اس ذرا سی تکلیف کو لے کر بیٹھ گئے اور اس کے نتیجے میں ناشکری کرنے لگے، یہ بڑی خطرناک بات ہے۔ اس لیے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تمہیں تین باتیں حاصل ہوگئیں تو تمہیں پوری دنیا مل گئی۔ اگر اس سے زیادہ نہیں ملی تو اس پر شکوہ کرنے، اس پر ناشکری کرنے کا کوئی موقع نہیں۔ آج اگر لوگوں سے یہ پوچھا جاتا ہے کہ کیا حال ہے؟ تو اکثر لوگوں کی زبان پر جملہ آجاتا ہے کہ ''گزر رہی ہے۔''،''ٹائم پاس ہورہا ہے'' ۔اللہ تعالیٰ بچائے۔ یہ بڑی ناشکری کا کلمہ ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ حقیقت میں تو مجھے اللہ تعالیٰ کی کوئی نعمت تو میسر نہیں ہے، تکلیفوں کا عالم ہے، لیکن میرا ہی حوصلہ ہے کہ میں اس کو گزار رہا ہوں اور وقت پاس کررہا ہوں، حالانکہ جب تم سے کوئی پوچھے کہ کیا حال ہے؟ کیسی گزر رہی ہے؟ تو اس وقت اللہ تعالیٰ کی جو نعمتیں تمہیں میسر ہیں، ان کا دھیان کرو اور پہلے ان کا شکر ادا کرو کہ الحمد للہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے بڑی نعمتیں عطا فرمائی ہیں اور اگر تھوڑی بہت کوئی تکلیف ہے تو اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے کہہ دو کہ یا اللہ! آپ نے مجھے بے شمار نعمتیں عطا فرمائی ہیں اور یہ جو تکلیف ہے یہ بھی

حقیقت میں نعمت ہی کا ایک عنوان ہے، لیکن میں کمزور ہوں، اس تکلیف کا تحمل نہیں کرسکتا۔ یا اللہ اپنی رحمت سے اس تکلیف کو دور فرمادیجیے۔ یہ الفاظ کہو۔ یہ مت کہو کہ میں بڑی مشکل سے زندگی گزار رہا ہوں۔

اونچے اونچے منصوبے مت بناؤ

یہ زندگی کا گزرنا اس لیے مشکل لگتا ہے کہ اپنے ذہن میں پہلے سے ایک بہت بڑا منصوبہ بنالیا کہ دنیا کا یہ سامان اور اسباب حاصل کرنا ہے۔ مثلاً میرے پاس اتنا شاندار بنگلہ ہونا چاہیے۔ایسی شاندار کار ہونی چاہیے۔ اتنے نوکر چاکر ہونے چاہئیں، اتنی اولاد ہونی چاہیے، اتنا بینک بیلنس ہونا چاہیے، ایسی تجارت ہونی چاہیے۔ یہ منصوبہ پہلے سے بنالیا، پھر اگر اس منصوبے کے مطابق کسی چیز میں کمی رہ گئی تو بس اب ناشکری کرنے لگے کہ ہم تو زندگی گزار رہے ہیں۔ اس حدیث میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس طرف توجہ دلائی ہے کہ تم نے یہ جو بڑے بڑے منصوبے بنا رکھے ہیں۔ یہ بڑی سخت غلطی کی ہے۔ اس لیے کہ اگر تمہیں تین باتیں حاصل ہیں۔ ایک یہ کہ گھر میں تم اطمینان سے ہو۔ دوسرے یہ کہ جسم میں عافیت ہے۔ تیسرے یہ کہ ایک دن کا اپنا اور اپنے بیوی بچوں کے کھانے کا انتظام موجود ہے تو تمہیں ساری دنیا مل گئی۔ اگر کوئی شخص اپنے ذہن میں یہ بات بٹھالے کہ بس ان تین چیزوں کا نام دنیا ہے جو مجھے ملی ہے، تو اس کے بعد اگر اس کو ان تین چیزوں سے زیادہ دنیا ملے گی تو وہ شخص شکر ادا کرے گا کہ میں مستحق تو کم کا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے زیادہ دے دیا اور اگر اس سے زیادہ چیزیں نہیں ملیں گی تو وہ شخص کم از کم ناشکری نہیں کرے گا، بلکہ وہ یہ سوچے گا کہ دنیا اتنی ہی تھی جو مجھے ملنی چاہیے تھی اور وہ مل گئی۔

بہر حال! ہماری سب سے بڑی غلطی یہ ہے کہ ہم پہلے سے بڑے بڑے منصوبے خود بنالیتے ہیں۔ پھر اس میں جب کوئی کوتاہی رہ جاتی ہے تو ناشکری کر دیتے ہیں۔ اس حدیث میں اس غلطی کا ازالہ فرمادیا کہ ایسے بڑے بڑے منصوبے ہی مت بناؤ۔

اگلے دن کی زیادہ فکر مت کرو

اب ایک سوال ذہن میں یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک دن کے کھانے کا ذکر فرمایا ہے کہ اگر تمہارے پاس ایک دن کا کھانا موجود ہے تو ساری دنیا تمہیں مل گئی تو پھر اگلے دن کیا ہوگا؟ اور اس کے بعد آئندہ کیا ہوگا؟ بات دراصل یہ ہے کہ اس حدیث کے ذریعے اشارہ اس بات کی طرف فرمادیا کہ بھائی! اگلے دن کا کیا پتہ کہ وہ آئے گا یا نہیں آئے گا اور جس مالک نے آج عطا فرمایا ہے وہ مالک کل بھی دے گا۔ اللہ تعالیٰ نے صاف صاف فرمادیا ہے:

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا[1]

یعنی زمین پر چلنے والا جو کوئی جاندار ہے اللہ تعالیٰ نے اس کا رزق اپنے ذمہ لے رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کا مستقل ٹھکانہ بھی جانتے ہیں اور اس کا عارضی ٹھکانہ بھی جانتے ہیں، اس کا رزق وہیں پہنچائیں گے۔

---

(۱) سورۃ ھود آیت (٦)۔

لہٰذا آئندہ کل تم محنت کرنا اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا۔ اس محنت اور بھروسے کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ تمہیں رزق عطا فرمائیں گے، لہٰذا کل کے لیے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرو اور آج جو کچھ میسر ہے، اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو، اس لیے کہ شکر کرنے پر اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيْدَنَّكُمْ [1]

اگر تم شکر کرو گے تو تمہیں اور زیادہ دوں گا۔

سکون اور اطمینان قناعت میں ہے

اس حدیث سے دوسرا سبق یہ ملا کہ دنیا میں اطمینان اور عافیت کا راستہ "قناعت" کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ یعنی جائز طریقے سے مناسب تدبیر کے تحت جتنا کچھ اللہ تعالیٰ نے عطا فرما دیا۔ اس پر مطمئن ہو جائے، زیادہ کی حرص اور ہوس نہ کرے۔ اس کے علاوہ دنیا میں خوش رہنے کا کوئی اور راستہ نہیں ہے۔ مال و دولت کے انبار لگا لو، بینک بیلنس کے انبار لگا لو، کوٹھیاں بنا لو، کاریں رکھ لو، لیکن اگر قناعت نہیں ہے تو پھر ان کوٹھیوں اور بنگلوں میں بھی تمہیں سکون نہیں ملے گا۔ اس مال و دولت کے ڈھیر میں بھی سکون نہیں ملے گا۔ اور اگر قناعت کی دولت تمہیں حاصل ہے تو پھر یقین رکھو کہ چٹنی روٹی میں بھی تمہیں وہ مزہ آجائے گا اور وہ اطمینان و سکون میسر آجائے گا جو بڑی بڑی کوٹھی بنگلوں میں اور اعلیٰ درجے کے کھانوں میں میسر نہیں آئے گا۔ اس کا تجربہ کر کے دیکھ لو۔

(۱) سورۃ ابراہیم آیت (۷)۔

بڑے بڑے دولت مندوں کا حال

آج لوگ دنیا ہی کے پیمانے سے ناپے جاتے ہیں۔ چنانچہ جس کے پاس زیادہ روپے پیسے نہیں ہے، وہ جب کسی بڑے دولت مند کو دیکھتا ہے کہ اس کے پاس پیسے بہت ہیں، اس کی فیکٹریاں کھڑی ہوئی ہیں، اس کے نوکر چاکر ہیں، اس کے پاس بینک بیلنس ہے، جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ یہ سب چیزیں دیکھ کر وہ سمجھتا ہے کہ یہ آدمی بڑا خوش نصیب ہے، پھر اس کو خوش نصیب سمجھنے کے نتیجے میں اپنے دل میں یہ حسرت پیدا ہوتی ہے کہ مجھے یہ چیزیں میسر نہیں آئیں اور دل چاہتا ہے کہ یہ چیزیں ہمیں بھی مل جائیں، لیکن بات یہ ہے کہ تمہیں کیا معلوم کہ اس مال ودولت کے پیچھے، اس کوٹھی اور بنگلے کے پیچھے اس کو سکون میسر ہے یا نہیں؟ چونکہ لوگ میرے پاس آکر اپنے اندرونی حال بتاتے ہیں اس لیے نہ جانے کتنے لوگ خود ہی میرے علم میں ایسے ہیں کہ اگر ایک عام آدمی اس شخص کو اور اس کے ظاہری حالات کو دیکھے گا تو وہ یہی سمجھے گا کہ دنیا کی عظیم ترین دولت اس کو ملی ہوئی ہے۔ کاش میں بھی اس جیسا بن جاؤں۔ اس کو یہ معلوم نہیں کہ اس کی اندرونی زندگی میں کیا عذاب برپا ہے اور کس مصیبت میں مبتلا ہے۔ بڑے بڑے امیر اور دولت مندوں نے مجھ سے رو رو کر یہ کہا کہ کاش! ہمیں یہ روپیہ نہ ملا ہوتا۔ کاش! ہمیں یہ دولت میسر نہ آئی ہوتی۔ شاید ہمیں اس کے بغیر زیادہ امن وسکون اور زیادہ عافیت مل جاتی۔

سکون پیسے سے نہیں خریدا جاسکتا

بہر حال! یہ راحت اور سکون پیسے سے نہیں خریدا جاسکتا اور نہ دولت کے

ذریعے حاصل کیا جاسکتا ہے، بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی عطا ہے۔ وہ اگر چاہیں تو چٹنی روٹی میں دے دیں اور نہ چاہیں تو کوٹھی اور بنگلے میں بھی نہ دیں، لہٰذا کہاں تک اس کے پیچھے دوڑ لگاؤ گے؟ کہاں تک منصوبے بناؤ گے۔ اسی لیے حضورِ اقدس ﷺ فرما رہے ہیں کہ دنیا کی اتنی سی حقیقت سمجھ لو کہ یہ دنیا ہمیشہ رہنے کی جگہ ہی نہیں، لہٰذا اگر اس دنیا میں اتنا اگر مل جائے تو بڑی غنیمت کی بات ہے۔ اور جو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمادیا، اس پر قناعت کرلو، پھر اس قناعت کے ذریعے تمہیں سکون مل جائے گا۔ اگر قناعت میسر نہیں تو پھر دنیا کے مال و اسباب میں بڑھتے چلے جاؤ گے، مگر سکون میسر نہیں آئے گا۔ بعض لوگ اربوں کے مالک ہیں۔ اگر ساری زندگی بیٹھ کر کھاتے رہیں تب بھی ختم نہ ہو۔ مگر پھر بھی اس فکر میں لگے ہوئے ہیں کہ اور مل جائے اور اس کے لیے جائز اور ناجائز، حلال وحرام سب ایک کیا ہوا ہے، باوجود یہ کہ اربوں کے مالک ہیں۔ ارے! پہلے یہ دیکھ لو کہ جو دولت تمہارے پاس ہے اس کو کہاں استعمال کرو گے؟

دنیا کا مہنگا ترین بازار ''لاس اینجلس'' میں

میں پچھلے ہفتہ امریکہ گیا ہوا تھا۔ وہاں کا ایک شہر ہے لاس اینجلس، وہاں کے ایک دوست مجھے ایک بازار میں لے گئے اور بتایا کہ یہ بازار دنیا کا سب سے مہنگا بازار ہے اور یہاں چیزیں سب سے مہنگی بکتی ہیں۔ میں نے پوچھا کہ کتنی مہنگی بکتی ہیں؟ انہوں نے مجھے بتایا کہ یہاں پر ایک موزے کی جوڑی کی قیمت دو ہزار ڈالر ہے، جس کا مطلب ہے پاکستانی تقریباً پچاس ہزار روپے کا ایک موزہ، ٹائی کی قیمت تین ہزار ڈالر، سوٹ کی قیمت دس ہزار، پندرہ ہزار، بیس ہزار ڈالر ہے، ایک ایک لاکھ ڈالر کے سوٹ ملتے ہیں۔ ایک دکان کے پاس سے

گزرے تو ہمارے میزبان دوست نے بتایا کہ اس دکان کے ایک حصہ میں تو آدمی خریداری کے لیے جاسکتا ہے، اس کے بعد دوسرے حصے میں جانے کے لیے ایک زینہ پر جانا پڑتا ہے، اس حصے میں کسی شخص کو جانے کی اجازت نہیں ہوتی جب تک اس دکان کا مالک خود اس کو ساتھ لے کر نہ جائے اور وہاں لے جانے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ مالک اس شخص کو بہت سے کلر کے سوٹ اور بہت سے ڈیزائن کے سوٹ دکھاتا ہے اور پھر مالک اس کو یہ مشورہ دیتا ہے کہ آپ کے جسم کے لیے کون سا کلر اور کون سا ڈیزائن مناسب ہوگا اور پھر مالک اس گاہک سے صرف مشورہ دینے کے دس ہزار ڈالر وصول کرتا ہے اور سوٹ کی خریداری کے پیسے الگ دینے ہوں گے۔ شہزادہ چارلس نے اس سے مشورے کے لیے ٹائم مانگا تھا تو چھ مہینے بعد کا اس کو ملاقات کا ٹائم دیا کہ آپ چھ ماہ کے بعد فلاں وقت پر تشریف لائیں تو آپ کو بتاؤں گا کہ آپ کون سے کلر کا سوٹ پہنیں اور کونسے ڈیزائن کا سوٹ پہنیں۔

اس دولت کا دوسرا رخ

بات دراصل یہ ہے کہ دولت کی ہوس تو ختم نہیں ہوئی اور اب جب دولت آئی تو اس کو کہاں خرچ کریں؟ چنانچہ اس دولت کو خرچ کرنے کے یہ راستے تلاش کرلیے۔ اب اس میں دولت خرچ ہو رہی ہے۔

بہر حال! ایک طرف تو دولت اس طرح پانی کی طرح بہائی جارہی ہے، لیکن ابھی ہم لوگ اسی سڑک پر ایک میل دور ہی گئے تھے۔ وہاں یہ عجیب منظر دیکھا کہ ہر سگنل پر بھکاری بھیک مانگ رہے ہیں، چنانچہ ایک بھکاری جب ہماری گاڑی کے پاس آیا تو میرے دوست نے اس سے کہا کہ اس وقت میرے پاس پیسے

نہیں ہیں۔ اس بھکاری نے کہا کہ میں ڈالر نہیں مانگ رہا ہوں، اگر آپ کے پاس پینی (ریزگاری) ہو تو وہ دے دیجیے، اس لیے کہ میں کھانے کو ترس رہا ہوں۔ ایک طرف تو یہ حال ہے اور دوسری طرف دو ہزار ڈالر کے موزے بک رہے ہیں۔ آخر دولت جمع کرنے کی کوئی حد اور انتہا تو ہوگی۔ جتنی دولت ہے۔ پہلے اس کو تو خرچ کرلو۔ پھر بعد میں اور کی فکر کرنا۔ یہ دنیا کی ہوس ایسی لامتناہی ہوس ہے جس کی کوئی حد اور کوئی انتہا نہیں۔ اس کو ''جوع البقر'' کہا جاتا ہے۔ یعنی ایسی بھوک ہے جو کبھی مٹتی نہیں، چاہے جتنا کھالے۔ ایسی پیاس ہے جو کبھی بجھتی نہیں، چاہے جتنا پانی پی لے۔

ہاتھ میں اٹھنے والی کھجلی

ہمارے ہی ملک کے ایک بہت بڑے سرمایہ دار جو ملک کے گنے چنے لوگوں میں شمار ہوتے ہیں، ایک روز میرے پاس آئے۔ بات چیت ہوتی رہی، میں نے ان سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت کچھ دیا ہے، اللہ تعالیٰ کا بڑا کرم ہے۔ لوگ آپ کے اوپر رشک کرتے ہیں۔ اس دولت کو کچھ ایسے کاموں میں بھی خرچ کردیجیے جس سے یہ دولت آخرت میں بھی کارآمد ہوجائے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت دولت دی ہے، آپ نے بہت کچھ کمالیا۔ اب تو یہ کر لیجیے کہ سود کی لعنت سے بچیں۔ میری بات سن کر انہوں نے سود پر بحث شروع کردی کہ سود کیسے حرام ہے، سود کے بغیر دنیا میں کیسے گزارا ہوگا، کیسے تجارت ہوگی؟ میں نے ان کو سمجھایا تو آخر میں خاموش ہوگئے۔ پھر خود ہی مجھ سے کہنے لگے کہ مولانا صاحب بات تو آپ صحیح کہتے ہیں، مگر میں اس ہاتھ میں اٹھنے والی کھجلی کو کیا کروں؟ یہ کھجلی کسی طرح بھی ختم نہیں ہوتی۔ چاہے کتنے کارخانے

لگالوں، کتنی فیکٹریاں لگالوں، چاہے کتنا بینک بیلنس جمع کرلوں، مگر یہ کھجلی ختم نہیں ہوتی اور اس کھجلی کا نتیجہ یہ ہے کہ گھر اندر سے برباد ہے، گھر کا سکون میسر نہیں۔ اولاد کی راحت میسر نہیں، آپس میں لڑائی جھگڑے ہیں۔ تو دولت تو بہت ہے، لیکن راحت اور آرام میسر نہیں۔

دنیا کا مالدار ترین انسان ''قارون''

قرآنِ کریم میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے قارون کے خزانے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

وَاِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْٓءُ بِالْعُصْبَةِ اُولِی الْقُوَّةِ (۱)

یعنی اس کے خزانے کی صرف چابیاں اتنی بھاری تھیں کہ ایک بڑی جماعت مل کر اس کو اٹھایا کرتی تھی۔

اس کی چابیاں اٹھانا ایک آدمی کے بس میں نہیں تھا، جب وہ اپنی دولت لے کر لوگوں کے پاس سے گزرا تو بعض لوگوں نے اس کی دولت کو دیکھ کر کہا:

یٰلَیْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِیَ قَارُوْنُ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ (۲)

کاش ایسی دولت ہمیں بھی ملی ہوتی جیسی دولت قارون کو ملی ہے، وہ تو بڑا خوش قسمت آدمی ہے۔

قرآنِ کریم نے ان لوگوں کے بارے میں فرمایا کہ یہ لوگ قارون کی

---

(۱) سورۃ القصص آیت (۷۶)۔

(۲) سورۃ القصص آیت (۷۹)۔

ظاہری حالت کو دیکھ رہے تھے کہ چونکہ وہ بڑی دولت رکھنے والا ہے۔ اس لیے بڑا قابل رشک ہے، لیکن ان کو یہ معلوم نہیں تھا کہ اس کی اس مال و دولت کے پیچھے کیا عذاب چھپا ہے۔ چنانچہ جب بعد میں لوگوں نے قارون کا انجام دیکھا تو انہی لوگوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کتنا کریم ہے کہ اس نے ہمیں قارون جیسا نہیں بنایا۔ بہرحال! دنیا کے مال و اسباب کی کوئی حد نہیں۔ کہاں تک تم اس کے پیچھے دوڑو گے؟ کہاں تک تم حسرتیں کرو گے؟ اور یاد رکھنا کہ کسی بھی حد پر جا کر تمہیں قرار نہیں آئے گا۔ اگر قرار آئے گا تو وہ صرف اور صرف رسول اللہ ﷺ کی اس ہدایت میں آئے گا کہ قناعت اختیار کرلو۔ ''قناعت'' کا مطلب یہ ہے کہ مناسب اور جائز تدبیر کے تحت حلال طریقے سے جو کچھ مل رہا ہے اس کو اپنے لیے کافی سمجھو اور اس پر مطمئن ہوجاؤ۔ جس دن یہ ''قناعت'' حاصل کرلی تو ان شاء اللہ، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دنیا کا تھوڑا بہت اسباب جو تمہیں میسر ہے اسی اسباب میں وہ راحت حاصل ہوجائے گی جو بڑے بڑے بادشاہوں کو حاصل نہیں، جو بڑے بڑے سرمایہ داروں اور دولت مندوں کو میسر نہیں۔

حضرت مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب پاکستان تشریف لائے تو اس وقت حکومت نے دستور ساز اسمبلی کے ساتھ ایک ''تعلیمات اسلامی بورڈ'' بنایا تھا۔ حضرت والد صاحب کو بھی اس کا ممبر بنایا گیا۔ یہ بورڈ حکومت ہی کا ایک شعبہ تھا۔ ایک مرتبہ حکومت نے کوئی کام گڑبڑ کردیا تو حضرت والد صاحب نے اخبار میں حکومت کے خلاف بیان دے دیا کہ حکومت نے یہ کام غلط کیا ہے۔ بعد میں حکومت کے کچھ لوگوں سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے

والد صاحب سے کہا کہ حضرت! آپ تو حکومت کا حصہ ہیں۔ آپ نے حکومت کے خلاف یہ بیان دے دیا؟ حالانکہ آپ ''تعلیمات اسلامی بورڈ'' کے رکن ہیں اور یہ بورڈ ''دستور ساز اسمبلی'' کا حصہ ہے، حکومت کے خلاف آپ کا یہ بیان دینا مناسب بات نہیں ہے۔ جواب میں حضرت والد صاحب نے فرمایا کہ میں نے یہ رکنیت کسی اور مقصد کے لیے قبول نہیں کی تھی، صرف دین کی خاطر قبول کی تھی اور دین کے ایک خادم کی حیثیت سے یہ میرا فرض ہے کہ جو بات میں حق سمجھوں وہ کہہ دوں، چاہے وہ بات حکومت کے موافق پڑے یا مخالف پڑے، میں اس کا مکلف نہیں۔ بس اللہ تعالیٰ کے نزدیک جو بات حق ہے وہ واضح کروں۔ رہا رکنیت کا مسئلہ، یہ رکنیت کا معاملہ میری ملازمت نہیں ہے۔ آپ حکومت کے خلاف بات کہتے ہوئے ڈریں، کیونکہ آپ حکومت کے ایک ملازم افسر ہیں۔ آپ کی تنخواہ دو ہزار روپے ہے، اگر یہ ملازمت چھوٹ گئی تو پھر آپ نے زندگی گزارنے کا جو نظم بنا رکھا ہے وہ نہیں چل سکتا۔ میرا یہ حال ہے کہ جس دن میں نے رکنیت قبول کی تھی اسی دن استعفیٰ لکھ کر جیب میں ڈال لیا تھا کہ جب بھی موقع آئے گا پیش کردوں گا۔ جہاں تک ملازمت کا معاملہ ہے تو مجھ میں اور آپ میں یہ فرق ہے کہ میرا سر سے پاؤں تک زندگی کا جو خرچ ہے وہ دو روپے سے زیادہ نہیں ہے۔ اس لیے اللہ کے فضل و کرم سے میں اس تنخواہ اور اس الاؤنس کا محتاج نہیں ہوں۔ یہ دو روپے اگر یہاں سے نہیں ملیں گے تو کہیں بھی مزدوری کر کے کما لوں گا ور اپنے ان دو روپوں کا خرچہ پورا کرلوں گا اور آپ نے اپنی زندگی کو ایسا بنایا ہے کہ دو سو روپے سے کم میں آپ کا سوٹ نہیں بنتا، اس وجہ سے آپ حکومت سے ڈرتے ہیں کہ کہیں ملازمت نہ چھوٹ جائے، مجھے الحمد للہ اس کا کوئی ڈر نہیں ہے۔

آمدنی اختیار میں نہیں خرچ اختیار میں ہے

اسی طرح والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ آمدنی بڑھانا انسان کے اختیار میں نہیں اور خرچ کم کرنا انسان کے اختیار میں ہے، لہٰذا خرچ کم کر کے قناعت اختیار کرلو، ان شاء اللہ کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔ پریشانی اس لیے ہوتی ہے تم نے پہلے سے اپنے ذہن میں یہ منصوبہ بنالیا کہ اتنی آمدنی ہونی چاہیے۔ جب اتنی آمدنی نہیں ہوئی تو اب پریشانی شروع ہوگئی، لیکن اگر تم نے اپنا خرچ کم کر کے اپنی زندگی کو سادہ بنالیا ور اپنے آپ کو اس کے مطابق ڈھال لیا اور یہ سوچ لیا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے کم دیا ہے تو کم پر گزارہ کرلوں گا اور اگر زیادہ دیا ہے تو اس کے مطابق گزارا کرلوں گا اور اس کے نتیجے میں اپنی آمدنی پر مطمئن ہوگئے تو پھر بس راحت اور عیش کی زندگی گزرے گی، اس کا نام ''قناعت'' ہے۔

یہ دعا کیا کریں

اسی وجہ سے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ دعا تلقین فرمائی جو بڑی کام کی دعا ہے۔ ہر مسلمان کو یہ دعا کرنی چاہیے۔ فرمایا:

اَللّٰھُمَّ قَنِّعْنِیْ بِمَا رَزَقْتَنِیْ وَبَارِكْ لِیْ فِیْهِ (۱)

یہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی کیا عجیب وغریب دعا ہے۔ ایک ایک جملے پر آدمی قربان ہوجائے۔ اس دعا کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ جو کچھ آپ نے مجھے رزق عطا فرمایا ہے اس پر مجھے قناعت عطا فرمائیے اور اس میں میرے لیے

(۱) المستدرك للحاکم ۶۹۰/۱ (۱۸۷۸) وقال هذا حدیث صحیح الاسناد ولم یخرجاه. ووافقه الذهبی فی ''التلخیص''.

برکت عطا فرمادیجیے۔ سبحان اللہ۔ اگر یہ دعا ہمارے حق میں قبول ہوجائے تو پھر زندگی کے سارے مسائل حل ہوجائیں۔ اس لیے کہ ''قناعت'' حاصل ہوجانے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہروقت یہ جو ہمیں زیادہ کمانے اور زیادہ کھانے کی اور دنیا کے اسباب زیادہ سے زیادہ جمع کرنے کی دھن لگی ہوئی ہے، یہ دھن ختم ہوجائے گی اور اس کے بعد سکون اور راحت حاصل ہوجائے گی۔ اور دوسرے جملے میں فرمایا کہ اے اللہ! اس میں برکت عطا فرما۔ برکت دینے کا مطلب یہ ہے کہ وہ چیز اگرچہ دیکھنے میں تھوڑی ہو، لیکن اس چیز سے فائدہ زیادہ پہنچ جائے۔ برکت کے یہ معنی ہیں۔

برکت کا مطلب

آج کل لوگ ''برکت'' کا لفظ استعمال تو بہت کرتے ہیں۔ مثلاً کسی نے مکان بنالیا یا خرید لیا تو اب لوگ مبارکباد دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو مبارک کرے، مبارک ہو، کار مل گئی، اللہ تعالیٰ مبارک کرے، شادی ہوگئی مبارک ہو، اللہ تعالیٰ مبارک کرے۔ یہ برکت اور مبارک کا لفظ استعمال تو ہم بہت کرتے ہیں، لیکن اس کا مطلب نہیں معلوم کہ کیا مطلب ہے؟ برکت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس چیز کو تمہارے لیے باعث راحت بنادے اور ایسا باعث راحت بنادے کہ چاہے یہ چیز مقدار میں تھوڑی ہو، لیکن فائدہ اس چیز سے زیادہ پہنچ جائے۔ اسی کا نام برکت ہے۔

حساب کتاب کی دنیا

آج کی دنیاStatistics (اعداد وشمار، حساب کتاب) کی دنیا ہے۔ آج

لوگ پیسوں کو گنتے ہیں کہ اتنی آمدنی ہوئی، اتنا پیسہ اور اتنا روپیہ، اتنے ڈالر حاصل ہوئے۔ اتنی تنخواہ ملی، لیکن اس گنتی کے نتیجے میں فائدہ کتنا حاصل ہوا اس کو کوئی شمار نہیں کرتا۔ ایک انگریز مسلمان نے ایک بڑی اچھی کتاب لکھی ہے، جس کا نام ہے The Reign of Quantity ''گنتی کی حکومت'' یعنی اس وقت دنیا پر جو چیز حکومت کر رہی ہے وہ ''گنتی'' اور مقدار ہے کہ اتنے زیادہ پیسے حاصل ہو جائیں، لیکن اس گنتی کے پیچھے فائدہ کتنا ہے اس کو کوئی نہیں دیکھتا۔

برکت اور بے برکتی کی مثال

مثلاً ایک شخص نے سو روپے کمائے، جب گھر واپس جانے کے لیے بس اسٹاپ کی طرف چلا تو راستے میں ایک دوست مل گیا۔ اس نے کہا کہ میں تمہیں اپنی گاڑی میں گھر پہنچا دیتا ہوں، مجھے بھی اسی طرف جانا ہے۔ چنانچہ وہ آرام سے گھر پہنچ گیا اور کرائے کے پانچ روپے بچ گئے۔ پانچ روپے بچ جانے کا مطلب یہ ہے کہ اس سو روپے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے برکت ہوگئی۔ اگر وہ دوست نہ ملتا تو اس کے پانچ روپے کرائے میں خرچ ہو جاتے۔ جب بازار میں سودا خریدنے گیا تو اللہ تعالیٰ نے سستی چیز دلا دی، یہ برکت ہوگئی۔ اس کے برخلاف ایک آدمی نے ایک لاکھ روپے کمائے اور خوشی خوشی ایک لاکھ روپے لے کر گھر پہنچا تو معلوم ہوا کہ بیٹے کو فلاں بیماری لاحق ہوگئی ہے۔ اس لیے فوراً ہسپتال لے جانا ہے، چنانچہ بچے کو لے کر ہسپتال پہنچے۔ ڈاکٹر نے معائنہ کرنے کے بعد مختلف قسم کے ٹیسٹ لکھ دیے۔ اب صرف ٹیسٹ کرانے پر ہزاروں روپیہ خرچ ہوگیا، پھر ڈاکٹر نے کہا کہ اب ہسپتال میں داخل کرنا پڑے گا۔ چنانچہ ہسپتال میں داخل کر دیا اور اس طرح وہ ایک لاکھ روپیہ ہسپتال کے بل اور

ڈاکٹروں کی فیس وغیرہ میں خرچ ہوگی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس ایک لاکھ روپے میں بے برکتی ہوگئی۔ برکت نہ ہوئی۔

رشوت اور سود میں بے برکتی

چنانچہ ''رشوت'' کی جو آمدنی ہوتی ہے اس میں یہی بے برکتی ہوتی ہے۔ اگر ایک جگہ رشوت دینی پڑے گی۔ مثلاً ایک جگہ سے رشوت لی ور اب ان پیسوں کو گن گن کر خوش ہو رہا ہے کہ میرے پاس دس ہزار کے بیس ہزار روپے ہوگئے۔ بیس کے پچاس ہزار ہوگئے۔ پچاس ہزار سے ایک لاکھ ہوگئے، لیکن اس کو یہ پتہ نہیں کہ یہ ایک لاکھ روپے جو رشوت لے کر جمع کیے گئے ہیں۔ وہ دس آدمیوں کو جا کر دینے پڑیں گے۔ کل جب کسی دفتر میں مجھے کام پڑے گا تو وہاں دینے پڑیں گے۔ دوسری جگہ جائے گا تو وہاں دینے پڑیں گے۔ یہ سارے پیسے اسی طرح تقسیم ہوجائیں گے۔ اس کا نام بے برکتی ہے۔ ''برکت'' اللہ تعالیٰ کی عطا ہے۔ یہ انسان کے زورِ بازو سے حاصل نہیں ہوتی۔ اس لیے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ دعا کیا کرو کہ اے اللہ! جو کچھ آپ نے مجھے عطا فرمایا ہے اس پر قناعت عطا فرمائیے اور اس میں مجھے برکت عطا فرما دیجیے۔

دارالعلوم کی تنخواہوں میں برکت

ہمارے دارالعلوم کو دیکھ لیجیے۔ وہاں کے اساتذہ اور عملہ کی تنخواہیں گنتی کے اعتبار سے کم ہیں، لیکن آپ ان میں سے جس سے چاہیں پوچھ لیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی تنخواہ میں اتنی برکت عطا فرمائی ہے اور اس سے اتنے کام نکل آتے ہیں

کہ باہر رہنے والوں کی بڑی تنخواہوں میں وہ کام نہیں ہوتا۔ آنکھوں سے مشاہدہ ہے۔ یہ ہے برکت، جو اللہ تعالیٰ کی عطا ہے اور یہ برکت اس وقت حاصل ہوتی ہے جب انسان قناعت اختیار کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے رجوع کرتا ہے۔

دعا کا تیسرا جملہ

اس دعا میں تیسر جملہ یہ ارشاد فرمایا کہ

وَاخْلُفْ عَلٰی کُلِّ غَائِبَةٍ لِّیْ مِنْكَ بِخَیْرٍ (۱)

یعنی اے اللہ! جن چیزوں کے بارے میں میرا دل چاہتا تھا کہ وہ چیزیں مجھے مل جائیں، مگر نہیں ملیں، اے اللہ مجھے ان کے بدلے میں اور بہتر چیزیں عطا فرما، جو آپ کے نزدیک بہتر ہوں۔ گویا کہ اس دعا میں تین جملے ارشاد فرمائے۔ پہلے جملے میں فرمایا کہ قناعت دے دیجیے، دوسرے میں برکت دے دیجیے اور جن چیزوں کے بارے میں میرا دل چاہتا تھا کہ مجھے ملیں مگر نہیں ملیں، آپ نے اپنی تقدیر اور فیصلے سے مجھے عطا نہیں فرمائی، تو ظاہر ہے کہ اس میں ضرور کوئی حکمت ہوگی، اے اللہ ان کے بدلے میں وہ چیز دے دیجیے جو آپ کے نزدیک میرے حق میں بہتر ہو۔ مثلاً دل چاہتا تھا کہ میرے پاس کار ہو، مگر نہیں ملی تو اے اللہ! جب آپ نے مجھے خواہش کے باوجود کار نہیں دی تو یقیناً اس میں کوئی نہ کوئی حکمت اور مصلحت ہوگی۔ اے اللہ! اس کے بدلے میں وہ چیز دے دیجیے جو آپ کے نزدیک بہتر ہو۔ اگر انسان کے حق میں تین دعائیں قبول ہوجائیں

---

(۱) المستدرك للحاکم ۶۹۰/۱ (۱۸۷۸)۔

کہ قناعت مل جائے اور جو کچھ ملا ہے اس میں برکت حاصل ہوجائے اور جو نہیں ملا اس کا نعم البدل مل جائے تو پھر دنیا کے اندر اور کیا چاہیے۔

قناعت بڑی دولت ہے

یہ قناعت بڑی دولت ہے۔ اس سے بڑی دولت کوئی اور چیز نہیں۔ آج لوگ روپے پیسے کو دولت سمجھتے ہیں۔ کوٹھی، بنگلے کو اور مال و اسباب کو دولت سمجھتے ہیں۔ یاد رکھیے! ان میں سے کوئی چیز دولت نہیں، اصل دولت ''قناعت'' ہے۔ حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''لَيسَ الغِنٰى عَن كَثرَةِ العَرَضِ وَلٰكِنَّ الغِنٰى غِنَى النَّفسِ''(۱)

یعنی سامان کی کثرت اور مالداری کا نام غِنیٰ نہیں ہے، بلکہ نفس کے غِنیٰ کا نام مالداری ہے کہ انسان کا دل بے نیاز ہو، کسی کے سامنے ہاتھ نہ پھیلائے، کسی کے سامنے اپنی حاجت ظاہر نہ کرے اور ناجائز طریقوں سے دولت جمع کرنے کی فکر نہ کرے، بس جو کچھ ملا ہوا ہے، اس پر مطمئن ہو اور جو کچھ نہیں ملا اس پر یہ اطمینان ہو کہ وہ میرے حق میں بہتر نہیں تھا۔ اگر میرے حق میں بہتر ہوتا تو ملتا، نہیں ملا، اللہ تعالیٰ کے نزدیک میرے لیے اسی میں بہتری ہوگی۔

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قناعت

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک فرشتہ آتا ہے اور عرض کرتا ہے کہ

---

(۱) صحیح البخاری ۹۵/۸ (٦٤٤٦)۔

آپ حکم کریں تو یہ احد پہاڑ آپ کے لیے سونے کا بنادیا جائے اور یہ سارا سونا آپ کی ملکیت ہو۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار فرمادیا کہ نہیں۔ ایسا نہ کریں کیونکہ میں تو اس طرح زندگی گزارنا چاہتا ہوں کہ کھانا مل جائے تو شکر کر کے کھالوں اور اگر نہ ملے تو صبر کروں، تاکہ شکر کی نعمت بھی حاصل ہوجائے اور صبر کی نعمت بھی حاصل ہوجائے اور مال کی زیادتی مجھے مطلوب نہیں[1]۔ مجھے تو ایسا غِنیٰ چاہیے جو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرانے والا ہو۔ چنانچہ یہ دعا بھی فرمائی:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیۤ اَعُوْذُبِکَ مِنْ کُلِّ غِنیً یُطْغِیْنِیْ [2]

"یعنی اے اللہ، میں ایسی مالداری سے پناہ مانگتا ہوں جو مجھے سرکش بنادے۔"

(۱) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: " يَا عَائِشَةُ لَوْ شِئْتُ لَسَارَتْ مَعِي جِبَالُ الذَّهَبِ. جَاءَنِي مَلَكٌ إِنَّ حُجْزَتَهُ لَتُسَاوِي الْكَعْبَةَ فَقَالَ: إِنَّ رَبَّكَ يَقْرَأُ عَلَيْكَ السَّلَامَ، وَيَقُولُ لَكَ: إِنْ شِئْتَ نَبِيًّا عَبْدًا، وَإِنْ شِئْتَ نَبِيًّا مَلِكًا. قَالَ: فَنَظَرْتُ إِلَى جِبْرِيلَ قَالَ: فَأَشَارَ إِلَيَّ أَنْ ضَعْ نَفْسَكَ قَالَ: فَقُلْتُ: نَبِيًّا عَبْدًا". مسند ابی یعلی ۳۱۸/۸ (۴۹۲۰) وقال الهيثمي في "مجمع الزوائد" ۸/ ۵۸۲ (۱۴۲۱۰) : رواه أبو يعلى، وإسناده حسن۔ وانظر مسند احمد ۷۶/۱۲ (۷۱۶۰) والطبقات الکبری لابن سعد ۳۲۸/۱۔

(۲) مسند البزار ۳۲/۱۴ (۷۴۴۹) ومسند ابی یعلی ۳۱۳/۷ (۴۳۵۲) وقال الهيثمي في "المجمع" ۱۴۵/۱۰ (۱۶۹۷۳) : رواه البزار، وفيه بكر بن خنيس، وهو متروك، وقد وُثِّق. ورواه أبو يعلى، وفيه عقبة بن عبد الله الأصم، وهو ضعيف جدًا. وأخرجه الحافظ في "نتائج الأفكار" ۳۱۵/۲ من طريق أبي يعلى والطبراني، وقال: وعقبة شبيه ببكرٍ في الضعف، لكن اتفاق روايتهما ترقي الحديث إلى درجة الضعيف الذي يعمل به في الفضائل.

خلاصہ

خلاصہ عرض کرنے کا یہ ہے کہ یہ احادیث تین چیزوں کا سبق دے رہی ہیں: ایک یہ جو کچھ ملا ہوا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کی عادت ڈالو۔ چھوٹی سے چھوٹی نعمت جو بظاہر دیکھنے میں چھوٹی معلوم ہورہی ہے۔ اس پر بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو اور ناشکری سے بچو۔ تھوڑی دیر کے لیے سوچا کرو کہ اللہ تعالیٰ کی کیا کیا نعمتیں اس وقت میرے اُوپر برس رہی ہیں۔ میرا وجود، میری زندگی، میری سانسوں کی آمدورفت، میری آنکھیں، میرے کان، میرے دانت، میرا منہ، میرے ہاتھ میرے پاؤں، یہ سب نعمتیں اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا کر رکھی ہیں، یہ ایسی نعمتیں ہیں کہ اگر ان میں سے ایک نعمت بھی چھن جائے تو لاکھوں روپے خرچ کرنے کے باوجود حاصل نہ ہوں۔ صحت، عافیت، گھر، گھر والے، سکون، آرام، راحت ان سب نعمتوں کا تصور کر کے ان پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔ دوسرا سبق یہ ملا کہ دنیا کے معاملے میں اپنے سے اُوپر والے کو مت دیکھو، بلکہ نیچے والے کو دیکھو اور دین کے معاملے میں اپنے سے اوپر والے کو دیکھو۔

اور تیسرا سبق یہ ملا کہ جو کچھ ملا ہوا ہے اس پر ''قناعت'' اختیار کرلو، لیکن قناعت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جائز تدبیر بھی اختیار مت کرو، اس لیے کہ جائز تدبیر اختیار کرنے سے کوئی منع نہیں کرتا۔ مثلاً تجارت کررہا ہے تو تجارت کرے، ملازمت کررہا ہے تو ملازمت کرے، زراعت کررہا ہے تو زراعت کرے، لیکن اس جائز تدبیر کے نتیجے میں حلال طریقے سے جو کچھ مل رہا ہے اس پر مطمئن ہوجائے اور اس پر قناعت اختیار کرلے اور یہ نہ سوچے کہ جو میں نے منصوبہ بنایا ہے اس میں جائز طریقے سے کم مل رہا ہے، لہٰذا ناجائز طریقے سے زیادہ حاصل

کرلوں۔ ایسا نہ کرے، بلکہ قناعت اختیار کرے کیونکہ قناعت کے بغیر گزارا نہیں اور ساتھ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرے کہ اے اللہ! مجھے قناعت عطا فرما دیجیے اور جو کچھ آپ نے نعمتیں عطا فرمائی ہیں اس میں برکت عطا فرمایئے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو اپنے فضل سے یہ دولت عطا فرما دے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمادے۔ آمین

واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے مثال نصیحتیں

(اصلاحی خطبات ۶ / ۲۱۴)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے مثال نصیحتیں

نحمده ونصلى ونسلم على رسوله الكريم اما بعد!

عن جابر بن سليم رضي الله عنه قال: "رايت رجلاً يصدر الناس عن رايه، لا يقول شيئاً الا صدروا عنه" قلت: "من هذا؟" قالوا: "رسول الله ﷺ" قلت: "عليك السلام يا رسول الله! مرتين". قال: لا تقل "عليك السلام"، فان عليك السلام تحية الموتى، قل: "السلام عليك" قال: قلت: "انت رسول الله؟" قال: "أنا رسول الله الذى اذا اصابك ضر فدعوته كشفه عنك، واذا اصابك عام سنة فدعوته انبتها لك. واذا كنت بارض قفر أو فلاة فضلت راحلتك فدعوته ردّها عليك." قال قلت: "اعهد الىّ" قال: "لا تسبّن احدًا" قال: فما سببت بعده حرّاً ولا عبداً، ولا بعيراً، ولا شاةً،

قال: "ولا تحقرن شيئًا من المعروف، وان تكلم اخاك وانت منسبط اليه وجهك ان ذلك من المعروف، وارفع ازارك الى نصف الساق، فان ابيت فالى الكعبين، واياك واسبال الازار، فانها من المخيلة، وان الله لايحب المخيلة، وان امرأ شتمك أو عيّرك بما يعلم فيك فلا تعيّره بما تعلم فيه فإنما وبال ذالك عليه."(۱)

یہ ایک طویل حدیث ہے اور یہ پوری حدیث میں نے آپ کے سامنے اس لیے پڑھی کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ کے معنی میں تو نور ہے ہی، حدیث کے الفاظ میں بھی نور ہے۔ اس لیے احادیث کا پڑھنا اور سننا بھی باعث خیر و برکت ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو سمجھنے اور عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلی ملاقات

حضرت جابر بن سلیم رضی اللہ عنہ اس حدیث میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلی ملاقات کا واقعہ بیان کر رہے ہیں، جب کہ وہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانتے بھی نہیں تھے، فرماتے ہیں کہ

''میں نے ایک صاحب کو دیکھا کہ لوگ ہر معاملے میں ان

(۱) سنن ابی داود ٤/٥٦ (٤٠٨٤) وسنن الترمذی ٤/٤٤٣ (٢٧٢٢) وقال هذا حديث حسن صحيح.

کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اپنے معاملات میں انہی سے مشورہ لیتے ہیں اور وہ صاحب جو بات فرمادیتے ہیں، لوگوں کو ان کی بات پر اطمینان ہوجاتا ہے۔ میں نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ کون صاحب ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ جب مجھے پتہ چلا کہ آپ ہی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں تو میں نے آپ کے قریب جاکر ان الفاظ سے سلام کیا ''علیک السلام یا رسول اللہ'' یہ الفاظ میں نے دو مرتبہ کہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''علیک السلام'' نہ کہو، بلکہ ''السلام علیک'' کہو۔ اس لیے کہ ''علیک السلام'' مُردوں کا سلام ہے۔ یعنی جب مُردوں کو سلامتی بھیجی جائے تو اس میں لفظ ''سلام'' بعد میں ہوتا ہے اور ''علیک'' پہلے ہوتا ہے۔''

سلام کا جواب دینے کا طریقہ

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ سلام کی ابتداء کرنی ہو تو ''السلام علیکم'' کہنا چاہیے، لیکن جب سلام کا جواب دینا ہو تو اس کا طریقہ حدیث شریف میں یہ بتایا گیا کہ ''وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ'' کہا جائے۔ گویا کہ جواب میں ''علیکم'' کا لفظ پہلے لایا جائے گا۔ اگر کوئی شخص ''السلام علیکم'' کے جواب میں ''السلام علیکم'' کہہ دے تو واجب تو ادا ہوجائے گا، لیکن سنّت یہ ہے کہ جواب میں ''وعلیکم السلام'' کہے۔ آج کل یہ ریت پڑگئی ہے کہ السلام علیکم کے جواب میں بھی ''السلام علیکم'' کہہ دیا جاتا ہے۔ یہ سنّت کے خلاف ہے۔

دونوں پر جواب دینا واجب ہے

اگر دو آدمی ایک دوسرے سے ملیں اور ہر ایک دوسرے کو ابتداءً سلام کرنا چاہے، جس کے نتیجے میں دونوں ایک ساتھ ایک ہی وقت میں ''السلام علیکم'' کہیں تو اس صورت میں دونوں پر ایک دوسرے کے سلام کا جواب دینا واجب ہوجائے گا، لہٰذا دونوں ''وعلیکم السلام'' بھی کہیں۔ کیونکہ ان میں سے ہر ایک نے دوسرے کو سلام کرنے کا آغاز کیا ہے۔ اس لیے ہر شخص پر جواب دینا واجب ہوگیا۔

شریعت میں الفاظ بھی مقصود ہیں

اس حدیث سے ایک اور بنیادی بات معلوم ہوئی، جس سے آج کل لوگ بڑی غفلت برتتے ہیں، وہ یہ کہ احادیث کے معنی، مفہوم اور روح تو مقصود ہے ہی، لیکن شریعت میں اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے بتائے ہوئے الفاظ بھی مقصود ہیں۔ دیکھیے! ''السلام علیکم'' اور ''وعلیکم السلام'' دونوں کے معنی تو ایک ہی ہیں، یعنی تم پر سلامتی ہو، لیکن حضورِ اقدس ﷺ نے حضرت جابر بن سلیم رضی اللہ عنہ کو پہلی ملاقات ہی میں اس پر تنبیہ فرمائی کہ سلام کرنے کا سنّت طریقہ اور صحیح طریقہ یہ ہے کہ ''السلام علیکم'' کہو۔ ایسا کیوں؟ اس لیے کہ اس کے ذریعے آپ نے امت کو یہ سبق دے دیا کہ ''شریعت'' اپنی مرضی سے راستہ بنا کر چلنے کا نام نہیں ہے، بلکہ ''شریعت'' اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی اتباع کا نام ہے۔

آج کل لوگوں کی زبانوں پر اکثر یہ رہتا ہے کہ شریعت کی روح دیکھنی چاہیے۔ ظاہر اور الفاظ کے پیچھے نہیں پڑنا چاہیے۔ معلوم نہیں کہ وہ لوگ روح کو

کس طرح دیکھتے ہیں، ان کے پاس کون سی ایسی خورد بین ہے جس میں ان کو روح نظر آجاتی ہے، حالانکہ شریعت میں روح کے ساتھ ظاہر بھی مطلوب اور مقصود ہے۔ سلام ہی کو لے لیں کہ آپ ملاقات کے وقت ''السلام علیکم'' کے بجائے اردو میں یہ کہہ دیں ''سلامتی ہو تم پر'' دیکھیے! معنی اور مفہوم تو اس کے وہی ہیں جو ''السلام علیکم'' کے ہیں، لیکن وہ برکت، وہ نور اور اتباعِ سنّت کا اجروثواب اس میں حاصل نہیں ہوگا جو ''السلام علیکم'' میں حاصل ہوتا ہے۔

سلام کرنا مسلمانوں کا شعار ہے

یہ سلام مسلمانوں کا شعار ہے۔ اس کے ذریعے انسان پہچانا جاتا ہے کہ یہ مسلمان ہے۔ ایک مرتبہ میرا چین جانا ہوا اور چین میں مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد آباد ہے، لیکن ان کی زبان ایسی ہے جو ہماری سمجھ میں نہیں آتی تھی، ہماری زبان ان کی سمجھ میں نہیں آتی تھی، اس لیے ان سے بات چیت کرنے اور جذبات کے اظہار کا کوئی ذریعہ نہیں تھا، لیکن ایک چیز ہمارے درمیان مشترک تھی، وہ یہ کہ جب کسی مسلمان سے ملاقات ہوتی تو وہ کہتا: ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'' اور اس ذریعے وہ جذبات کا اظہار کرتا۔ یہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنّت کی اتباع کی برکت تھی۔ اس سنّت نے تمام مسلمانوں کو ایک دوسرے کے ساتھ باندھا ہوا ہے اور رابطے کا ذریعہ ہے اور ان الفاظ میں جو نور اور برکت ہے وہ کسی اور لفظ سے حاصل نہیں ہوسکتی۔ آج کل فیشن کی اتباع میں سلام کے بجائے کوئی ''آداب عرض'' کہتا ہے، کوئی ''تسلیمات'' کہتا ہے، کسی نے ''سلام مسنون'' کہہ دیا۔ یاد رکھیے! ان الفاظ سے سنّت کا ثواب اور سنّت کا نور حاصل نہیں ہوسکتا، اس حدیث میں آپ نے دیکھا کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ذرا سا لفظ بدلنے کو بھی گوارہ نہیں فرمایا۔

ایک صحابی رضی اللہ عنہ کا واقعہ

ایک صحابی رضی اللہ عنہ کو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دعا سکھائی اور فرمایا کہ جب رات کو سونے کا ارادہ کرو تو سونے سے پہلے یہ دعا پڑھ لیا کرو، اس دعا کے اندر یہ الفاظ بھی تھے:

"امنت بکتابك الذی انزلت وبنبیك الذی ارسلت"

یعنی میں اس کتاب پر ایمان لایا جو آپ نے نازل فرمائی اور اس نبی پر ایمان لایا جن کو آپ نے بھیجا۔"

چند روز کے بعد حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان صحابی سے فرمایا کہ جو دعا میں نے تم کو سکھائی تھی وہ دعا مجھے سناؤ کیا پڑھتے ہو؟ ان صحابی نے دعا سناتے وقت ایک تھوڑا سا لفظ بدل دیا اور دعا اس طرح سنائی کہ

"امنت بکتابك الذی انزلت وبرسولك الذی ارسلت"

اس دعا میں لفظ ''نبی'' کی جگہ ''رسول'' کا لفظ پڑھ لیا۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہی لفظ کہو جو میں نے سکھایا تھا، حالانکہ نبی اور رسول کے لفظ میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ اصطلاحی فرق کے اعتبار سے بھی رسول کا درجہ نبی کے مقابلے میں بلند ہے، لیکن اس کے باوجود حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو الفاظ میں نے سکھائے ہیں وہی الفاظ کہو۔ (۱)

---

(۱) صحیح البخاری ۶۸/۸ (۶۳۱۱)۔

اتباعِ سنّت پر اجروثواب

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ عارفی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔ آمین! فرماتے تھے کہ

> ''اگر ایک کام تم اپنی طرف سے اور اپنی مرضی کے مطابق کرلو اور وہی کام تم اتباعِ سنّت کی نیت سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق انجام دے دو، دونوں میں زمین و آسمان کا فرق محسوس کروگے۔ جو کام تم اپنی طرف سے اور اپنی مرضی سے کروگے وہ تمہارا اپنا کام ہوگا اس پر کوئی اجروثواب نہیں اور جو کام تم اتباعِ سنّت کی نیت سے کروگے تو اس میں سنّت کی اتباع کا اجروثواب اور سنّت کی برکت اور نور شامل ہوجاتا ہے۔''

حضرت ابوبکر اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے تہجد کا واقعہ

حدیث شریف میں ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم رات کے وقت گشت کر کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے حالات کی خبر گیری کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دیکھا کہ وہ تہجد کی نماز پڑھ رہے ہیں اور آہستہ آہستہ آواز سے تلاوت قرآنِ کریم فرمارہے ہیں اوراس کے بعد حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دیکھا کہ وہ بہت بلند آواز سے تلاوت کر رہے ہیں۔ صبح کو آپ نے دونوں حضرات کو بلایا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ

رات کو تہجد میں آپ بہت پست آواز میں کیوں تلاوت کر رہے تھے؟ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

"أسمعت من ناجيت"

جس ذات سے میں مناجات کر رہا تھا، اس ذات کو میں نے سنا دیا، اس ذات کے لیے بلند آواز کرنے کی ضرورت نہیں، وہ تو ہلکی آواز کو بھی سنتا ہے۔ اس لیے میں آہستہ آواز تلاوت کر رہا تھا۔ اس کے بعد حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تم زور سے کیوں پڑھ رہے تھے؟ انہوں نے جواب دیا:

"أوقظ الوسنان وأطرد الشيطان"

یعنی میں سوتے کو جگا رہا تھا اور شیطان کو بھگا رہا تھا، اس لیے زور سے پڑھ رہا تھا، لیکن حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ

"ارفع قليلاً"

تم اپنی آواز کو ذرا بلند کرو

اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ

"اخفض قليلا"

تم اپنی آواز تھوڑی پست کردو۔ (۱)

(۱) سنن ابی داود ۳۷/۲ (۱۳۲۹) وسنن الترمذی ۴۶۵/۱ (۴۴۷) والحديث سكت عنه أبو داود، وقال المنذري في "مختصره" ۴۱۸/۱ (۱۲۸۶): أخرجه مسندًا ومرسلًا، وأخرجه الترمذي، وقال: حديث غريب، وإنما أسنده يحيى بن إسحاق عن حماد بن سلمة، وأكثر الناس إنما رووا هذا الحديث عن ثابت، عن عبد الله بن رباح، مرسلًا، هذا آخر كلامه. ويحيى بن إسحاق هذا هو البجلي السيلحيني، وقد احتج به مسلم في "صحيحه". وقال النووي في "الخلاصة" ۳۹۱/۱ (۱۲۳۵): رواه أبو داود بإسناد صحيح.

ہمارے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق عمل کرو

اس حدیث کے تحت شرّاح حدیث نے لکھا ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود ان دونوں حضرات کو قرآنِ کریم کی اس آیت پر عمل کرانا تھا:

وَلَا تَجۡهَرۡ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتۡ بِهَا وَابۡتَغِ بَيۡنَ ذٰلِكَ سَبِيۡلًا[1]

یعنی نماز میں نہ تو آواز بہت زیادہ بلند کیجیے۔ اور نہ بہت زیادہ پست کیجیے اور دونوں کے درمیان ایک (متوسط) طریقہ اختیار کیجیے۔"

لیکن ہمارے حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ

"یہ حکمت تو اپنی جگہ درست ہے، لیکن اس میں ایک بہت بڑی حکمت یہ تھی کہ ان حضرات کو یہ تعلیم دینی تھی کہ اے صدیق اکبر اور اے فاروق اعظم! اب تک تم دونوں اپنی رائے سے اپنی مرضی سے ایک طریقہ متعین کر کے پڑھ رہے تھے اور آئندہ جو تلاوت کرو گے وہ میرے بتائے ہوئے طریقے کی اتباع میں میرے کہنے کے مطابق کرو گے اور اب جو راستہ تم اختیار کرو گے وہ اتباعِ سنّت کا راستہ ہوگا اور پھر اس کی وجہ سے تمہیں اتباعِ سنّت کا نور اور اس کی برکات حاصل ہوں گی اور اس پر اجر و ثواب بھی ملے گا۔"

---

(۱) سورۃ بنی اسرائیل آیت (۱۱۰)۔

لہٰذا اس حدیث سے یہ اصول معلوم ہوا کہ ہر کام کرتے وقت صرف یہ نیت نہ ہو کہ بس یہ کام کسی طرح بھی پورا ہو جائے، بلکہ اس کے اندر طریقہ بھی وہ اختیار کیا جائے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھایا ہے اور الفاظ بھی حتی الامکان وہی اختیار کیے جائیں جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھائے ہیں، اس لیے کہ ان الفاظ میں بھی نور اور برکت ہے۔

میں سچے خدا کا رسول ہوں

حضرت جابر بن سلیم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے سلام کرنے کا طریقہ سکھلا دیا تو میں نے سوال کیا کہ کیا آپ اللہ کے رسول ہیں؟ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

"میں اس اللہ کا رسول ہوں کہ اگر تمہیں کوئی تکلیف پہنچ جائے یا کوئی مصیبت پہنچے اور اس مصیبت کے دور کرنے کے لیے اس اللہ کو پکارو تو اللہ تعالیٰ اس مصیبت اور تکلیف کو دور کر دیتے ہیں۔ میں اس اللہ کا رسول ہوں۔"

زمانہ جاہلیت میں لوگ بتوں کی پرستش کرتے تھے، ان کو خدا بنایا ہوا تھا، لیکن ان میں ایک صفت یہ تھی کہ جب کسی مصیبت میں پھنس جاتے تو اس وقت صرف اللہ ہی کو پکارتے تھے۔ قرآنِ کریم کا ارشاد ہے:

فَإِذَا رَكِبُوا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ (۱)

---

(۱) سورۃ العنکبوت آیت (۶۵)۔

جس کا حاصل یہ ہے کہ ''جب وہ لوگ کشتی میں سفر کرتے ہیں اور سمندر میں طوفان آجاتا ہے اور بچنے کا کوئی راستہ نہیں ہوتا تو اس وقت ان کو لات، عزیٰ، منات وغیرہ کوئی بت یاد نہیں آتا، اس وقت صرف اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتے ہیں کہ یا اللہ! ہمیں اس مصیبت سے نجات دے دیجیے۔''

اس حدیث میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں ان جھوٹے خداؤں کا رسول نہیں ہوں، بلکہ سچے خدا کا رسول ہوں۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

> ''میں اس اللہ کا رسول ہوں کہ جب تمہیں قحط پڑ جائے اور اس قحط کے دور کرنے کے لیے اس اللہ کو پکارو تو اللہ تعالیٰ اس قحط کو دور فرما دیتے ہیں اور میں اس اللہ کا رسول ہوں کہ جب تم کسی چٹیل صحراء میں سفر کر رہے ہو اور وہاں تمہاری اونٹنی گم ہو جائے اور تم اللہ تعالیٰ کو پکارو کہ یا اللہ! میری اونٹنی گم ہوگئی ہے وہ مجھے واپس مل جائے تو اللہ تعالیٰ اس اونٹنی کو تمہارے پاس لوٹا دیتے ہیں۔''

بڑوں سے نصیحت طلب کرنی چاہیے

پھر حضرت جابر بن سلیم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یا رسول اللہ! مجھے کوئی نصیحت فرما دیجیے! اسی سے بزرگوں نے یہ اصول بتایا ہے کہ جب کوئی شخص کسی بڑے کے پاس جائے اور خاص طور پر ایسے بڑے کے پاس جو دین میں بھی کوئی مقام رکھتا ہو تو اس سے کوئی نصیحت طلب کرے، اس لیے کہ بعض اوقات نصیحت کا کلمہ

اس انداز سے ادا ہوتا ہے کہ وہ انسان کے دل پر اثر کرجاتا ہے اور اس سے انسان کے دل کی دنیا بدل جاتی ہے اور کایا پلٹ جاتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب آدمی سچے دل سے طلبِ صادق کے ساتھ کسی بڑے سے نصیحت طلب کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس بڑے کے دل پر ایسی ہی نصیحت وارد فرماتے ہیں جو اس وقت اس شخص کے لیے مناسب ہوتی ہے۔ یاد رکھو! کسی بزرگ کے پاس اس کی ذات میں کچھ نہیں رکھا۔ دینے والے تو اللہ تعالیٰ ہیں، لیکن اگر کوئی طلبِ صادق لے کر کسی کے پاس جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ مطلوب کی زبان پر بھی وہ بات جاری فرمادیتے ہیں جو اس کے حق میں فائدہ مند ہوتی ہے اور اس کی زندگی بدل جاتی ہے اس لیے فرمایا کہ جب کسی کے پاس جاؤ تو اس سے نصیحت طلب کیا کرو۔

پہلی نصیحت

بہر حال! حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو نصیحت فرماتے ہوئے فرمایا:

"ولا تسبنّ احدًا"

کسی کو گالی نہ دینا، کسی کی بدگوئی نہ کرنا

گویا کہ ہر وہ کلمہ جو گالی یا بدگوئی کی تعریف میں آتا ہو، ایسا کلمہ کسی کے لیے استعمال نہ کرنا۔ دیکھیے! حضرت جابر بن سلیم رضی اللہ عنہ کی حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلی ملاقات ہے، اس میں پہلی نصیحت یہ فرمائی کہ دوسروں کو برا نہ کہو۔ اس سے اندازہ لگائیے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک دوسرے شخص کی دل آزاری سے بچنے کی کتنی اہمیت ہے اور یہ کہ ایک مسلمان کی زبان سے کوئی ثقیل اور برا کلمہ کسی کے لیے نہ نکلے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ایک مرتبہ اپنے غلام پر غصہ آگیا اور غصے میں اس غلام کے لیے کوئی لعنت کا کلمہ زبان سے نکال دیا، حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب کلمہ سنا تو فرمایا کہ

"اَللَّعَّانِيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ كَلَّا وَرَبِّ الْكَعْبَةِ"(۱)

"یعنی آدمی لعنت بھی کرے اور صدیق بھی ہو! رب کعبہ کی قسم ایسا نہیں ہوسکتا۔ اس لیے کہ جو صدیق ہوتا ہے وہ لعنت نہیں کیا کرتا۔"

دیکھیے! حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اتنے سخت الفاظ کے ساتھ تنبیہ فرمائی اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس کی تلافی اس طرح کی کہ اس غلام ہی کو کفّارے کے طور پر آزاد کردیا۔

اس نصیحت پر زندگی بھر عمل کیا

لہٰذا کسی کو برا کہنا اور اس کے لیے غلط الفاظ بولنا ٹھیک نہیں، آج ہماری زبانوں پر اس قسم کے بُرے الفاظ چڑھ گئے ہیں۔ مثلاً خبیث، احمق، کمبخت

---

(۱) الادب المفرد للبخاری ص ۱۱۸ (۳۱۹) وكتاب الصمت لابن ابی الدنيا ص ۲۹۷ (۶۸۹) طبع دار الكتاب العربی۔ والحديث ذكره العراقی فی "تخريج احاديث الاحياء" ۷۸۶/۲ (۲۸۸۸) وقال ابن أبي الدنيا في الصمت، وشيخه بشار بن موسى الخفاف ضعفه الجمهور، وكان أحمد حسن الرأي فيه. وانظر شعب الايمان للبيهقی ۱۴۵/۷ (٤۷۹۱)۔

وغیرہ یہ الفاظ کسی مسلمان کے لیے استعمال کرنا تو حرام ہے ہی، بلکہ کسی جانور اور کافر کے لیے بھی ان الفاظ کو استعمال کرنا اچھا نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت جابر بن سلیم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

''اس نصیحت کو سننے کے بعد میں نے پھر کبھی نہ تو کسی غلام کو، نہ کسی آزاد کو، نہ اونٹ کو اور نہ بکری کو، کوئی برا کلمہ کہا۔''

یہ تھے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین، کہ جو نصیحت سن لی، اس کو دل پر نقش کر دیا اور ساری زندگی کا دستور العمل بنا لیا۔

عمل کو برا کہو، ذات کو برا نہ کہو

لیکن اس نصیحت کے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ کسی کو بُرا نہ کہو، یعنی کوئی شخص خواہ کتنا ہی بُرا کام کر رہا ہو، گناہ کر رہا ہو، معصیت اور نافرمانی کر رہا ہو، تو تم اس کے فعل کو بُرا سمجھو، بُرا کہو، لیکن اس کی ذات کو بُرا نہ کہو، اس کی ذات کو حقیر اور ذلیل نہ سمجھو، لہٰذا کسی کی ذات کو بُرا کہنا درست نہیں۔ اس لیے کہ تمہیں کیا معلوم کہ اس کا انجام کیسا ہونے والا ہے۔ بے شک آج وہ شخص برے کام کر رہا ہے اور اس کی وجہ سے تم اس کو برا سمجھ رہے ہو، لیکن کیا معلوم کہ اللہ تعالیٰ اس کی اصلاح فرمادے اور مرنے سے پہلے اس کو توبہ کی اور اچھے اعمال کی توفیق دے دے اور جب اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچے تو بالکل پاک وصاف ہو کر پہنچے، اس لیے کسی شخص کی ذات کو حتیٰ کہ کافر کی ذات کو بھی بُرا نہ سمجھو، اس لیے کہ کیا معلوم کہ اللہ تعالیٰ اس کو ایمان کی توفیق دے دے اور پھر وہ تم سے بھی آگے نکل جائے۔

حدیث شریف میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"انما الاعمال بالخواتیم"(۱)

اعمال میں اعتبار خاتمے کا ہے۔

خاتمہ کس حالت پر ہوا؟ اگر ایمان اور عمل صالح پر خاتمہ ہوا تو وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول ہے، وہ تم سے بھی آگے نکل گیا۔

ایک چرواہے کا عجیب واقعہ

غزوہ خیبر کے موقع پر ایک چرواہا حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا، وہ یہودیوں کی بکریاں چرایا کرتا تھا اس چرواہے نے جب دیکھا کہ خیبر سے باہر مسلمانوں کا لشکر پڑاؤ ڈالے ہوئے ہے، اس کے دل میں خیال آیا کہ میں جا کر ان سے ملاقات کروں اور دیکھوں کہ یہ مسلمان کیا کہتے ہیں اور کیا کرتے ہیں؟ چنانچہ بکریاں چراتا ہوا مسلمانوں کے لشکر میں پہنچا اور ان سے پوچھا کہ تمہارے سردار کہاں ہیں؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کو بتایا کہ ہمارے سردار محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس خیمے کے اندر ہیں۔ پہلے تو اس چرواہے کو ان کی باتوں پر یقین نہیں آیا، اس نے سوچا کہ اتنے بڑے سردار ایک معمولی سے خیمے میں کیسے بیٹھ سکتے ہیں۔ اس کے ذہن میں یہ تھا کہ جب آپ اتنے بڑے بادشاہ ہیں تو بہت ہی شان وشوکت اور ٹھاٹ باٹ کے ساتھ رہتے ہوں گے؟ لیکن وہاں تو کھجور کے پتوں کی چٹائی سے بنا ہوا خیمہ تھا۔ خیر وہ اس خیمے کے اندر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کے لیے داخل ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی اور پوچھا کہ آپ کیا پیغام لے کر آئے ہیں؟ اور کس بات کی دعوت دیتے ہیں؟ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سامنے اسلام

---

(۱) صحيح البخاری ۱۲٤/۸ (٦٦٠٧)۔

اور ایمان کی دعوت رکھی۔اور اسلام کا پیغام دیا۔ اس نے پوچھا کہ اگر میں اسلام کی دعوت قبول کرلوں تو میرا کیا انجام ہوگا؟ اور کیا رُتبہ ہوگا؟ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ

''اسلام لانے کے بعد تم ہمارے بھائی بن جاؤ گے اور ہم تمہیں گلے سے لگائیں گے۔''

اس چرواہے نے کہا کہ آپ مجھ سے مذاق کرتے ہیں، میں کہاں اور آپ کہاں! میں ایک معمولی سا چرواہا ہوں اور میں ایک سیاہ فام انسان ہوں، میرے بدن سے بدبو آرہی ہے۔ ایسی حالت میں آپ مجھے کیسے گلے لگائیں گے؟ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ

''ہم تمہیں ضرور گلے لگائیں گے اور تمہارے جسم کی سیاہی کو اللہ تعالیٰ تابانی سے بدل دیں گے اور اللہ تعالیٰ تمہارے جسم سے اٹھنے والی بدبو کو خوشبو سے تبدیل کردیں گے۔''

یہ باتیں سن کر وہ فوراً مسلمان ہوگیا اور کلمہ شہادت

اَشْهَدُ أنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

پڑھ لیا، پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ! اب میں کیا کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ

''تم ایسے وقت اسلام لائے ہو کہ نہ تو اس وقت کسی نماز کا وقت ہے کہ تم سے نماز پڑھواؤں اور نہ ہی روزہ کا زمانہ ہے کہ تم سے روزے رکھواؤں، زکوٰۃ تم پر فرض نہیں ہے، اس

وقت تو صرف ایک ہی عبادت ہورہی جو تلوار کی چھاؤں میں انجام دی جاتی ہے، وہ ہے جہاد فی سبیل اللہ۔''

اس چرواہے نے کہا کہ یا رسول اللہ! میں اس جہاد میں شامل ہوجاتا ہوں، لیکن جو شخص جہاد میں شامل ہوتا ہے، اس کے لیے دو میں سے ایک صورت ہوتی ہے یا غازی یا شہید۔ اگر میں اس جہاد میں شہید ہوجاؤں تو آپ میری کوئی ضمانت لیجیے، حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

''میں اس بات کی ضمانت لیتا ہوں کہ اگر تم اس جہاد میں شہید ہوگئے تو اللہ تعالیٰ تمہیں جنت میں پہنچادیں گے اور تمہارے جسم کی بدبو کو خوشبو سے تبدیل فرمادیں گے اور تمہارے چہرے کی سیاہی کو سفیدی میں تبدیل فرمادیں گے۔''

بکریاں واپس کر کے آؤ

چونکہ وہ چرواہا یہودیوں کی بکریاں چراتا ہوا وہاں پہنچا تھا اس لیے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

''تم یہودیوں کی جو بکریاں لے آئے ہو۔ ان کو جاکر واپس کرو، اس لیے کہ یہ بکریاں تمہارے پاس امانت ہیں۔''

اس سے اندازہ لگائیں کہ جن لوگوں کے ساتھ جنگ ہورہی ہے۔ جن کا محاصرہ کیا ہوا ہے، ان کا مال مالِ غنیمت ہے، لیکن چونکہ وہ چرواہا بکریاں معاہدے پر لے کر آیا تھا۔ اس لیے آپ نے حکم دیا کہ پہلے وہ بکریاں واپس کر

کے آؤ، پھر آکر جہاد میں شامل ہونا۔ چنانچہ اس چرواہے نے جا کر بکریاں واپس کیں اور واپس آکر جہاد میں شامل ہوا اور شہید ہوگیا۔

اس کو جنت الفردوس میں پہنچا دیا گیا ہے

جب جنگ ختم ہوگئی تو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم لشکر کا جائزہ لینے لگے۔ ایک جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ صحابہ کرام کا مجمع اکٹھا ہے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم قریب پہنچے تو ان سے پوچھا کیا بات ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ جو لوگ جنگ میں شہید ہوگئے ہیں، ان میں ایک ایسا آدمی بھی ہے جس کو ہم میں سے کوئی نہیں پہچانتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے دکھاؤ، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو فرمایا کہ

> ”تم اس کو نہیں پہچانتے، مگر اس شخص کو میں پہچانتا ہوں، یہ چرواہا ہے اور یہ وہ عجیب و غریب بندہ ہے جس نے اللہ کی راہ میں ایک بھی سجدہ نہیں کیا اور میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو سیدھا جنت الفردوس میں پہنچا دیا ہے۔ اور میری آنکھیں دیکھ رہی ہیں کہ ملائکہ اس کو غسل دے رہے ہیں اور اس کی سیاہی سفیدی میں تبدیل ہوگئی ہے اور اس کی بدبو خوشبو سے تبدیل ہوگئی ہے۔“(۱)

---

(۱) سیرۃ ابن ہشام ۳۴۴/۲ طبع مصطفی البابی مصر۔ ودلائل النبوۃ للبیہقی ۲۲۱/۴ طبع دار الکتب العلمیۃ۔ والمستدرک للحاکم ۱۴۸/۲ (۲۶۰۹) وقال: ھذا حدیث صحیح الإسناد، ولم یخرجاہ۔ وذکرہ الذھبی فی "تاریخ الإسلام" ۴۱۸/۱ معلقاً عن ابن وھب،

اعتبار خاتمے کا ہے

دیکھیے! اگر کچھ عرصہ پہلے اس چرواہے کو موت آجاتی تو سیدھا جہنم میں چلا جاتا اور اب اس حالت میں موت آئی کہ ایمان لا چکا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غلام بن چکا ہے، تو اب اللہ تعالیٰ نے اتنا بڑا انقلاب پیدا فرما دیا۔ اسی لیے فرمایا:

"انما الاعمال بالخواتیم"[1]

اعمال میں اعتبار خاتمے کا ہے۔

اس لیے بڑے بڑے لوگ لرزتے رہے۔ اور یہ دعا کرتے رہے کہ "یا اللہ! حسن خاتمہ عطا فرمائیے، ایمان پر خاتمہ عطا فرمائیے۔" کس بات پر انسان ناز کرے، فخر کرے اور اترائے۔ اس لیے کہ کیا معلوم کہ کل کیا ہونے والا ہے؟ اسی لیے فرمایا کہ کسی کو بھی حقیر مت سمجھو۔

ایک بزرگ کا نصیحت آموز واقعہ

میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ نے ایک بزرگ کا واقعہ سنایا کہ ایک اللہ والے بزرگ کہیں جا رہے تھے، کچھ لوگوں نے ان کا مذاق اڑایا۔ جس طرح آج کل صوفی اور سیدھے سادے مولوی کا لوگ مذاق اڑاتے ہیں۔ بہر حال! مذاق کرنے کے لیے ایک شخص نے ان بزرگ سے پوچھا کہ یہ بتائیے کہ آپ اچھے ہیں یا میرا کتا اچھا ہے؟ اس سوال پر ان بزرگ کو نہ تو

= وقال: وهذا حديث حسن أو صحيح. وقال الحافظ في "التقريب" ص٤٣٣: شرحبيل بن سعد، أبو سعد المدني، مولى الأنصار، صدوق، اختلط بآخره.

(۱) صحيح البخاری ۱۲۴/۸ (۶۶۰۷)۔

غصہ آیا، نہ طبیعت میں کوئی تغیر ہوا اور نہ تکدر پیدا ہوا اور جواب میں فرمایا کہ ابھی تو نہیں بتا سکتا کہ میں اچھا ہوں یا تمہارا کتا اچھا ہے، اس لیے کہ پتہ نہیں کہ کس حالت میں میرا انتقال ہوجائے۔ اگر ایمان اور عمل صالح پر میرا خاتمہ ہوگیا۔ تو میں اس صورت میں تمہارے کتے سے اچھا ہوں گا اور اگر خدا نہ کرے، میرا خاتمہ برا ہوگیا تو یقیناً تمہارا کتا مجھ سے اچھا ہے، اس لیے کہ وہ جہنم میں نہیں جائے گا اور اس کو کوئی عذاب نہیں دیا جائے گا۔

اللہ کے بندوں کا یہی حال ہوتا ہے کہ وہ خاتمے پر نگاہ رکھتے ہیں، اسی لیے فرمایا کہ کسی بد سے بدتر انسان کی ذات کو حقیر مت خیال کرو۔ نہ اس کو برا کہو۔ اس کے اعمال کو بے شک برا کہو کہ وہ شراب پیتا ہے، وہ کفر میں مبتلا ہے، لیکن ذات کو برا کہنے کا جواز نہیں۔ جب تک یہ پتہ نہ چلے کہ انجام کیا ہونے والا ہے۔

حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کی غایتِ تواضع

حضرت حکیم الامّت مولانا تھانوی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ

''میں ہر مسلمان کو فی الحال اپنے سے افضل سمجھتا ہوں اور ہر کافر کو احتمالاً اپنے سے افضل سمجھتا ہوں، یعنی جو مسلمان ہے اس کے دل میں نہ معلوم کتنے اعلیٰ درجے کا ایمان ہو اور وہ مسلمان مجھ سے آگے بڑھا ہوا ہو، اس لیے میں ہر مسلمان کو اپنے سے افضل سمجھتا ہوں اور ہر کافر کو احتمالاً اس لیے افضل سمجھتا ہوں کہ اس وقت بظاہر تو وہ کافر ہے، لیکن کیا پتہ کہ اللہ تعالیٰ اس کو ایمان کی توفیق دے دے اور وہ مجھ سے ایمان کے اندر آگے بڑھ جائے۔''

جب حضرت تھانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ یہ فرما رہے ہیں تو ہم اور آپ کس شمار و قطار میں ہیں۔

تین اللہ والے

چند روز پہلے حضرت ڈاکٹر حفیظ اللہ مدظلہم دارالعلوم کراچی تشریف لائے۔ یہ حضرت مفتی محمد حسن رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ ہیں اور ان کی بہت صحبت اٹھائی ہے اور حضرت مفتی محمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ اور عاشق زار تھے، ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحب مدظلہم نے حضرت مفتی محمد حسن صاحب رحمہ اللہ کا بیان کردہ واقعہ سنایا کہ حضرت مفتی محمد حسن صاحب نے فرمایا کہ

> ''ہم حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں جب بیٹھتے تو ہم پر ایک عجیب حالت طاری رہتی، وہ یہ کہ ہم میں سے ہر شخص کو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مجلس میں جتنے لوگ موجود ہیں، وہ سب مجھ سے افضل ہیں اور میں سب سے حقیر اور کم تر ہوں اور یہ سب لوگ آگے بڑھے ہوئے ہیں، میں کتنا پیچھے رہ گیا ہوں۔ ایک دن میں نے اپنی یہ حالت حضرت مولانا خیر محمد رحمۃ اللہ علیہ سے ذکر کی کہ مجلس میں بیٹھ کر میری یہ حالت ہوجاتی ہے۔ حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء میں سے ہیں۔ حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ حالت تو میری بھی ہے، چنانچہ ہم دونوں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں گئے اور

جا کر ان سے عرض کیا کہ حضرت! ہماری عجیب حالت ہے کہ جب ہم آپ کی مجلس میں بیٹھتے ہیں تو ایسا لگتا ہے کہ سب ہم سے افضل ہیں۔ اور ہم سب سے کم تر ہیں، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تم یہ جو اپنی حالت بیان کر رہے ہو، میں سچ کہتا ہوں کہ میری بھی یہی حالت ہے کہ جب میں مجلس میں بیٹھتا ہوں تو سب مجھ سے افضل نظر آتے ہیں اور میں اپنے آپ کو سب سے کم تر نظر آتا ہوں۔''

اپنے عیوب پر نظر کرو

جس شخص کو اپنے عیوب کا استحضار ہو اور اللہ تعالیٰ کی عظمت، اس کی خشیت اور اس کی ہیبت دل پر ہو وہ دوسروں کی برائی کو کیسے دیکھ سکتا ہے۔ جس شخص کے اپنے پیٹ میں درد ہو وہ دوسروں کی چھینک کی طرف کیسے توجہ کر سکتا ہے کہ فلاں کو چھینک آ گئی ہے۔ اسی طرح جس شخص پر اللہ تعالیٰ کی عظمت اور خشیت غالب ہوتی ہے وہ دوسروں کی ذات کو کیسے حقیر اور برا سمجھ سکتا ہے۔ اس کو تو اپنی فکر پڑی ہوئی ہے۔

بہر حال! اس حدیث میں یہ اصول بتا دیا کہ کسی بھی انسان کی ذات کو حقیر مت سمجھو، اگر کسی کا عمل خراب ہے تو اس کے عمل کو خراب کہہ سکتے ہو، برا کہہ سکتے ہو، انسان کو برا نہ کہو۔ کیا پتہ کہ اللہ تعالیٰ اس کو نیک اعمال کی توفیق عطا فرما دے اور تم سے آگے نکل جائے۔ اس لیے نہ اپنے کو بڑا سمجھو اور نہ دوسرے کو حقیر سمجھو۔

حجاج بن یوسف کی غیبت کرنا

یہ سب دین کی باتیں ہیں، دین کی ان باتوں کو ہم لوگ بھلا بیٹھے ہیں، عبادات، نماز، روزہ، تسبیح وغیرہ کو تو ہم دین کا حصہ خیال کرتے ہیں، لیکن ان باتوں کو دین سے خارج کر دیا ہے اور کسی بھی شخص کے بارے میں جو منہ میں آتا ہے، کہہ دیتے ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ایک ایک چیز کا ریکارڈ ہو رہا ہے۔ اللہ پاک کا ارشاد ہے:

مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ (١)

"وہ کوئی لفظ منہ سے نہیں نکال پاتا مگر اس کے پاس ہی ایک تاک لگانے والا تیار ہوتا ہے۔"

حضرت ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں کسی شخص نے حجاج بن یوسف کی برائی شروع کر دی۔ حجاج بن یوسف کو کون نہیں جانتا، اس کے ظلم و ستم بہت مشہور ہیں۔ سیکڑوں مسلمانوں کو بے گناہ قتل کیا۔ حضرت ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ نے اس شخص سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ

"دیکھو! یہ تم حجاج بن یوسف کی غیبت کر رہے ہو اور یہ مت سمجھنا کہ اگر حجاج بن یوسف کی گردن پر سینکڑوں انسانوں کا خون ہے تو اس کی غیبت حلال ہوگئی۔ جب اللہ تعالیٰ حجاج بن یوسف سے سیکڑوں انسانوں کے خون کا بدلہ لیں گے تو اس

(١) سورۃ ق آیت (١٨)۔

وقت تم سے بھی حجاج بن یوسف کی غیبت کرنے کا مواخذہ ہوگا۔"(۱)

اس لیے بلاوجہ کسی کی غیبت نہ کریں۔ ہاں! اگر کہیں دوسرے کو تکلیف سے بچانے کے لیے بتانے کی ضرورت پڑے تو اس طرح کہہ دیا جائے کہ بھائی فلاں شخص سے ذرا ہوشیار رہنا اور اس سے بچ کر رہنا، لیکن بلاوجہ مجلس آرائی کی جائے اور اس میں غیبت کی جائے۔ یہ درست نہیں۔

انبیاء علیہم السلام کا شیوہ

انبیاء علیہم السلام کا شیوہ تو یہ رہا ہے کہ کبھی گالی کا جواب بھی گالی سے نہیں دیا۔ حالانکہ شریعت نے اس کی اجازت دی ہے کہ جتنا تم پر ظلم کیا گیا ہے تم بھی اتنا بدلہ لے سکتے ہو، لیکن انبیاء علیہم السلام نے کبھی گالی کا بدلہ گالی سے نہیں دیا۔ قوم کی طرف سے نبی کو کہا جارہا ہے کہ

إِنَّا لَنَرٰكَ فِيْ سَفَاهَةٍ وَّإِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ (۲)

"تم بے وقوف ہو، حماقت میں مبتلا ہو اور ہمارا خیال یہ ہے کہ تم جھوٹے ہو۔"

ہم جیسا کوئی ہوتا تو جواب میں کہتا کہ تم احمق، تمہارا باپ احمق، لیکن نبی کا جواب یہ تھا کہ

---

(۱) احیاء علوم الدین ۱۵۳/۳ طبع دار المعرفة۔ والرسالة القشيرية ص ۲۹۱ طبع دار المعارف القاهره۔

(۲) سورۃ الاعراف آیت (٦٦)۔

يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ [1]

''اے میری قوم! میں بے وقوف نہیں ہوں، بلکہ میں پروردگار کی طرف سے رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔''

حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ کا واقعہ

حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ جو شاہی خاندان کے فرد ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں دین کی تڑپ عطا فرمائی تھی اور دین کی بات لوگوں تک پہنچانے کے لیے سینے میں آگ لگی ہوئی تھی اور شرک و بدعات کے خلاف آپ نے جہاد کیا۔ لوگ ایسے آدمی کے دشمن بھی ہوجاتے ہیں۔ ایک دن دہلی کی جامع مسجد میں وعظ فرما رہے تھے تو ایک آدمی نے حضرت کو تکلیف پہنچانے کے لیے بھرے مجمع میں کھڑے ہوکر کہا کہ

''مولانا! ہم نے سنا ہے کہ آپ حرام زادے ہیں؟''

اندازہ لگایئے! کہ اتنے بڑے عالم اور شاہی خاندان کے ایک فرد ہیں، ان کو مغلظ گالی دے دی۔ کوئی اور ہوتا تو نہ جانے وہ اس کے کہنے والے پر کتنا غصہ نکالتا۔ وہ اگر چھوڑ دیتا تو اس کے حواری اس کی تکہ بوٹی کردیتے، لیکن یہ پیغمبروں کے وارث ہیں، چنانچہ جواب میں فرمایا:

''آپ کو غلط اطلاع ملی ہے۔ میری والدہ کے نکاح کے گواہ تو اب بھی دلی میں موجود ہیں۔''

---

[1] سورۃ الاعراف آیت (٦٧)۔

یہ ہیں پیغمبرانہ اخلاق اور پیغمبرانہ سیرت کہ گالی کا جواب بھی گالی سے نہیں دیا جارہا ہے۔

دوسری نصیحت

اس کے بعد حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو دوسری نصیحت یہ فرمائی کہ

''کسی بھی نیکی کے کام کو ہرگز حقیر مت سمجھو، بلکہ جس وقت جس نیک کام کا موقع آجائے اور اس کے کرنے کی توفیق ہوجائے تو اس کو غنیمت سمجھ کر کرلو۔''

شیطان کا داؤ

اس کے ذریعے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شیطان کے ایک بہت بڑے داؤ کو ختم فرمادیا۔ شیطان کا ایک داؤ یہ ہوتا ہے کہ جب کسی شخص کے دل میں وسوسہ ڈالتا ہے کہ میاں! یہ چھوٹے سے نیک کام کرکے تم کون سا تیر مارلوگے؟ تمہاری ساری زندگی تو ناجائز کاموں میں گزری ہے، اگر تم نے یہ چھوٹا سا نیک کام کرلیا تو اس کے نتیجے میں کون سی تمہیں جنت مل جائے گی۔ اس لیے اس نیکی کو بھی چھوڑو۔ اس طرح شیطان اس نیکی سے بھی انسان کو محروم کرادیتا ہے۔ حالانکہ یہ شیطان کا بہت بڑا دھوکہ ہے۔ اس لیے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمادیا کہ کسی بھی نیکی کے کام کو حقیر سمجھ کر مت چھوڑو، بلکہ اس کو کرگزرو۔

چھوٹا عمل بھی باعث نجات ہے

اور اس نصیحت میں بے شمار حکمتیں ہیں۔ پہلی حکمت تو یہ ہے کہ جس نیک کام کو تم حقیر سمجھ کر چھوڑ رہے ہو کیا پتہ کہ وہ کام اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑا عظیم ہو اور اس کام کو اللہ تعالیٰ اپنی بارگاہ میں شرفِ قبولیت عطا فرمادیں، تو شاید وہی کام تمہاری نجات کا ذریعہ بن جائے۔ احادیث میں اور بزرگان دین کے واقعات میں بہت سے ایسے واقعات منقول ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایک چھوٹے سے عمل پر مغفرت فرمادی۔

ایک فاحشہ عورت کا واقعہ

بخاری شریف کی ایک حدیث میں یہ واقعہ آتا ہے کہ

''ایک فاحشہ عورت راستے سے گزر رہی تھی راستے میں دیکھا کہ ایک کنویں کے پاس ایک کتا ہانپ رہا ہے اور پانی پینا چاہتا ہے، لیکن پانی اتنا نیچے ہے کہ وہاں تک پہنچ نہیں سکتا، اس عورت کو اس کتے پر ترس آیا اور اس نے سوچا کہ یہ کتا اللہ کی مخلوق ہے اور پیاس سے بے چین ہے، اس کتے کو پانی پلانا چاہیے۔اس نے ڈول تلاش کیا تو کوئی ڈول وہاں نہیں ملا، آخر اس نے اپنے پاؤں سے ایک چمڑے کا موزہ اتارا اور کسی طرح اس کنویں سے پانی بھرا اور اس کتے کو پلادیا اور اس کی پیاس دور کردی۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو اس کا یہ عمل اتنا پسند آیا کہ صرف

اس عمل پر اس کی مغفرت فرمادی۔"[1]

بتائیے! اگر وہ عورت یہ سوچتی کہ میں تو ایک فاحشہ عورت ہوں، میں تو جہنم کی مستحق ہوں، اگر میں نے کتے کو پانی پلانے کا یہ چھوٹا سا عمل کر بھی لیا تو کون سا انقلاب آجائے گا۔ اگر وہ یہ سوچتی تو اس عمل سے بھی محروم ہوجاتی اور اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی نجات نہ ہوتی۔ بہرحال! اللہ تعالیٰ نے اس عمل پر اس کی نجات فرمادی۔

مغفرت کے بھروسے پر گناہ مت کرو

لیکن اس واقعے سے کوئی یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ بس اب جتنے چاہو گناہ کرتے رہو، ساری زندگی گناہوں پر گزاردو۔ بس ایک دن پیاسے کتے کو پانی پلادیں گے تو سب گناہ معاف ہوجائیں گے۔ یہ سوچ بالکل غلط ہے، اس لیے کہ ایک تو اللہ کا قانون ہے اور ایک اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا قانون تو یہی ہے کہ جو شخص گناہ کرے گا، اس کو اس گناہ کا عذاب بھگتنا ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی رحمت اور کرم یہ ہے کہ کسی بندے کے کسی عمل کی وجہ سے اس کے گناہ کو معاف فرمادے، لیکن اس کرم اور رحمت کا کچھ پتہ نہیں ہے کہ کس عمل پر کس وقت ہوگی؟ اور کس وقت نہیں ہوگی؟ لہٰذا اس بھروسے سے آدمی گناہ کرتا رہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی نہ کوئی عمل قبول ہوجائے گا اور گناہ معاف ہوجائیں گے۔ یہ بات ٹھیک نہیں۔ حدیث شریف میں حضورِ اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا:

---

(۱) صحیح البخاری ۱۳۰/٤ (۳۳۲۱)۔

"اَلْعَاجِزُ مَنْ أَتْبَعَ نَفْسَهُ هَوَاهَا وَتَمَنّٰى عَلَى اللّٰهِ"(۱)

"عاجز وہ شخص ہے جو اپنے کو خواہشات کے پیچھے لگادے۔ جہاں خواہشات اس کو لے جارہی ہیں وہ وہیں جا رہا ہے اور ساتھ میں اللہ تعالیٰ پر آرزو باندھے بیٹھا ہے کہ اللہ تعالیٰ سب معاف فرمادیں گے۔"

اور جب کسی سے کہا جائے کہ گناہوں کو چھوڑ دو تو جواب میں کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بڑے غفور و رحیم ہیں، معاف فرمادیں گے۔ اسی کو کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر تمنائیں باندھتا ہے۔ گویا کہ وہ مشرق کی طرف دوڑا جارہا ہے اور اللہ سے یہ امید لگائے بیٹھا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے مغرب میں پہنچادیں گے۔ راستہ تو جہنم کا اختیار کر رکھا ہے اور یہ امید لگا رکھی ہے کہ اللہ تعالیٰ جنت میں پہنچادیں گے۔ یہ طریقہ ٹھیک نہیں ہے، البتہ اللہ تعالیٰ کبھی کسی عمل کی بدولت اپنی رحمت سے کسی انسان کی مغفرت فرمادیتے ہیں۔ جس کا کوئی قاعدہ قانون مقرر نہیں، لیکن کوئی شخص اس امید پر گناہ کرتا رہے کہ کسی وقت اللہ تعالیٰ کی رحمت ہوجائے گی اور میں بچ جاؤں گا۔ یہ ٹھیک نہیں ہے، بلکہ ایسے شخص پر اللہ تعالیٰ کی رحمت بھی نہیں ہوتی جو مغفرت کے بھروسے گناہ کرتا رہے۔

ایک بزرگ کی مغفرت کا واقعہ

میں نے اپنے شیخ حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے یہ واقعہ سنا کہ

(۱) سنن الترمذی ۲٤٦/٤ (۲٤٥۹) وقال هذا حديث حسن۔ وسنن ابن ماجه ٦٤٦/٥ (٤٢٦٠)۔

ایک بزرگ جو بہت بڑے محدث تھے، جنہوں نے ساری عمر حدیث کی خدمت میں گزاری۔ جب ان کا انتقال ہوگیا تو کسی شخص نے خواب میں ان کی زیارت کی اور ان سے پوچھا کہ حضرت! اللہ تعالیٰ نے کیسا معاملہ فرمایا۔ جواب میں انہوں نے فرمایا کہ بڑا عجیب معاملہ ہوا۔ وہ یہ کہ ہم نے تو ساری عمر علم کی خدمت اور حدیث کی خدمت میں گزاری اور درس وتدریس، تصنیف، وعظ اور خطابت میں گزاری، تو ہمارا خیال یہ تھا کہ ان اعمال پر اجر ملے گا، لیکن اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشی ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے کچھ اور معاملہ فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا کہ ہمیں تمہارا ایک عمل بہت پسند آیا، وہ یہ ایک دن تم حدیث شریف لکھ رہے تھے۔ جب تم نے اپنا قلم دوات میں ڈبو کر نکالا تو اس وقت ایک پیاسی مکھی آ کر قلم کی نوک پر بیٹھ گئی اور سیاہی چوسنے لگی، تمہیں اس مکھی پر ترس آ گیا، تم نے سوچا کہ یہ مکھی اللہ کی مخلوق ہے اور پیاسی ہے، یہ سیاہی پی لے تو پھر میں قلم سے کام کروں، چنانچہ اتنی دیر کے لیے تم نے اپنا قلم روک لیا اور اس وقت تک قلم سے کچھ نہیں لکھا جب تک وہ مکھی اس قلم پر بیٹھ کر سیاہی چوستی رہی۔ یہ عمل تم نے خالص میری رضامندی کی خاطر کیا، اس لیے اس عمل کی بدولت ہم نے تمہاری مغفرت فرمادی اور جنت الفردوس عطا کردی۔

دیکھیے! ہم تو یہ سوچ کر بیٹھے ہیں کہ وعظ کرنا، فتویٰ دینا، تہجد پڑھنا، تصنیف وغیرہ کرنا یہ بڑے بڑے اعمال ہیں، لیکن وہاں ایک پیاسی مکھی کو سیاہی پلانے کا عمل قبول کیا جارہا ہے اور دوسرے بڑے اعمال کا تذکرہ نہیں۔ حالانکہ اگر غور کیا جائے تو جتنی دیر قلم روک کر رکھا، اگر اس وقت قلم نہ روکتے تو حدیث شریف ہی کا کوئی لفظ لکھتے، لیکن اللہ کی مخلوق پر شفقت کی بدولت اللہ نے مغفرت فرمادی۔ اگر وہ اس عمل کو معمولی سمجھ کر چھوڑ دیتے تو یہ فضیلت حاصل نہ ہوتی۔

لہٰذا کچھ پتہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کونسا عمل مقبول ہوجائے، وہاں قیمت عمل کے حُجم، سائز اور گنتی کی نہیں ہے، بلکہ وہاں عمل کے وزن کی قیمت ہے اور یہ وزن اخلاص سے پیدا ہوتا ہے۔ اگر آپ نے بہت سے اعمال کیے، لیکن ان میں اخلاص نہیں تھا، تو گنتی کے اعتبار سے تو وہ اعمال زیادہ تھے، لیکن فائدہ کچھ نہیں۔ دوسری طرف اگر عمل چھوٹا سا ہو، لیکن اس میں اخلاص ہو تو وہ عمل اللہ تعالیٰ کے یہاں بڑا بن جاتا ہے۔ لہٰذا جس وقت دل میں کسی نیکی کا ارادہ پیدا ہورہا ہے تو اس وقت دل میں اخلاص بھی موجود ہے، اگر اس وقت وہ عمل کرلو گے تو امید ہے کہ وہ ان شاء اللہ مقبول ہوجائے گا۔ یہ تو ایک حکمت ہوئی۔

نیکی نیکی کو کھینچتی ہے

دوسری حکمت یہ ہے کہ جب نیک کام کرنے کا دل میں خیال آیا اور اس کو کرلیا تو ایک نیک کام کرنے کے بعد دوسرے نیک کام کی بھی توفیق ہوجاتی ہے۔ اس لیے کہ نیکی نیکی کو کھینچتی ہے اور برائی برائی کو کھینچتی ہے، ایک برائی کی خاطر بعض اوقات انسان کو بہت سی برائیاں کرنی پڑتی ہیں۔ اس لیے جب تم

نے ایک نیک کام کیا تو اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ مزید نیکی کی توفیق عطا کردیتے ہیں اور بعض اوقات ایک چھوٹی سی نیکی کی وجہ سے انسان کی پوری زندگی بدل جاتی اور زندگی میں انقلاب آجاتا ہے۔

نیکی کا خیال اللہ کا مہمان ہے

میرے شیخ حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمہ اللہ اللہ تعالیٰ ان مغفرت فرمائے۔آمین۔فرمایا کرتے تھے کہ

''دل میں جو نیک کام کرنے کا خیال آتا ہے کہ فلاں نیک کام کرلو، اس کو صوفیاء کی اصطلاح میں ''وارد'' کہتے ہیں، فرماتے تھے کہ یہ ''وارد'' اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہوا اللہ تعالیٰ کا مہمان ہوتا ہے، اگر تم نے اس مہمان کی خاطر کی، اس طرح کہ جس نیکی کا خیال آیا تھا وہ نیک کام کرلیا، تو یہ مہمان اپنی قدر دانی کی وجہ سے دوبارہ بھی آئے گا۔آج ایک نیک کام کی طرف توجہ دلائی، کل کو دوسرے کام کی طرف توجہ دلائے گا اور اس طرح تمہاری نیکیوں کو بڑھاتا چلا جائے گا، لیکن اگر تم نے اس مہمان کی خاطر مدارات نہ کی، بلکہ اس کو دھتکار دیا، یعنی جس نیک کام کرنے کا خیال تمہارے دل میں آیا تھا، اس کو نہ کیا، تو پھر رفتہ رفتہ یہ مہمان آنا چھوڑ دے گا اور پھر نیکی کرنے کا ارادہ ہی دل میں پیدا نہیں ہوگا۔نیکی کے خیالات آنا بند ہوجائیں گے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے:

كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (۱)

یعنی بد اعمالیوں کے سبب ان کے دلوں پر زنگ لگ گیا اور نیکی کا خیال بھی نہیں آتا۔

یہ چھوٹی چھوٹی نیکیاں جو ہیں، ان کو چھوڑنا نہیں چاہیے۔ اس لیے کہ یہ بڑی نیکیوں تک پہنچادیتی ہیں۔

شیطان کا دوسرا داؤ

تیسری حکمت یہ ہے کہ جب انسان کے دل میں نیک کام کرنے کا خیال آتا ہے تو بعض اوقات شیطان اس طرح بھی انسان کو بہکاتا ہے کہ یہ کام بہت اچھا ہے ضرور کرنا چاہیے، لیکن جلدی کیا ہے؟ کل سے یہ کام کریں گے، پرسوں سے کریں گے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ نیک کام ٹل جاتا ہے، اس لیے کہ آج دل میں جو نیکی کا داعیہ پیدا ہوا ہے، معلوم نہیں کل کو یہ داعیہ باقی رہے گا یا نہیں؟ کل اس نیک کام کو کرنے کا موقع ملے یا نہیں؟ یہ بھی پتہ نہیں کہ کل آئے گی یا نہیں آئے گی؟ اس لیے جس وقت نیکی کا داعیہ دل میں پیدا ہو، اسی وقت کرلینا چاہیے۔ مثلاً راستے میں گزر رہے ہیں، کوئی تکلیف دہ چیز پڑی ہوئی نظر آئی اور دل میں خیال آیا کہ اس کو ہٹانا چاہیے، اسی وقت اس کو ہٹادو یا مثلاً آپ نے پانی پینے کا ارادہ کیا، دل میں خیال آیا کہ بیٹھ کر پانی پینا حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت

(۱) سورۃ المطففین آیت (۱۴)۔

ہے، تو فوراً بیٹھ جاؤ اور بیٹھ کر پانی پی لو۔ کھانا کھانے کے لیے بیٹھے، خیال آیا کہ بسم اللہ پڑھ لوں، تو فوراً پڑھ لو۔ لہٰذا جس کسی چھوٹی نیکی کا خیال بھی دل میں آئے، اس کو کرگزرو۔ میں نے اسی جذبے کے تحت ''آسان نیکیاں'' کے نام سے ایک چھوٹا سا رسالہ لکھ دیا ہے اور اس میں ان نیکیوں کو لکھ دیا ہے جو بظاہر آسان اور چھوٹی چھوٹی ہیں، لیکن ان کا اجر و ثواب بڑا عظیم ہے۔ ان پر عمل کرنے کا اہتمام کرے تو انسان بہت سارا اجر و ثواب کا ذخیرہ جمع کرسکتا ہے۔ یہ آسان اور چھوٹی چھوٹی نیکیاں ان شاء اللہ بالآخر انسان کی زندگی میں انقلاب پیدا کردیں گی۔ ہر شخص اس کو لے کر پڑھے اور پھر ایک ایک نیکی کو اپنی زندگی میں داخل کرے اور ان پر عمل کی کوشش کرے تو ان شاء اللہ یہ نیکیاں منزل تک پہنچادیں گی۔

کسی گناہ کو چھوٹا مت سمجھو

اسی طرح ایک چیز اور ہے جو اس کے بالمقابل ہے، وہ یہ کہ جس طرح نیکی کو حقیر سمجھ کر نہیں چھوڑنا چاہیے اسی طرح کسی گناہ کو حقیر سمجھ کر اختیار نہیں کرنا چاہیے، لہٰذا کوئی گناہ خواہ وہ کتنا ہی چھوٹا ہو، اس کے چھوٹا ہونے کی وجہ سے اس گناہ کو مت کرو۔ یہ بھی شیطان کا بہت بڑا دھوکہ ہوتا ہے۔ مثلاً ایک گناہ کرنے کا دل میں خیال آیا، لیکن ساتھ ہی یہ خیال بھی آگیا کہ گناہ ہے، اس لیے یہ نہیں کرنا چاہیے تو ایسے وقت شیطان بہکاتا ہے کہ تم نے اتنے بڑے بڑے گناہ تو پہلے سے کر رکھے ہیں اگر تم نے یہ چھوٹا سا گناہ بھی کرلیا تو کون سی قیامت آجائے گی اور اگر تمہیں گناہ سے بچنا ہے تو بڑے بڑے گناہوں سے بچو، اس

چھوٹے سے گناہ سے کیا بچ رہے ہو۔ اس لیے اس کو تو کر گزرو۔ یاد رکھو! کوئی چھوٹا گناہ معمولی سمجھ کر کرنے میں وہ بڑا گناہ بن جاتا ہے۔

گناہ صغیرہ اور گناہ کبیرہ کی تفریق

یہ جو گناہوں کی دو قسمیں ہیں: صغیرہ گناہ اور کبیرہ گناہ، تو صغیرہ گناہ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس کو کرلو اور کبیرہ گناہ سے بچنے کی کوشش کرو، بلکہ دونوں گناہ ہیں۔ البتہ یہ چھوٹا گناہ ہے اور وہ بڑا گناہ ہے۔ بعض لوگ اس تحقیق میں پڑے رہتے ہیں کہ یہ صغیرہ ہے یا کبیرہ ہے؟ ان کی تحقیق کا یہ مقصد ہوتا ہے کہ اگر کبیرہ ہے تو بچنے کا اہتمام کریں، اور اگر صغیرہ ہے تو کرلیں۔ اس بارے میں حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

> ''اس کی مثال تو ایسی ہے جیسے آگ کا بڑا انگارہ اور چھوٹی چنگاری، کہ اگر چھوٹی چنگاری ہے تو اس کو اٹھا کر اپنے کپڑوں کی الماری میں رکھ لو، اس لیے کہ وہ چھوٹی سی تو ہے، لیکن یاد رکھو! وہی چھوٹی چنگاری تمہاری الماری کو جلادے گی، جس طرح بڑا انگارہ جلا ڈالتا ہے یا جیسے چھوٹا سانپ اور بڑا سانپ ڈسنے میں دونوں برابر ہیں۔ اس طرح گناہ صغیرہ ہو، چاہے کبیرہ ہو، جب وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا عمل ہے تو پھر کیا صغیرہ اور کیا کبیرہ۔''

اسی وجہ سے علماء نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص صغیرہ گناہ کو صغیرہ سمجھ کر کرلے تو وہی صغیرہ پھر کبیرہ بن جاتا ہے، اس لیے کسی گناہ کو چھوٹا سمجھ کر اختیار مت کرو۔

گناہ گناہ کو کھینچتا ہے

یاد رکھو! جس طرح ایک نیکی دوسری نیکی کو کھینچتی ہے اسی طرح ایک گناہ دوسرے گناہ کو کھینچتا ہے، برائی برائی کو کھینچتی ہے۔ آج اگر تم نے ایک گناہ کرلیا اور یہ سوچا کہ چھوٹا گناہ ہے، کرلو۔ یاد رکھو! وہ گناہ دوسرے گناہ کو کھینچے گا، دوسرا گناہ تیسرے گناہ کو کرائے گا اور بات پھر کسی حد پر نہیں رکے گی۔ اور گناہ کے معنیٰ ہیں ''اللہ کی نافرمانی'' اگر اللہ تعالیٰ صرف ایک نافرمانی پر پکڑ فرمالیں تو صرف ایک نافرمانی بھی جہنم میں پہنچانے کے لیے کافی ہے، چاہے وہ نافرمانی چھوٹی ہو یا بڑی ہو، پھر بچنے کا کوئی راستہ نہیں، اس لیے کسی گناہ کو چھوٹا مت سمجھو۔

تیسری نصیحت

تیسری نصیحت یہ فرمائی کہ

> ''تم اپنے بھائی سے اس حالت میں بات کرو کہ تمہارا چہرہ کِھلا ہوا ہو۔ اس کے ساتھ کشادہ پیشانی سے بات کرو۔ خندہ روئی سے بات کرو۔ اس لیے کہ یہ بھی نیکی کا ایک حصہ ہے۔''

ایک حدیث میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ

> ''اپنے (مسلمان) بھائی سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملنا بھی صدقہ ہے، اس پر بھی انسان کو اجروثواب ملتا ہے۔''(۱)

یہ بھی حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظیم سنّت ہے۔

---

(۱) صحیح مسلم ۲۰۲٦/٤ (٢٦٢٦) ومسند احمد ۲۳/۵۷ (١٤٧٠٩)۔

حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ جو خاص صحابہ کرام میں سے ہیں، جن کو "یوسف هذه الامة" یعنی اس امت کے یوسف کہا جاتا ہے[1]، اس لیے کہ وہ بڑے حسین وجمیل تھے۔ وہ فرماتے ہیں کہ

"جب بھی حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر میری نگاہ پڑتی تو کبھی یاد نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبسم نہ فرمایا ہو، جب کبھی آپ سے ملاقات ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ انور پر تبسم آجاتا، آپ کا چہرہ کھِلا ہوا ہوتا۔"[2]

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جب آدمی دین کی طرف آئے تو بالکل خشک اور کھردرا بن جائے، اس کے چہرے پر مسکراہٹ نہ آئے، اس کو دین کا حصہ سمجھتے ہیں۔ معلوم نہیں کہ کہاں سے یہ بات حاصل کرلی ہے؟ حالانکہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنّت کے خلاف ہے، اس لیے جب کسی سے ملو تو مسکراتے ہوئے ملو، ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ

"بعض لوگ مال کے کنجوس ہوتے ہیں اور بعض لوگ تبسم کے کنجوس ہوتے ہیں۔ ان کے چہرے پر کبھی تبسم ہی نہیں آتا، حالانکہ یہ تو بہت آسان نیکی ہے کہ جب کسی مسلمان بھائی سے ملاقات کرو، مسکراتے ہوئے چہرے کے ساتھ ملاقات کرو اور اس کا دل خوش کرو اور جب تم نے اس کا دل خوش کردیا تو تمہارے نامہ اعمال میں نیکی کا اضافہ ہوگیا اور صدقہ لکھا گیا۔"

---

(۱) الاصابة فی تمییز الصحابة لابن حجر ۵۵۳/۱ طبع دار الكتب العلمية۔

(۲) صحیح البخاری ۶۵/٤ (۳۰۳۵)۔

چوتھی نصیحت

چوتھی نصیحت یہ فرمائی کہ

''اپنے زیر جامہ کو چاہے پاجامہ ہو یا شلوار یا تہہ بند ہو، اس کو آدھی پنڈلی تک رکھو، اگر آدھی پنڈلی تک نہیں رکھ سکتے تو ٹخنوں تک رکھو اور ٹخنوں سے نیچے ازار لے جانے سے بچو اس لیے کہ یہ تکبر کا حصہ ہے۔''

دیکھیے! اس حدیث میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ تکبر ہو تو نیچے مت کرو اور تکبر نہ ہو تو نیچے کرلو، بلکہ فرمایا کہ نیچے مت کرو، اس لیے کہ یہ تکبر ہے۔ بعض لوگ یہ کہہ دیتے ہیں کہ ہم تکبر کی وجہ سے نیچے نہیں کرتے، بلکہ ویسے ہی یا فیشن کی وجہ سے نیچے کرتے ہیں اور جو ممانعت ہے وہ تکبر کی وجہ سے۔ ایسا کہنے والے بڑے عجیب لوگ ہیں، جن کو اپنے متکبر نہ ہونے کا اس قدر اطمینان ہے، حالانکہ اس روئے زمین پر تکبر سے پاک اور تکبر سے بَری کوئی ذات ہوسکتی ہے تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ نہیں ہوسکتی، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی یہ نہیں فرمایا کہ چونکہ میرے اندر تکبر نہیں ہے، اس لیے میں اپنی ازار نیچے کرلیتا ہوں، بلکہ ساری عمر کبھی ٹخنوں سے نیچے ازار نہیں کیا[۱]، اگر تکبر نہ ہونے کی وجہ سے کسی کے لیے ٹخنوں سے نیچے ازار پہننا جائز ہوتا تو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اس کی اجازت ہوتی، اس لیے یہ خیال دل سے نکال دو،

---

(۱) مسند احمد ۱۷۸/۳۸ (۲۳۰۸۷) والشمائل المحمدیة للترمذی ص۱۰۸ (۱۲۱) باب ما جاء فی صفة ازار رسول اللہ ﷺ. والحدیث ذکرہ الحافظ ابن حجر فی ''فتح الباری'' ۲۶۳/۱۰ وقال: جید.

چنانچہ اس نصیحت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس سے بچو، اس لیے کہ یہ تکبر کا حصہ ہے اور اللہ تعالیٰ تکبر اور خود پسندی کو پسند نہیں کرتے۔ ''خود پسندی'' کہتے ہیں ''اپنے کو دوسروں سے اچھا سمجھنا'' کہ میرے اندر بڑے اوصاف اور کمالات ہیں، یہ بات اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں۔ اللہ تعالیٰ کو شکستگی، عاجزی اور درماندگی پسند ہے، اللہ تعالیٰ کے سامنے جتنا شکستہ اور ماندہ رہوگے، تواضع کروگے، اتنا ہی اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہوجاؤ گے اور جہاں بڑائی اور خود پسندی آگئی، تو وہ اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں۔

پانچویں نصیحت

پانچویں نصیحت یہ فرمائی کہ

''اگر کوئی انسان تمہیں گالی دے یا تم کو کسی ایسے عیب کی وجہ سے عار دلائے جو عیب واقعی تمہارے اندر ہے، تو اس کے بدلے میں تم اس کے عیب پر عار مت دلاؤ جو عیب تم اس کے اندر جانتے ہو۔''

یعنی گالی کے بدلے گالی مت دو اور عار دلانے میں اس کو عار مت دلاؤ، اس لیے کہ اس شخص کے گالی دینے اور عار دلانے کا وبال اس کے اوپر ہے، اس کا مواخذہ اس سے ہوگا اور اگر تم بدلہ لوگے تو تمہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا اور اگر بدلہ نہیں لوگے، بلکہ صبر کروگے، تو اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کا اجرِ عظیم تم کو ملے گا۔ مثلاً ایک شخص نے تم سے کہا کہ تم بے وقوف ہو۔ تم نے جواب میں اس سے کہا کہ ''تم بے وقوف'' تو یہ تم نے بدلہ لے لیا، اگرچہ تم نے کوئی ناجائز کام نہیں کیا،

لیکن یہ بتاؤ کہ تمہیں دنیا یا آخرت کا کیا فائدہ حاصل ہوا؟ اور اگر تم خاموش ہوگئے اور کوئی جواب نہیں دیا تو اس کے نتیجے میں کڑھن پیدا ہوئی اور غصہ آیا، لیکن اس غصے کو ضبط کر گئے اور صبر سے کام لیا تو اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ

اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ (۱)

"اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کو بے حساب اجر عطا فرماتے ہیں۔"

لہٰذا اپنی زبان کو روک کر اور نفس کو قابو میں کر کے بے حساب اجر کمالیں۔ آج ہم یہاں بیٹھ کر بے حساب اجر کا اندازہ نہیں کر سکتے، لیکن جب اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہوں گے تو اس وقت پتہ چلے گا کہ اس زبان کو ذرا سا روک لینے سے کتنا عظیم فائدہ حاصل ہوا۔ بہر حال! حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نصیحت فرمادی کہ گالی کا جواب گالی سے مت دو، اگرچہ تمہیں بدلہ لینے کا حق حاصل ہے، لیکن حق کو استعمال کرنے سے بہتر یہ ہے کہ معاف کردو، چنانچہ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ (۲)

"جو شخص صبر کرے اور معاف کردے تو یہ البتہ بڑے ہمت کے کاموں میں سے ہے۔"

(۱) سورۃ الزمر آیت (۱۰)۔

(۲) سورۃ الشوریٰ آیت (۴۳)۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

اِدۡفَعۡ بِالَّتِیۡ هِیَ اَحۡسَنُ فَاِذَا الَّذِیۡ بَیۡنَكَ وَبَیۡنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیۡمٌ (۱)

جس نے تمہارے ساتھ بُرائی کی ہے، تم اچھائی سے اس کا بدلہ دو۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جس کے ساتھ تمہاری دشمنی تھی وہ تمہارا دوست بن جائے گا۔

لیکن ساتھ میں یہ بھی فرمایا کہ

وَمَا یُلَقّٰهَاۤ اِلَّا الَّذِیۡنَ صَبَرُوۡا وَمَا یُلَقّٰهَاۤ اِلَّا ذُوۡ حَظٍّ عَظِیۡمٍ (۲)

یہ کام وہی شخص کرسکتا ہے، جس نے اپنے اندر صبر کرنے کی عادت ڈالی ہو اور وہ شخص کرسکتا ہے جو بہت خوش نصیب ہو۔"

اس لیے بدلہ لینے کے بجائے معاف کرنے کی عادت ڈالو۔ ایک حدیث شریف کا مفہوم ہے کہ

"اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ جو شخص دوسرے کو معاف کردے تو میں اس شخص کو اس دن معاف کروں گا، جس دن اس کو معافی کی سب سے زیادہ ضرورت ہوگی اور ظاہر ہے کہ

---

(۱) سورۃ حم السجدۃ آیت (۳٤)۔
(۲) سورۃ حم السجدۃ آیت (۳۵)۔

آخرت میں انسان کو معافی کی سب سے زیادہ ضرورت ہوگی۔"(۱)

یہ سب حضورِ اقدس ﷺ کی نصیحتیں ہیں، اگر ہم ان کو اپنی زندگی میں اپنالیں تو سارے جھگڑے ختم ہوجائیں، عداوتیں مٹ جائیں، فتنے ختم ہوجائیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان نصیحتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

---

(۱) رواہ مسلم فی صحیحہ ۱۱۹۵/۳ (۱۵٦۰) عن حذیفة قال: "أُتِيَ اللهُ بِعَبْدٍ مِنْ عِبَادِهِ آتَاهُ اللهُ مَالًا، فَقَالَ لَهُ: مَاذَا عَمِلْتَ فِي الدُّنْيَا؟ قَالَ: وَلَا يَكْتُمُونَ اللهَ حَدِيثًا، قَالَ: يَا رَبِّ آتَيْتَنِي مَالَكَ، فَكُنْتُ أُبَايِعُ النَّاسَ، وَكَانَ مِنْ خُلُقِي الْجَوَازُ، فَكُنْتُ أَتَيَسَّرُ عَلَى الموسِرِ، وَأُنْظِرُ المعْسِرَ، فَقَالَ اللهُ: أَنَا أَحَقُّ بِذَا مِنْكَ، تَجَاوَزُوا عَنْ عَبْدِي"، وکذا فی صحیح البخاری ۱۷٦/٤ (۳٤۸۰)۔

مشورہ کرنے کی اہمیت

(اصلاحی خطبات ۱۱/۲۸)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مشورہ کرنے کی اہمیت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِىَ لَهٗ، وَأَشْهَدُ اَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا۔ أَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

فَاعْفُ عَنْهُمْ وَ اسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَ شَاوِرْهُمْ فِى الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ (۱)

(۱) سورۃ آل عمران آیت (۱۵۹)۔

امنت باللہ صدق اللہ مولانا العظیم، وصدق رسولہ النبی الکریم، ونحن علی ذالك من الشاهدین والشاکرین، والحمد للہ رب العالمین۔

تمہید

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! ہر انسان کو اپنی زندگی میں ایسے مرحلے پیش آتے ہیں جن میں اس کو یہ کشمکش ہوتی ہے کہ یہ کام کروں یا نہ کروں؟ یا اس کے سامنے کئی راستے ہوتے ہیں، اب اس کو یہ کشمکش ہوتی ہے کہ کون سا راستہ اختیار کروں؟ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے مواقع کے لیے دو کاموں کی ہدایت دی ہے۔ ایک استخارہ کرنا، دوسرے مشورہ کرنا۔ استخارہ کا بیان پچھلے جمعے کو بقدرِ ضرورت الحمدللہ ہوگیا تھا[1]۔ دوسری چیز جس کا اس حدیث میں بیان ہے وہ ہے ''مشورہ''۔ یہ مشورہ بھی دین کا ایک عظیم باب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی خصوصیت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ [2]

یعنی ان کے معاملات آپس میں مشورے کے ذریعے طے کیے جاتے ہیں۔

جو آیت میں نے تلاوت کی ہے، اس میں خود حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیتے ہوئے فرمایا:

---

(۱) اس بیان کے لیے مواعظ عثمانی حصہ عبادات ملاحظہ فرمائیں۔
(۲) سورۃ الشوریٰ آیت (۳۸)

وَشَاوِرۡهُمۡ فِي الۡأَمۡرِ

یعنی آپ صحابہ کرام سے اپنے معاملات میں مشورہ کیا کریں۔

لہٰذا جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مشورہ کرنے کا حکم دیا جارہا ہے تو ہم جیسے لوگ تو بطریق اولیٰ مشورے کے محتاج ہیں۔

مشورہ کیسے شخص سے کیا جائے؟

لیکن اس مشورے کے سلسلے میں چند باتیں سمجھ لینی ضروری ہیں:

① پہلی بات یہ ہے کہ مشورہ ہمیشہ ایسے شخص سے کرنا چاہیے جس کو اس متعلقہ معاملے میں پوری بصیرت حاصل ہو، جب ایسے شخص کے پاس جاکر مشورہ کریں گے تو اللہ تعالیٰ اس میں برکت عطا فرمائیں گے، لیکن اگر ہم نے ایسے شخص سے مشورہ کیا جس کو اس معاملے میں کوئی علم اور کوئی بصیرت حاصل نہیں ہے، اوّلاً تو وہ شخص مشورہ ہی کیا دے گا اور اگر مشورہ دے گا تو اس مشورے سے فائدہ کیا ہوگا، لہٰذا جس شخص سے ہم مشورہ لینے جارہے ہیں، اس کے بارے میں پہلے اچھی طرح معلوم کرلیں کہ وہ مشورے کا اہل بھی ہے یا نہیں؟ اگر وہ اہل ہو تو اس سے مشورہ لیں، اگر اہل نہ ہو تو اس سے مشورہ لینے سے کچھ حاصل نہیں۔

جمہوریت کی ناکامی کی وجہ

اسلام کے نظامِ حکومت کی ''شورائیت'' میں اور موجودہ دور کی ''جمہوریت''

میں یہی بڑا فرق ہے۔ جمہوریت کا جو نظام اس وقت پوری دنیا میں چھا گیا ہے اس نظامِ جمہوریت میں یہ نہیں دیکھا جاتا کہ جس سے مشورہ لیا جارہا ہے وہ واقعتہً مشورہ دینے کا اہل بھی ہے یا نہیں؟ اس کو اس معاملے میں بصیرت بھی حاصل ہے یا نہیں؟ دنیا بھر کے اہم معاملات میں مشورہ کرنے کے لیے بالغ رائے دہی کی بنیاد پر ایک جماعت کا انتخاب کرلیا، اس انتخاب کے نتیجے میں ایک سے ایک دنیا پرست، مکار، عیار شخص ووٹ حاصل کرنے کے لیے کھڑا ہوگیا اور پھر بالغ رائے دہی کی بنیاد پر انتخابات شروع ہوئے۔ اب ہر ایک سے یہ پوچھا جارہا ہے کہ تمہارے نزدیک یہ آدمی ٹھیک ہے یا نہیں؟ پھر انتخابات میں سیاسی جماعتوں کی بنیادوں پر ہونے والے جس میں پارٹی کے منشوروں کی بنیاد پر ووٹ دیے جاتے ہیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص دیہات کا رہنے والا کاشت کار ہے اور کسان ہے، جو بے چارہ غیر تعلیم یافتہ ہے، وہ ووٹ دینے سے پہلے تمام پارٹیوں کے منشوروں کا مطالعہ کرے اور پھر یہ فیصلہ کرے کہ کون سی پارٹی ملک کے حق میں مفید ہے اور پھر اس پارٹی کے نام زد شخص کو ووٹ دے، پھر عام طور پر شریف آدمی جس میں ان کاموں کو انجام دینے کی اہلیت ہو، اس کو تو اس میدان میں اُترتے ہوئے بھی گھن آتی ہے کہ گندے تالاب میں کہاں اُتروں۔

نااہلوں کا انتخاب

بہر حال! انتخابات کے نتیجے میں جو لوگ اسمبلی میں پہنچے وہ نااہل ہونے کے باوجود پوری قوم کے معاملات میں مشورے دیتے ہیں اور پوری قوم ان کے مشوروں پر عمل کرنے کی پابند ہے، لہٰذا موجودہ جمہوریت کے نظام میں اہلیت کا

کوئی معیار نہیں، نہ ووٹ دینے والے میں اہلیت کا کوئی معیار ہے اور نہ منتخب ہونے والے میں اہلیت کا کوئی معیار ہے، بس اتنا معیار ہے کہ اس کی عمر ۱۸ سال یا ۲۱ سال ہو اور اس کا نام ووٹر لسٹ کے اندر درج ہو، بس یہ اہلیت ہے۔ اب یہ دیکھنا کہ وہ تعلیم یافتہ ہے یا نہیں؟ قوم کے معاملات کو سمجھنے کی بصیرت رکھتا ہے یا نہیں؟ اس کا کوئی معیار نہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ انگوٹھا چھاپ لوگ منتخب ہو کر اسمبلی میں پہنچ جاتے ہیں۔

''جمہوریت'' اور ''شورائیت'' کا فرق

اسلام میں ''شورائیت'' ضرور ہے، لیکن مجلس شوریٰ کے لیے معیار اہلیت ہے، یعنی ایسے شخص سے مشورہ کرو جو اس کام کی اہلیت رکھتا ہے اور اس کی بصیرت رکھتا ہے۔ اسلام کی ''شورائیت'' اور موجودہ مغربی جمہوریت میں یہی بڑا فرق ہے، جمہوریت میں اکثریت کی بنیاد پر فیصلے ہوتے ہیں جبکہ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِى الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ [1]

اگر آپ زمین کے رہنے والوں میں سے اکثر کی اتباع کرو گے تو وہ اللہ کے راستے سے تم کو گمراہ کر دیں گے۔

لہٰذا جب کسی کے پاس مشورہ کے لیے جاؤ تو پہلے یہ دیکھو کہ اس شخص کو اس معاملے میں بصیرت حاصل ہے یا نہیں؟

---

(۱) سورۃ الانعام آیت (۱۱۶)۔

فن کے ماہر سے مشورہ کرو

مثلاً بعض لوگ مجھ سے مشورہ کرتے ہیں کہ فلاں بیماری میں مبتلا ہوں، آپ مشورہ دیجیے کہ کس طرح اس کا علاج کراؤں اور کس سے کراؤں؟ اب میں بیماری کو اور اس کے علاج کو کیا جانوں؟ بھائی! کسی طبیب اور ڈاکٹر کے پاس جاؤ، اگر اس کے بارے میں مجھ سے مشورہ کروگے تو اس سے کیا حاصل ہوگا، جو شخص وہ کام جانتا نہ ہو تو وہ اس کے بارے میں کیا مشورہ دے گا؟ یاد رکھو! مشورہ ہمیشہ اس شخص سے لو جو اس کام کا اہل ہو۔ میرے پاس روزانہ بے شمار لوگوں کے خط اور فون آتے ہیں کہ ہم نے یہ خواب دیکھا ہے، آپ اس کی تعبیر بتادیجیے، حالانکہ مجھے ساری عمر خواب کی تعبیر سے مناسبت نہیں ہوئی۔

لوگ میرے پاس آتے ہیں کہ فلاں کام کے لیے تعویذ دے دیجیے اور مجھے تعویذ بنانا نہیں آتا۔ بھائی! جس آدمی کے پاس اس کام کی اہلیت نہ ہو، اس کے پاس اس کام کے لیے کیوں جاتے ہو؟ ہر شخص سے وہ کام لو جس کام کی اہلیت اللہ تعالیٰ نے اس کو دی ہے۔

دین کے معاملات میں علماء سے مشورہ کریں

بہرحال! مشورہ کے لیے سب سے پہلا کام صحیح آدمی کی تلاش ہے، بعض اوقات دین کے معاملات میں لوگ ایسے لوگوں کے پاس مشورے کے لیے چلے جاتے ہیں، جن کو دین کا علم نہیں، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جس سے مشورہ لیا گیا اس نے غلط جواب دے دیا اور سوال کرنے والے نے اس پر عمل شروع کردیا، خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا، مشورہ میں سب سے پہلا کام یہ

ہے کہ جس سے مشورہ لیا جارہا ہے اس کے بارے میں معلومات حاصل کرو، اب بہت سے لوگ میرے پاس تجارت کے بارے میں مشورہ کرنے کے لیے آجاتے ہیں کہ یہ تجارت کریں یا فلاں تجارت کریں۔ اب مجھے کیا معلوم کہ تجارت کیا ہوتی ہے اور کس کے لیے کون سی تجارت مفید ہے۔

مشورے کے لیے اہلیت کی ضرورت

لٰہذا مشورہ کرنے سے پہلے اس کے اندر اہلیت دیکھو کہ یہ شخص اس بارے میں مشورہ دینے کا اہل ہے یا نہیں؟ اگر انجینئرنگ کا کوئی کام ہو اور وہ مشورہ کرنے کے لیے ڈاکٹر کے پاس چلا جائے اور جب گھر میں کوئی بیمار ہوجائے تو اس کے بارے میں مشورہ کرنے کے لیے انجینئر کے پاس چلا جائے، اب بتایئے وہ شخص احمق ہوگا یا نہیں؟ اسی طرح جب دین کے معاملات میں کسی سے مشورہ لینے کے لیے جاؤ تو پہلے یہ دیکھو کہ جس سے مشورہ لے رہا ہوں وہ مستند عالم دین ہے یا نہیں؟ آج ہمارا پورا معاشرہ اس گمراہی کے اندر مبتلا ہے کہ دین کے معاملات کے بارے میں معلومات حاصل کرنے اور مشورے کے لیے ایسے لوگوں کے پاس چلے جاتے ہیں جن کے پاس دین کا کماحقہ علم نہیں ہوتا، مثلاً کسی کے بارے میں یہ سُن لیا کہ وہ بڑی لچھے دار تقریر کرتے ہیں یا کسی کو دیکھ لیا کہ ان کا حلیہ بڑا بزرگانہ اور دین دارانہ ہے۔ بس ان سے دین کے بارے میں مشورے شروع کردیے اور ان سے فتوے پوچھنے شروع کردیے۔ یاد رکھیے! مشورے کے لیے غلط آدمی کا انتخاب انسان کو غلط راستے پر ڈال دیتا ہے۔

کن معاملات میں مشورہ کیا جائے؟

مشورے کے بارے میں دوسری بات سمجھنے کی یہ ہے کہ مشورہ کس چیز کے بارے میں کیا جائے؟ جو کام شریعت نے فرض قرار دے دیے ہیں یا جو کام واجب قرار دے دیے ہیں یا حرام کردیے ہیں، تو ایسے تمام کام مشورے کا محل نہیں ہیں، لہٰذا ان کے بارے میں مشورہ نہیں کیا جائے گا۔ اس لیے کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے فرض و واجب قرار دے کر کرنے کا حکم دے دیا، وہ تو کرنے ہی ہیں، ان میں مشورے کا کیا سوال؟ مثلاً کوئی شخص یہ مشورہ کرے کہ نماز پڑھوں یا نہ پڑھوں یا یہ مشورہ کرلے کہ شراب پیؤں یا نہ پیؤں؟ ظاہر ہے کہ ان کے بارے میں مشورہ کرنا حماقت ہے، کیونکہ یہ کام مشورے کے محل ہی نہیں ہیں۔

”مشیر“ کا پہلا فرض: اہلیت ہونا

تیسری بات یہ ہے کہ جس شخص سے مشورہ لیا جارہا ہے اس کے کچھ فرائض ہیں، حدیث شریف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”المستشار مؤتمن“(۱)

جس شخص سے مشورہ لیا جائے وہ امانت دار ہوتا ہے۔

یہ مشورہ لینا ایسا ہے جیسے دوسرے کے پاس امانت رکھوادی، ظاہر ہے کہ اگر کسی کے پاس امانت رکھوائی جائے تو اس کا فرض ہے کہ وہ اس کی حفاظت کرے اور خیانت نہ کرے، لہٰذا جس شخص سے مشورہ لیا جارہا ہے اگر اس کو اس معاملے

(۱) سنن ابی داود ۳۳۳/٤ (۵۱۲۸) و سنن الترمذی ۵۱۲/٤ (۲۸۲۲) و قال ھذا حدیث حسن۔

میں بصیرت حاصل نہیں ہے، تو اس کو صاف صاف کہہ دینا چاہیے کہ مجھے اس بارے میں بصیرت حاصل نہیں ہے، اس لیے میں اس سلسلے میں مشورہ دینے کا اہل نہیں ہوں، لیکن آج کل کسی سے کسی معاملے میں مشورہ لیا جائے تو چاہے اس کو اس معاملے میں بصیرت ہو یا نہ ہو، لیکن کچھ نہ کچھ جواب اور مشورہ ضرور دے دیتے ہیں۔ سیدھی سی بات یہ ہے کہ وہ کہہ دے کہ مشورہ دینا امانت کی بات ہے اور میں اس کا اہل نہیں، لہٰذا مشورہ دینے کے لیے ایسے آدمی کے پاس جاؤ جو مشورہ دینے کا اہل ہو۔

دوسرا فرض: امانت داری

اور اگر آپ کے اندر اہلیت ہے تو پھر مشورہ لینے والے کی پوری خیر خواہی مدِّنظر رکھتے ہوئے اس کے مناسب جو مشورہ ذہن میں آئے، وہ دیانت داری کے ساتھ اس کے سامنے بیان کردے، اس مشورہ دینے میں اس بات کی پرواہ نہ کرے کہ اگر میں اس کو یہ مشورہ دوں گا تو شاید اس کا دل ٹوٹ جائے گا یا یہ مجھ سے ناراض اور رنجیدہ ہوجائے گا، کیونکہ جب اس نے مشورہ طلب کیا ہے تو اب اس کو وہ بات بتاؤ جو تمہارے نزدیک دیانت دارانہ طور پر اس کے حق میں خیر خواہی کی ہو، یہ نہ ہو کہ اس کو راضی اور خوش کرنے کے لیے اس کو غلط مشورہ دے دیا تا کہ وہ خوش ہوکر چلا جائے، چاہے وہ بعد میں گڑھے میں جا گرے اس کی پرواہ نہیں، یہ بات درست نہیں۔

مثلاً میرے پاس بعض لوگ کتاب لکھنے کے بارے میں مشورہ لینے کے لیے آتے ہیں، اب بظاہر اس کی دل داری کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی حوصلہ افزائی

کی جائے اور کتاب لکھنے پر اس کو مبارکباد دی جائے، لیکن جب یہ دیکھا کہ یہ شخص کتاب لکھنے کا اہل نہیں ہے تو اس کو نرمی سے اور پیار سے سمجھادیا کہ یہ کتاب لکھنا آپ کا کام نہیں، یہ آپ کا میدان نہیں ہے آپ کوئی اور کام کریں، لہٰذا اس کے مناسب مشورہ یہی تھا، اب چاہے اس مشورے سے ناراض ہو یا خوش ہو۔

مشورہ دینے میں ضرورتاً غیبت جائز ہے

یا مثلاً کسی شخص نے رشتہ مانگنے کا مشورہ لیا کہ فلاں جگہ رشتہ کروں یا نہ کروں؟ اس وقت آپ کے نزدیک اس کے حق میں جو خیر خواہی کی بات ہو وہ بتادو، چاہے وہ راضی ہو چاہے ناراض ہو۔ اس کے بارے میں جتنی معلومات حاصل ہیں وہ بتادو۔ یہ وہ چیز ہے کہ اس میں شریعت نے ''غیبت'' کو بھی معاف کیا ہے، مثلاً رشتے کے معاملے میں کوئی شخص آپ سے مشورہ کررہا ہے اور آپ کے علم میں اس کی کوئی بات خرابی اور عیب کی ہے اور آپ نے اس مشورہ لینے والے کو بتادیا کہ اس کے اندر یہ خرابی ہے تو اس سے غیبت کا گناہ نہیں ہوگا، کیونکہ جو مشورہ لے رہا ہے اس کی خیر خواہی کا تقاضا یہ ہے کہ اس کو صحیح بات بتادی جائے، یہ نہ سوچے کہ اگر میں اس کو بتادوں گا تو فلاں شخص ناراض ہوجائے گا، اس سے دشمنی کھڑی ہوجائے گی اور اس وجہ سے خاموش رہے، یہ بات ٹھیک نہیں۔

بلکہ اس کو بتادے اور اس سے یہ بھی کہہ دے کہ میں آپ کی خیر خواہی کے تحت آپ کو بتارہا ہوں، لیکن اگر اس کو علم ہوگیا کہ یہ بات میں نے بتائی ہے تو اس کو صدمہ ہوگا۔ لہٰذا آپ اس کو نہ بتائیں۔ حدیث کے الفاظ ''المستشار مؤتمن'' کے یہ معنی ہیں یعنی جس سے مشورہ لیا گیا ہے، وہ امانت دار ہے اور امانت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ صحیح مشورہ دے۔

”مشیر“ کا تیسرا فرض: راز داری

اور ”المستشار مؤتمن“ کا ایک مطلب اور بھی ہے، وہ یہ کہ جو شخص تمہارے پاس مشورہ لینے کے لیے آیا ہے اس نے تمہیں اپنا ہم راز بنایا ہے، اپنے دل کی بات اس نے تم سے کہہ دی ہے، اپنی مشکل تمہارے سامنے رکھ دی ہے۔ اب یہ تمہارے اور اس کے درمیان راز داری کا معاملہ ہوگیا، تم اس کے امانت دار ہو، یہ نہ ہو کہ وہ تو آپ سے مشورہ لینے آیا اور اس نے اپنی کوئی اُلجھن آپ کے سامنے پیش کی، اب آپ نے ساری دنیا میں اس کو لوگوں کے سامنے گانا شروع کردیا کہ فلاں شخص تو یہ بات کہہ رہا تھا یا اس کے اندر تو یہ خرابی ہے۔ بھائی! جب اس نے تم سے مشورہ لیا ہے اور تمہیں اپنا ہم راز بنایا ہے تو اس کے راز کو راز رکھنا تمہارا فرض ہے، وہ تمہارے پاس امانت ہے، اب اس مشورے کی بات کو دوسروں سے ذکر کرنا راز کا افشا کرنا ہے، جو گناہ ہے اور ایک مسلمان کو رُسوا کرنا ہے۔

مثلاً کوئی شخص اپنی کسی بیماری کے سلسلے میں آپ سے مشورہ کرنے آیا، آپ نے اس کو مشورہ دے دیا، تو اب اس بات کو اپنے سینے میں محفوظ رکھو، اپنے اور اس کے درمیان محدود رکھو، کسی اور سے اس کا ذکر نہ کرو، کیونکہ وہ مشورہ تمہارے پاس اس کی امانت ہے، اس امانت کے اندر اگر تم خیانت کروگے تو بہت بڑی خیانت ہوگی اور بہت بڑا گناہ ہوگا۔

راز فاش کرنا گناہ ہے

آج کل ہمارے معاشرے میں اس بارے میں کتنی خرابی پائی جاتی ہے

اور مشورہ لینے دینے میں ان باتوں کا لحاظ نہیں رکھا جاتا، بے چارہ ایک شخص آپ کو خیر خواہ سمجھ کر آپ سے مشورہ لینے کے لیے آیا تھا، تم نے اس کا راز افشاء کرنا شروع کردیا، حالانکہ اِسی کے نتیجے میں جھگڑے، فسادات اور دشمنیاں پھیلتی ہیں اور پھر آپس میں ناچاقیاں ہوجاتی ہیں۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے "المستشار مؤتمن" کہہ کر ان تمام چیزوں کا دروازہ بند کردیا۔

چوتھا فرض: صحیح مشورہ دینا

پھر جانتے بوجھتے غلط مشورہ دینا یعنی آپ جانتے ہیں کہ جو مشورہ میں دے رہا ہوں وہ صحیح نہیں، لیکن اس کی بدخواہی کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے آپ نے اس کو غلط مشورہ دے دیا تو اس کے بارے میں حدیث شریف میں فرمایا کہ جس شخص سے دوسرے بھائی نے مشورہ کیا اور اس نے اس کو غلط مشورہ دے دیا تو فرمایا: "فقد خانہ" (۱) یعنی اس نے اس کی امانت میں خیانت کی۔ یہ بالکل ایسا ہے جیسے کوئی شخص تمہارے پاس امانت کے طور پر پیسے رکھوائے اور تم ہڑپ کرجاؤ۔ جیسے ان پیسوں کو ہڑپ کرنا حرام ہے اسی طرح یہ بھی حرام ہے۔

"مشیر" کا عمر میں بڑا ہونا ضروری نہیں

مشورے کے بارے میں ایک اہم بات یہ ہے کہ مشیر کے اندر اہلیت تو دیکھنی چاہیے، لیکن اس میں چھوٹے بڑے کا لحاظ نہیں ہے، یعنی مشورہ کرنے والا یہ نہ سوچے کہ میں بڑا ہوں، چھوٹے سے کیا مشورہ کروں، بلکہ جو بھی اہلیت رکھنے

---

(۱) سنن ابی داود ۳/۳۲۱ (۳۶۵۷) ومسند احمد ۱۴/۱۷ (۸۲۶۶) وقال الساعاتی فی "الفتح الربانی" ۱۹/۲۸۲ رجالہ کلہم ثقات۔ طبع دار احیاء التراث العربی۔

والا ہو اس سے مشورہ کرو۔ میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے وصیت کرتے ہوئے فرمایا کہ جب تک تمہارے ضابطے کے بڑے دنیا میں موجود ہوں اس وقت تک اپنے بڑوں سے مشورہ کرو، ضابطے کے بڑے اس لیے کہہ رہا ہوں کہ حقیقت میں کون بڑا ہے یہ تو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔

''بزرگی بعلم است نہ بسال''

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک آدمی عمر میں بڑا ہے، لیکن درجے میں چھوٹا ہے اور ایک شخص عمر میں کم ہے، لیکن درجے میں بڑا ہے۔

بڑے آپ، عمر میری زیادہ

یاد آیا! ایک مرتبہ حضورِ اقدس ﷺ کے پاس آپ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ تشریف فرما تھے، حضرت عباس رضی اللہ عنہ اگرچہ رشتے میں آپ کے چچا تھے، لیکن عمر میں زیادہ فرق نہیں تھا۔ حضورِ اقدس ﷺ نے ان سے پوچھا: ''چچا جان! میں بڑا ہوں یا آپ بڑے ہیں؟'' مقصد یہ تھا کہ کس کی عمر زیادہ ہے؟ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا خوبصورت جواب دیا۔ فرمایا کہ ''بڑے تو آپ ہی ہیں، عمر میری زیادہ ہے۔''[1]

بہرحال! عمر میں بڑا ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ انسان درجے میں بھی بڑا ہو، چھوٹے کا علم زیادہ ہوسکتا ہے، چھوٹے کا تقویٰ زیادہ ہوسکتا ہے، اللہ تعالیٰ کے یہاں چھوٹے کی فضیلت زیادہ ہوسکتی ہے۔ اس لیے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

---

(۱) تاریخ دمشق لابن عساکر ۲۸۲/۲۶۔

نے فرمایا کہ ''ضابطے کے بڑے'' اس لیے کہہ رہا ہوں کہ حقیقت میں کون بڑا ہے، یہ تو اللہ ہی جانتا ہے، لیکن ضابطے میں اللہ تعالیٰ نے جس کو بڑا بنایا ہے، جیسے بیٹے کے لیے باپ، شاگرد کے لیے اُستاد، مرید کے لیے شیخ، چھوٹے بھائی کے لیے بڑا بھائی، یہ ضابطے کے بڑے ہیں، جب تک یہ زندہ ہوں ان سے مشورہ کرو۔

ہم عمروں اور چھوٹوں سے مشورہ

پھر فرمایا:

> ''جب ضابطے کے بڑے موجود نہ رہیں تو اپنے برابر کے لوگوں سے مشورہ کرو اور جب اپنے برابر کے لوگ بھی موجود نہ رہیں تو اپنے چھوٹوں سے مشورہ کرو۔''

اور یہ دیکھیے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا جارہا ہے کہ "وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ" اب ظاہر ہے کہ آپ سے درجے میں کوئی دوسرا شخص بڑا ہوسکتا ہے؟ لیکن آپ سے کہا جارہا ہے کہ آپ صحابہ کرام سے مشورہ کریں۔ اس کے ذریعے یہ تعلیم دی جارہی ہے کہ بڑے کو بھی اپنے آپ کو مشورے سے بے نیاز نہیں سمجھنا چاہیے، چاہے چھوٹوں سے مشورہ کرنا پڑے، لیکن پھر بھی مشورہ کرے۔ مشورے میں اللہ تعالیٰ نے برکت رکھی ہے، لہٰذا مشورہ لیتے وقت یہ نہ دیکھو کہ جس سے میں مشورہ لے رہا ہوں یہ بڑا ہے یا چھوٹا ہے۔

صلحِ حدیبیہ کا واقعہ

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ وہ چھوٹا بھی ایسا مشورہ دے دیتا ہے کہ

بڑے کے ذہن میں وہ بات نہیں آتی۔ دیکھیے! صلحِ حدیبیہ کے موقع پر جب حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم صحابہ کرام کے ساتھ عمرہ کرنے کے لیے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے، مقام ذوالحلیفہ سے احرام باندھا، اور جب مکہ مکرمہ کے قریب حدیبیہ کے مقام پر پہنچے تو مشرکین مکہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو روک دیا اور کہا کہ ہم آپ کو مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔ اب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عمرہ ادا کرنا چاہتے ہیں اور احرام باندھ کر آئے ہوئے ہیں، جب کفارِ مکہ نے عمرہ کرنے سے روک دیا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو غصہ آگیا کہ یہ لوگ عمرے کی عبادت ادا کرنے میں رکاوٹ بن رہے ہیں، بالآخر مذاکرات ہوئے اور مذاکرات کے نتیجے میں صلح ہوگئی اور صلح اس بات پر ہوئی کہ اس مرتبہ تو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور صحابہ کرام واپس مدینہ منورہ چلے جائیں، اس مرتبہ عمرہ نہیں کریں گے اور آئندہ سال اس عمرے کی قضا کریں گے۔

اب بظاہر کفارِ قریش کا یہ مطالبہ بالکل غلط تھا، کیونکہ یہ حضرات حرم کے دروازے تک پہنچے ہوئے ہیں، پھر بھی ان سے کہا جارہا ہے کہ یہیں سے واپس چلے جائیں اور آئندہ سال عمرہ ادا کرنے کے لیے آئیں۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سی شرائط تھیں جو بظاہر مسلمانوں کے لیے دبی ہوئی شرائط تھیں، لیکن چونکہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہی حکم تھا کہ اس وقت ان کی یہ شرائط مان لی جائیں، اگرچہ مسلمانوں کے لیے وہ دبی ہوئی شرائط ہیں۔ چنانچہ مسلمانوں نے مان لیں، اس مان لینے میں بھی بہت سی حکمتیں تھیں۔

چونکہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حالت احرام میں تھے، اس لیے یہاں سے شریعت کا یہ مسئلہ سامنے آیا کہ جب کوئی احرام باندھ کر آئے اور

پھر اس کے لیے عمرہ کرنا ممکن نہ رہے اور کوئی دشمن روک دے تو اس وقت اس کو کیا کرنا چاہیے اور کس طرح احرام کھولنا چاہیے؟ اس وقت قرآنِ کریم کے ذریعے یہ حکم نازل ہوا کہ اگر یہ صورت پیش آئے تو ایک جانور قربان کرنے کے لیے حرم بھیج دو، جس وقت وہ جانور حرم میں ذبح ہوجائے اس وقت محرم اپنے سر کے بال منڈوا کر احرام کھول دے، چنانچہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ سب اپنے اپنے جانور حرم بھیج دیں اور جانور ذبح ہوجانے کے بعد احرام کھول دیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جانور بھیج دیے اور ان کی قربانی ہوگئی۔

پھر حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ اپنے سر منڈوا دو اور احرام کھول دو، تاکہ پھر مدینہ منورہ واپس چلیں، لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کوئی بھی اس کام کے لیے آگے نہیں بڑھا۔ شاید پوری سیرتِ طیبہ کے دور میں یہ ایک واقعہ ایسا ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کسی کام کا حکم دیا اور صحابہ کرام اس کے لیے آگے نہیں بڑھے۔ وجہ اس کی یہ تھی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طبیعت میں یہ جوشیلے جذبات تھے کہ اگر ہم چاہیں تو قریش مکہ کو مزہ چکھا دیں اور ان پر حملہ کرکے زبردستی عمرہ کرلیں۔ اس قسم کے جذبات کی وجہ سے آپ کا حکم ماننے کے لیے اور احرام کھولنے اور سر منڈانے کے لیے کوئی بھی آگے نہیں بڑھ رہا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوبارہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ سر منڈوا کر احرام کھول دیں، لیکن پھر بھی کوئی اس کام کے لیے آگے نہیں بڑھا۔ یہ وہ صحابہ ہیں کہ صلحِ حدیبیہ کے موقع پر کفار کی طرف سے بات چیت کرنے کے لیے جو ایلچی آیا تھا، اس نے واپس جا کر لوگوں کو بتایا کہ میں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عجیب منظر دیکھا، وہ یہ کہ جب حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وضو فرماتے ہیں تو وضو کا پانی ابھی زمین پر نہیں گرتا کہ اس سے پہلے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

اس کو لے کر اپنے جسموں پر مَل لیتے ہیں اور آپ کا تھوک زمین پر نہیں گرتا، بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آگے بڑھ کر اپنے جسم پر مَل لیتے ہیں، ایسے فداکار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں، لیکن اس کے باوجود آپ ان سے احرام کھولنے کے لیے فرما رہے ہیں، لیکن احرام کھولنے کے لیے کوئی آگے نہیں بڑھ رہا ہے۔

حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مشورہ کرنا

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے خیمے کے اندر تشریف لے گئے، آپ کی زوجۂ مطہرہ اُم المومنین حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا اس سفر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جاکر ان سے فرمایا کہ آج میں نے عجیب معاملہ دیکھا جو اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا، یہ وہ لوگ ہیں جو میرے ایک اشارے پر جان چھڑکنے کے لیے تیار ہیں، لیکن آج میں نے دو مرتبہ احرام کھولنے کے لیے کہا، لیکن کوئی بھی احرام کھولنے کے لیے تیار نہیں ہوا۔ گویا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بارے میں حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا سے مشورہ کیا کہ مجھے کیا کرنا چاہیے؟ حالانکہ وہ آپ سے چھوٹی ہیں، ان کو آپ سے کیا نسبت؟ لیکن چونکہ مشورہ کا حکم ہے اس لیے ان سے مشورہ کیا۔ بہرحال! حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا نے مشورہ دیتے ہوئے فرمایا کہ یارسول اللہ! یہ حضراتِ صحابہ جذبات اور جوش کے عالم میں مغلوب ہیں۔ اس لیے آپ ان کے اس طرزِ عمل کا خیال مت کیجیے، کیونکہ ان کے دل ٹوٹے ہوئے ہیں اور بار بار ان کو کہنے کی ضرورت نہیں، البتہ آپ ایک کام کیجیے وہ یہ کہ آپ باہر تشریف لے جائیں اور خود اپنا سر منڈوا کر اپنا احرام کھول دیں، پھر دیکھیے کیا ہوتا ہے۔

اس مشورے کا نتیجہ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ تم نے بہت اچھا مشورہ دیا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خیمے سے باہر تشریف لے گئے اور ایک صحابی کو بلاکر خود حلق کرانا شروع کردیا، بس آپ کے حلق کرانے کی دیر تھی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایک دوسرے کے سر حلق کرنے شروع کردیے اور احرام کھولنا شروع کردیا اور یہ سوچا کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے احرام کھول دیا تو ہم میں آپ سے زیادہ غیرت کرنے والے کون ہیں۔(۱)

اب دیکھیے کہ یہ مشورہ حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا نے دیا جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ آپ عاقلات میں سے تھیں، یعنی ان خواتین میں سے تھیں، جن کو اللہ تعالیٰ نے عقل اور فہم وفراست کا اعلیٰ مقام عطا فرمایا تھا اور یہ مشورہ ان کے اعلیٰ فہم کی دلیل ہے اور اس بات کی دلیل ہے کہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی نفسیات کو سمجھتی تھیں کہ جب یہ حضرات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی کام کرتا ہوا دیکھیں گے تو پھر ان سے نہیں رہا جائے گا، بلکہ فوراً آپ کی اتباع میں وہ کام کرنا شروع کردیں گے۔

بہرحال! حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے سے چھوٹے سے مشورہ کیا اور حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا عنہا کے ذہن میں وہ بات آ گئی جو ابتداءً حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذہن میں نہیں آئی۔ بہرحال! اس واقعے سے ایک بات یہ معلوم ہوئی کہ چھوٹے سے مشورہ کرنا بھی شریعت کا تقاضہ ہے اور بعض اوقات اللہ تعالیٰ چھوٹے کے

---

(۱) صحیح البخاری ۱۹۳/۳ (۲۷۳۱)۔

دل میں وہ بات ڈال دیتے ہیں جو بڑوں کے دل میں بھی نہیں آتی۔ نہ جانے کتنے مواقع پر حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا، لہٰذا چھوٹے سے مشورہ کرتے ہوئے عار اور شرم محسوس نہیں کرنی چاہیے۔

جذبات کی تسکین کا نام ''دین'' نہیں، ''دین'' اتباع کا نام ہے

حدیبیہ کے اس واقعے سے ایک دوسرا بڑا عظیم الشان سبق بھی ملتا ہے، وہ یہ کہ اپنے جذبات کی تسکین کا نام ''دین'' نہیں ہے، اپنے جوش کو ٹھنڈا کرنے کا نام ''دین'' نہیں ہے، بلکہ دین درحقیقت اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی اتباع کا نام ہے، خواہ جذبات کچھ بھی ہوں، مگر اس وقت میں اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کا جو مطالبہ ہے وہ کرو، یہی دین ہے۔ اب دیکھیے! صلح حدیبیہ کے موقع پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جذبات تو یہ تھے کہ کفار سے مقابلہ ہوجائے اور ہم بزدلی میں مبتلا ہوکر ان کی دبی ہوئی شرائط کو کیوں مانیں؟ لیکن جب حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل دیکھا تو سارے جذبات ٹھنڈے پڑ گئے۔

لیڈر اور قائد کیسا ہو؟

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ بڑی پیاری بات فرمایا کرتے تھے، وہ یہ کہ لیڈر اور قائد وہ ہوتا ہے جو عوام کو جس طرح جوش دلا کر چڑھائے، اسی طرح ان کا جوش اُتار بھی سکے، یہ نہ ہو کہ بانس پر چڑھا تو دیا، لیکن جب اُتارنے کا وقت آیا تو خود بے قابو ہوگئے۔ عوام کے اندر جوش و خروش پیدا کردیا اور اس کے نتیجے میں لوگ قابو سے باہر ہوگئے، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پھر قائد عوام کے پیچھے چلتا ہے اور عوام جو کہتی ہے وہی وہ کرتا ہے،

حالانکہ قائد کا کام تو رہنمائی کرنا ہے، اگر لوگ غلط راستے پر جارہے ہیں تو ان کی رہنمائی کرے، لہٰذا قائد وہ ہے جو عوام کو جوش دلا کر چڑھائے تو اُتار بھی سکے۔

قائد ہو تو ایسا

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جذبۂ جہاد پیدا فرمایا، لیکن جب جہاد کا موقع نہیں تھا، جیسے صلح حدیبیہ کے موقع پر تو پھر ان کو اس طرح اُتار دیا کہ ایک صحابی نے بھی اس موقع پر ایک تلوار نہیں لہرائی۔ اس سے پتہ چلا کہ دین درحقیقت اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی اتباع کا نام ہے، اس وقت مجھ سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کیا مطالبہ ہے؟ اس مطالبے کو پورا کرنے کا نام دین ہے، اپنے جذبات اور اپنا شوق پورا کرنے کا نام دین نہیں۔ جو اللہ تعالیٰ نے کہا وہ کرو۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کا نمونہ بن کر دکھادیا کہ جب غزوہ بدر اور غزوہ اُحد میں فداکاری اور جانثاری کا موقع آیا تو وہاں پہاڑوں کی مانند ڈٹ گئے اور جہاں پیچھے ہٹنے کا موقع آیا جیسے صلحِ حدیبیہ پر تو وہاں پر حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے عین مطابق پیچھے ہٹ گئے۔ اسی کا نام دین ہے۔ بہرحال! بات یہ چل رہی تھی کہ مشورہ چھوٹوں سے بھی ہوتا ہے۔

مشورہ پر عمل ضروری نہیں

مشورہ کے بارے میں ایک اور مسئلہ سنیے! وہ یہ کہ مشورہ لینے کا مقصد کیا ہوتا ہے؟ مشورہ لینے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ایک صاحبِ بصیرت شخص کی رائے سامنے آجائے، لیکن جس نے مشورہ لیا ہے وہ آپ کے مشورے پر عمل کرنے کا پابند نہیں ہے، بلکہ اس کو اختیار ہے اگر اس کے دل میں وہ مشورہ اُتر جائے تو اس

پر عمل کرے اور اگر اس کے دل میں یہ خیال آرہا ہے کہ یہ مشورہ تو مناسب معلوم نہیں ہورہا ہے تو اس مشورے پر عمل نہ کرے، شرعی اعتبار سے اس کو اختیار ہے۔ اب مثلاً فرض کریں کہ آپ نے کسی بات پر مشورہ دیا اور اس نے اس مشورے پر عمل نہیں کیا تو اس میں ناراض ہونے کی کوئی بات نہیں کہ اس نے ہماری بات نہیں رکھی اور ہماری بات نہیں مانی یا ہمارا مشورہ قبول نہیں کیا، اس لیے کہ مشورے کا مقصد تو آپ کی رائے معلوم کرنی تھی، وہ معلوم ہوگئی، اب اس کو اختیار ہے چاہے اس مشورے پر عمل کرے اور چاہے عمل نہ کرے۔

حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ کون اس دنیا میں صاحب الرائے ہوگا، لیکن ایک صحابیہ تھیں حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا یہ پہلے باندی تھیں، بعد میں مسلمان ہوگئی تھیں، ان کے آقا نے ان کا نکاح حضرت مغیث رضی اللہ عنہ سے کردیا تھا۔ شریعت کا اُصول یہ ہے کہ جب کوئی عورت کسی کی باندی ہو تو آقا اس کا ولی اور سرپرست ہوتا ہے اور آقا کو اختیار ہوتا ہے کہ اپنی باندی کا جس سے چاہے نکاح کردے، وہ باندی منع نہیں کرسکتی۔ بہرحال! آقا نے ان کا نکاح کردیا اور کچھ عرصہ کے بعد آقا نے ان کو آزاد کردیا اور شریعت کا دوسرا حکم یہ ہے کہ اگر باندی آزاد کردی جائے اور آقا نے اس کا نکاح پہلے کسی سے کر رکھا ہو تو باندی کو آزادی کے بعد اختیار ملتا ہے کہ چاہے اس نکاح کو برقرار رکھے یا چاہے تو ختم کردے، چنانچہ جب حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا آزاد ہوئیں تو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شریعت کا یہ حکم حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو بتادیا کہ اب تمہیں اختیار ہے کہ چاہو تو اپنے شوہر کے نکاح میں رہو اور چاہو تو علیحدگی اختیار کرلو۔ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا اپنے شوہر

سے خوش نہیں تھیں، اس لیے انہوں نے علیحدگی اختیار کرنے کا ارادہ کرلیا، ان کے شوہر حضرت مغیث رضی اللہ عنہ کو ان سے بہت محبت تھی، وہ یہ چاہتے تھے کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا اس نکاح کو ختم نہ کریں، بلکہ باقی رکھیں۔

حضرت مغیث رضی اللہ عنہ کی حالت زار

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ وہ منظر ابھی تک میری آنکھوں کے سامنے ہے کہ مدینہ منورہ کی گلیوں میں حضرت مغیث رضی اللہ عنہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے پیچھے جارہے ہوتے تھے اور ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہوتے تھے اور ان سے کہہ رہے ہوتے تھے کہ خدا کے لیے میرے ساتھ نکاح کو ختم نہ کریں، لیکن حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا نہیں مان رہی تھیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم ہے یا مشورہ ہے؟

بالآخر حضرت مغیث رضی اللہ عنہ نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جاکر عرض کیا کہ یارسول اللہ! میں یہ چاہتا ہوں کہ حضرت بریرہ نکاح ختم نہ کریں، لیکن ان کا ارادہ ختم کرنے کا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کچھ سفارش فرمادیں کہ یہ میرے ساتھ نکاح کو برقرار رکھیں۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو بلایا اور ان سے فرمایا کہ تم ان کے ساتھ نکاح کیوں برقرار نہیں رکھتیں، اس نکاح کو برقرار رکھو۔ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا نے سوال کیا کہ حضور! آپ یہ جو فرمارہے کہ اس نکاح کو برقرار رکھو، یہ آپ کا مشورہ ہے یا حکم ہے؟ اگر حکم ہے تو مجھے سرتابی کرنے کی مجال نہیں، پھر تو یقیناً اس حکم کو مانوں گی اور اس نکاح کو برقرار رکھوں گی۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ میرا حکم نہیں ہے، بلکہ مشورہ ہے۔

حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: پھر تو میں آزاد ہوں کہ اس مشورے کو قبول کروں یا نہ کروں۔ بات یہ ہے کہ ان کے ساتھ میری زندگی گزارنی مشکل ہے، اس لیے میں ان سے علیحدگی اختیار کرتی ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ٹھیک ہے[1]۔

صحابیات کی فراست

اب آپ صحابیات کی فہم وفراست دیکھیے! ایک طرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت کا بھی حق ادا فرمایا اور آپ سے یہ پوچھ لیا کہ اگر آپ کا یہ حکم ہے تو پھر اپنی رائے، اپنی خواہش، اپنے جذبات، ہر چیز کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر قربان کردوں گی، لیکن اگر آپ کا مشورہ ہے تو مشورہ کے اندر شریعت نے اختیار دیا ہے کہ چاہے مشورہ پر عمل کریں یا عمل نہ کریں، لہٰذا مشورہ کی صورت میں اپنی رائے کو اختیار کروں گی، چنانچہ خود حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اس بات کو بُرا نہیں منایا اور یہ نہیں فرمایا کہ اے بریرہ! تم نے ہمارے مشورے کو بھی نہیں مانا؟ ہمارے مشورے کو قبول نہیں کیا؟ کوئی بُرا نہیں منایا، بلکہ ایک اعتبار سے ان کے اس فعل کی توثیق فرمائی۔

''حکم'' اور ''مشورے'' میں فرق

اور شریعت کا یہ حکم بتادیا کہ جب کوئی بڑا کسی کام کو کہے تو پہلے یہ اندازہ کرلو کہ آیا وہ حکم دے رہا ہے یا مشورہ دے رہا ہے؟ اگر حکم دے رہا ہے تو اس کی بات ماننی چاہیے، مثلاً باپ یا استاد یا شیخ کسی بات کا حکم دے رہے ہیں، تو

---

(۱) صحیح البخاری ۴۸/۷ (۵۲۸۳) وسنن النسائی ۲۴۵/۸ (۵۴۱۷)۔

ان کی بات ماننی چاہیے، لیکن اگر مشورہ دے رہے ہیں تو مشورے کے اندر دونوں راستے کھلے ہیں، لہٰذا جب حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا مشورہ نہ ماننے پر بُرا نہیں منایا تو ہم اور آپ کیوں بُرا مناتے ہیں کہ ہم نے فلاں کو یہ مشورہ دیا تھا، لیکن ہمارا مشورہ نہیں مانا گیا۔

خوب سمجھ لیجیے کہ دوسرے کو مشورہ دیتے وقت یہ ذہن میں نہ رکھیں کہ وہ ہمارا مشورہ مانتا ہے یا نہیں مانتا۔ بس اپنی طرف سے آپ صرف اس بات کے مکلف ہیں کہ دیانتدارانہ طور پر اس کی خیر خواہی کو مدنظر رکھتے ہوئے جو مشورہ دینا چاہیں وہ دے دیں، آگے اس کو اختیار ہے اور آپ سے آخرت میں یہ سوال نہیں ہوگا کہ اس نے آپ کے مشورے پر کیوں عمل نہیں کیا، اللہ تعالیٰ نے آپ کو داروغہ نہیں بنایا ہے، آپ کا فرض ادا ہوگیا، اب اس کا کام ہے کہ وہ اس پر عمل کرے یا نہ کرے، چاہے وہ چھوٹا ہو یا بڑا ہو۔

خلاصہ

یہ مشورے کے آداب ہیں جو ہمیں قرآنِ کریم نے سکھائے ہیں، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت نے ہمیں سکھائے ہیں۔ ان کو مدنظر رکھتے ہوئے مشورہ لیا جائے اور مشورہ دیا جائے تو اللہ تعالیٰ اس میں برکت عطا فرماتے ہیں، پھر اس مشورے سے کوئی فتنہ پیدا نہیں ہوتا، اس سے کوئی ناچاقی، عداوت اور اختلافات پیدا نہیں ہوتے، لیکن جب ان احکام کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے تو پھر لوگوں کے درمیان اس کی وجہ سے ناچاقیاں اور عداوتیں پیدا ہوجاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان احکام پر عمل کرنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین

مومن ایک آئینہ ہے

(اصلاحی خطبات ۸ / ۲۹۴)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مومن ایک آئینہ ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ، وَأَشْهَدُ اَنْ لَّا إِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا۔ أَمَّا بَعْدُ!

عن ابی ہریرة رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:

«المؤمن مرأة المومن»(۱)

(۱) الادب المفرد للبخاری ص۹۳ (۲۳۸) وسنن ابی داود ۲۸۰/۴ (۴۹۱۸) وقال المنذری فی ''مختصره'' ۳۴۴/۳: في إسناده: كثير بن زيد، أبو محمد المدني، مولى الأسلميين. قال ابن معين: ليس بذاك القوي، وقال مرة: ثقة، وقال مرة: صدوق، فيه لين، وقال مرة: ليس بشيء. وقال أبو حاتم الرازي: ليس بالقوي، يكتب حديثه، وقال النسائي: =

ایک مومن دوسرے مومن کے لیے آئینہ ہے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک مومن دوسرے مومن کے لیے آئینہ ہے۔ یہ حدیث اگرچہ بہت مختصر ہے اور صرف تین الفاظ پر مشتمل ہے، لیکن اس حدیث میں ہمارے اور آپ کے لیے تعلیمات کی ایک دنیا پوشیدہ ہے۔ اس حدیث کا ظاہری مفہوم تو یہ ہے کہ جس طرح ایک انسان جب آئینے کے سامنے کھڑا ہوتا ہے تو اس آئینے کے اندر اپنی شکل نظر آتی ہے اور وہ آئینہ شکل وصورت کی تمام اچھائیاں اور برائیاں اس انسان کو بتا دیتا ہے کہ کیا اچھائی ہے اور کیا برائی ہے۔ اس لیے کہ بہت سی برائیاں ایسی ہوتی ہیں جو انسان کو خود معلوم نہیں ہوتیں، لیکن آئینہ بتادیتا ہے کہ تمہارے اندر یہ خرابی ہے۔ مثلاً اگر تمہارے چہرے پر سیاہ داغ لگا ہوا ہے تو وہ آئینہ بتادے گا کہ تمہارے چہرے پر سیاہ داغ لگا ہوا ہے۔ اسی طرح ایک مومن بھی دوسرے مومن کے لیے آئینہ ہے کہ اگر ایک مومن میں کوئی خرابی یا برائی یا عیب ہے تو دوسرا مومن اس کو بتادے گا کہ تمہارے اندر یہ خرابی یا یہ برائی ہے، تم اس کو دور کرلو۔ اس کی اصلاح کرلو۔ اس بتانے کے نتیجے میں وہ اس خرابی کو دور کرنے کی فکر میں لگ جاتا ہے۔ یہ ہے اس حدیث کا مطلب کہ ایک مومن دوسرے مومن کے لیے آئینہ ہے۔

= ضعیف. (طبع مکتبة المعارف)۔ورواه الطبرانی فی "الاوسط" ٣٢٥/٢ (٢١١٤) والبزار كما فی "كشف الاستار" ١٠٣/٤ (٣٢٩٧) كلاهما من حديث أنس بن مالك رضي الله عنه وقال الهيثمی فی "المجمع" ٥٢١/٧ (١٢١٢٠): رواه البزار والطبراني في الأوسط، وفيه عثمان بن محمد من ولد ربيعة بن أبي عبد الرحمن، قال ابن القطان: الغالب على حديثه الوهم، وبقية رجاله ثقات. وذكره المناوي في "التيسير بشرح الجامع الصغير" ٤٥١/٢ قال: بإسناد حسن.

تمہاری غلطی بتانے والا تمہارا محسن ہے

اس حدیث شریف میں دونوں کے لیے سبق ہے، جو شخص دوسرے کے اندر خرابی دیکھ کر اس کو بتاتا ہے کہ تمہارے اندر یہ خرابی ہے، اس کے لیے بھی سبق ہے اور جس شخص کو بتایا جارہا ہے اس کے لیے بھی اس حدیث میں سبق ہے۔ لہٰذا جس شخص کو یہ بتایا جا رہا ہے کہ تمہارے اندر یہ خرابی ہے، اس کو دور کرلو، اس کے لیے اس حدیث میں یہ سبق ہے کہ وہ خرابی بتانے والے پر ناراض نہ ہو، کیونکہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مومن کو آئینہ سے تشبیہ دی ہے کہ ایک مومن دوسرے مومن کے لیے آئینہ ہے، اگر کوئی شخص آئینے کے سامنے کھڑا ہو جائے اور آئینہ یہ بتادے کہ تمہارے چہرے پر فلاں قسم کا داغ دھبّہ لگا ہوا ہے، اس کو دور کرلو تو وہ شخص اس آئینے سے ناراض نہیں ہوتا اور اس پر غصہ نہیں کرتا کہ تم نے یہ مجھے داغ دھبہ کیوں بتایا، بلکہ وہ شخص اس آئینہ کا احسان مند ہوتا ہے۔ کہ اچھا ہوا کہ تم نے میرے چہرے کا داغ بتادیا، اب میں اس کو صاف کرلوں گا، بالکل اسی طرح ایک مومن بھی دوسرے مومن کے لیے آئینہ ہے۔ اگر تمہارا ایک مومن بھائی تمہیں بتارہا ہے کہ تمہارے اندر یہ برائی یا یہ عیب ہے یا تمہاری نماز کے اندر یہ غلطی ہے یا تمہارے معاملات میں یہ غلطی ہے تو تمہیں اس کے کہنے کا برا نہیں ماننا چاہیے اور اس پر غصہ نہیں کرنا چاہیے کہ اس نے تمہیں یہ عیب کیوں بتایا؟ اور اس سے ناراض نہیں ہونا چاہیے، بلکہ اس کا احسان سمجھنا چاہیے کہ اس نے تمہیں تمہاری غلطی بتادی اور یہ کہنا چاہیے کہ اب ان شاء اللہ میں اپنی اصلاح کی فکر کروں گا اور اس عیب کو دور کرنے کی کوشش کروں گا۔

غلطی بتانے والے علماء پر اعتراض کیوں

آج کل لوگ علماءِ کرام پر ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ یہ علماء تو ہر ایک کو کافر اور فاسق بناتے رہتے ہیں۔ کسی پر کفر کا فتویٰ لگادیا، کسی پر فاسق ہونے کا فتویٰ لگادیا، کسی پر بدعتی ہونے کا فتویٰ لگادیا۔ ان کی ساری عمر اسی کام میں گزرتی ہے کہ دوسروں کو کافر بناتے رہتے ہیں۔ اس کے جواب میں حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علماء لوگوں کو کافر بناتے نہیں، بلکہ کافر بتاتے ہیں۔ جب کسی شخص نے کفر کا ارتکاب کرلیا تو اصل میں تو خود اس شخص نے کفر کا ارتکاب کیا۔ اس کے بعد علماء کرام یہ بتاتے ہیں کہ تمہارا یہ عمل کفر ہے۔ جس طرح آئینہ تمہیں بتاتا ہے کہ تم بدصورت ہو، تمہارے چہرے پر دھبہ لگا ہوا ہے۔ وہ آئینہ بناتا نہیں اور نہ داغ دھبّہ لگاتا ہے، اسی طرح علماءِ کرام بھی یہ بتاتے ہیں کہ تم نے جو عمل کیا ہے، وہ کفر کا عمل ہے یا فسق کا عمل ہے۔ لہٰذا جس طرح آئینہ کو برا بھلا نہیں کہا جاتا اور نہ آئینہ پر الزام لگایا جاتا ہے کہ آئینہ نے میرے چہرے پر داغ لگادیا۔ بالکل اسی طرح علماء پر بھی یہ الزام نہیں لگانا چاہیے کہ انہوں نے کافر یا فاسق بنادیا اور ان پر ناراضگی کا اظہار نہیں کرنا چاہیے، بلکہ ان کا احسان ماننا چاہیے کہ انہوں نے ہمارا عیب بتادیا۔ اب ہم اس کی اصلاح کریں گے۔

ڈاکٹر بیماری بتاتا ہے، بیمار نہیں بناتا

مثلاً بعض اوقات ایک انسان کو اپنی بیماری کا علم نہیں ہوتا کہ میرے اندر فلاں بیماری ہے، لیکن جب وہ کسی طبیب اور ڈاکٹر کے پاس جاتا ہے وہ ڈاکٹر

بتا دیتا ہے کہ تمہارے اندر یہ بیماری ہے۔ اب ڈاکٹر کو یہ نہیں کہا جائے گا کہ تم نے اس شخص کو بیمار بنا دیا، بلکہ یہ کہا جائے گا: ''جو بیماری خود تمہارے اندر پہلے سے موجود تھی اور تم اس کی طرف سے غافل تھے۔ ڈاکٹر نے بتا دیا کہ تمہارے اندر یہ بیماری ہے۔ اس کا علاج کرلو۔''

ایک نصیحت آموز واقعہ

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا یہ واقعہ سنایا کہ ایک مرتبہ میرے والد ماجد (یعنی میرے دادا بیمار) تھے، دیو بند میں قیام تھا اس وقت دہلی میں ایک حکیم نابینا مشہور تھے اور بہت حاذق و ماہر حکیم تھے، ان کا علاج چل رہا تھا۔ میں دیوبند سے دہلی گیا تاکہ والد صاحب کا حال بتا کر دوا لے لوں گا، چنانچہ میں ان کے مطب میں پہنچا اور حضرت والد صاحب کا حال بتایا اور کہا کہ ان کی دوا دے دیں۔ حکیم صاحب نابینا تھے۔ جب انہوں نے میری آواز سنی تو فرمایا کہ میں تمہارے والد صاحب کی دوا تو بعد میں دوں گا، پہلے تم اپنی دوا لو۔ میں نے کہا کہ میں ٹھیک ٹھاک ہوں، کوئی بیماری نہیں ہے۔ حکیم صاحب نے فرمایا کہ نہیں! یہ تم اپنی دوا لو۔ صبح یہ کھانا، دوپہر یہ کھانا اور شام کو یہ کھانا اور جب ایک ہفتہ کے بعد آؤ تو اپنا حال بیان کرنا۔ چنانچہ انہوں پہلے میری دوا دی اور پھر والد صاحب کی دوا دی۔ جب میں گھر واپس آیا تو والد صاحب کو بتایا کہ حکیم صاحب نے اس طرح مجھے بھی دوا دے دی ہے۔ والد صاحب نے فرمایا کہ جس طرح حکیم صاحب نے فرمایا ہے، اسی طرح کرو اور ان کی دوا استعمال کرو۔

جب ایک ہفتہ کے بعد دوبارہ حکیم صاحب کے پاس گیا تو میں نے عرض

کیا کہ حکیم صاحب! اب تک یہ فلسفہ سمجھ نہیں آیا اور نہ کوئی بیماری معلوم ہوئی۔ حکیم صاحب نے فرمایا کہ گزشتہ ہفتہ جب تم آئے تھے تو تمہاری آواز سن کر مجھے اندازہ ہوا کہ تمہارے پھیپھڑوں میں خرابی ہوگئی ہے اور اندیشہ ہے کہ کہیں آگے چل کر ٹی بی کی شکل اختیار نہ کرلے۔ اس لیے میں نے تمہیں دوا دی اور اب الحمد للہ! تم اس بیماری سے بچ گئے۔ دیکھیے! بیمار کو پتہ نہیں ہے کہ مجھے کیا بیماری ہے اور معالج اور ڈاکٹر کا یہ بتانا کہ تمہارے اندر یہ بیماری ہے، یہ اس کا احسان ہے، لہٰذا یہ نہیں کہا جائے گا کہ ڈاکٹر نے بیمار بنادیا، بلکہ اس نے بتادیا کہ تمہارے اندر یہ بیماری پیدا ہورہی ہے، تاکہ تم علاج کرلو۔ اب اس بتانے کی وجہ سے ڈاکٹر پر غصہ کرنے اور اس سے ناراض ہونے کی ضرورت نہیں۔

بیماری بتانے والے پر ناراض نہیں ہونا چاہیے

البتہ بتانے کے طریقے مختلف ہوتے ہیں، کسی نے آپ کے عیب اور آپ کی خرابی کو اچھے طریقے سے بتادیا اور کسی نے بے ڈھنگے طریقے سے بتادیا، لیکن اگر کسی نے آپ کی برائیاں ایسے طریقے سے آپ کو بتائیں جو طریقہ مناسب نہیں تھا، تب بھی اس نے تمہاری ایک بیماری پر تمہیں مطلع کیا، اس لیے تمہیں اس کا احسان ماننا چاہیے۔ عربی کے ایک شعر کا مفہوم یہ ہے کہ

> ”میرا سب سے بڑا محسن وہ ہے جو میرے پاس میرے عیوب کا ہدیہ پیش کرے۔ جو مجھے بتائے کہ میرے اندر کیا عیب ہے۔“

جو شخص تعریف کر رہا ہے کہ تم ایسے ہو اور ویسے ہو اور اس کو بڑھا چڑھا رہا

ہے، جس کے نتیجے میں دل میں کبر اور غرور پیدا ہو رہا ہے، یہ بظاہر تو دیکھنے میں اچھا معلوم ہو رہا ہے، لیکن حقیقت میں وہ نقصان پہنچا رہا ہے، لیکن جو شخص تمہارے عیوب بیان کر رہا ہے، اس کا احسان مانو۔

بہر حال! یہ حدیث ایک طرف تو یہ بتا رہی ہے کہ اگر کوئی شخص تمہیں تمہاری غلطی بتائے تو اس پر ناراض ہونے کے بجائے اس کے بتانے کو اپنے لیے غنیمت سمجھو، جس طرح آئینہ کے بتانے کو غنیمت سمجھتے ہو۔

غلطی بتانے والا لعنت ملامت نہ کرے

اس حدیث میں دوسرا سبق غلطی بتانے والے کے لیے ہے۔ اس میں غلطی بتانے والے کو آئینہ سے تشبیہ دی ہے اور آئینہ کا کام یہ ہوتا ہے کہ جب کوئی شخص اس کے سامنے کھڑا ہوتا ہے تو وہ یہ بتا دیتا ہے کہ تمہارے چہرے پر اتنا بڑا داغ لگا ہوا ہے اور اس بتانے میں نہ تو وہ کمی زیادتی کرتا ہے اور نہ اس شخص پر لعنت ملامت کرتا ہے کہ یہ داغ کہاں سے لگالیا، بلکہ صرف داغ بتا دیتا ہے۔ اسی طرح غلطی بتانے والا مومن بھی آئینہ کی طرح صرف اتنی غلطی اور عیب بتائے جتنا اس کے اندر واقعتاً موجود ہے۔ اس کو بڑھا چڑھا کر نہ بتائے اور اس بتانے میں مبالغہ نہ کرے اور اسی طرح صرف اس کو بتا دے کہ تمہارے اندر یہ عیب ہے، لیکن اس کو اس کے عیب پر لعنت اور ملامت شروع کر دے اور لوگوں کے سامنے اس کو ذلیل کرنا شروع کر دے، یہ مومن کا کام نہیں ہے۔ اس لیے کہ مومن تو آئینہ کی طرح ہے۔ اس لیے اتنی غلطی بتائے جتنی اس کے اندر ہے۔ اس پر لعنت ملامت نہ کرے۔

غلطی کرنے والے پر ترس کھاؤ

اور جب ایک مومن دوسرے مومن کو غلطی بتاتا ہے کہ تو اس پر ترس کھاتا ہے کہ یہ بے چارہ اس غلطی کے اندر مبتلا ہوگیا۔ جس طرح ایک شخص بیمار ہے تو وہ بیمار ترس کھانے کے لائق ہے، وہ غصے کا محل نہیں۔ کوئی شخص اس بیمار پر غصہ نہیں کرے گا کہ تو کیوں بیمار ہوگیا، بلکہ اس پر ترس کھائے گا اور اس کو علاج کرنے کا مشورہ دے گا۔ اسی طرح ایک مومن غلطی اور گناہ کے اندر مبتلا ہے تو وہ ترس کھانے کے لائق ہے، وہ غصہ کرنے کا محل نہیں ہے۔ اس کو پیار سے اور نرمی سے بتادو کہ تمہارے اندر یہ خرابی ہے تاکہ اس کی اصلاح کرلے، اس پر غصہ یا لعنت ملامت مت کرو۔

غلطی کرنے والے کو ذلیل مت کرو

آج کل ہمیں اس بات کا بھی خیال نہیں آتا کہ دوسرے مومن کو اس کی غلطی پر متنبہ کرنا بھی ایک فریضہ ہے۔ اگر ایک مسلمان غلط طریقے سے نماز پڑھ رہا ہے اور تمہیں معلوم ہے کہ یہ طریقہ غلط ہے تو تم پر فرض ہے کہ اس کو اس غلطی کے بارے میں بتادو، اس لیے کہ یہ بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے اندر داخل ہے اور یہ ہر آدمی پر فرض ہے۔ آج کل کسی کو اس بات کا احساس بھی نہیں ہوتا کہ اس کو غلطی بتادوں، بلکہ یہ سوچتا ہے کہ غلط پڑھ رہا ہے تو پڑھنے دو اور اگر کسی کو غلطی بتانے کا احساس ہوتا بھی ہے تو یہ احساس اتنی شدّت سے ہوتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو خدائی فوجدار سمجھ بیٹھتا ہے، چنانچہ جب وہ دوسروں کو ان کی غلطی بتاتا ہے تو ان پر ڈانٹ ڈپٹ شروع کردیتا ہے۔ حالانکہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا کہ تم آئینہ ہو، تم لعنت ملامت اور ڈانٹ ڈپٹ مت کرو۔ نہ اس کو ذلیل اور رسوا کرو، بلکہ اس کو ایسے طریقے سے بتاؤ کہ اس کے دل میں تمہاری بات اتر جائے۔

حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کا ایک واقعہ

واقعہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما دونوں غالباً دریائے فرات کے کنارے سے گزر رہے تھے۔ ان دونوں نے دیکھا کہ دریا کے کنارے پر ایک بڑے میاں وضو کر رہے ہیں، لیکن غلط طریقے سے کر رہے ہیں۔ ان کو خیال آیا کہ ان کو غلطی بتانی چاہیے۔ اس لیے کہ یہ بھی ایک دینی فریضہ ہے کہ دوسروں کی غلطی کو بتایا جائے، لیکن وہ بڑے ہیں اور ہم چھوٹے ہیں، ان کو کس طریقے سے بتائیں کہ ان کا دل نہ ٹوٹے اور ناراض نہ ہو جائیں، چنانچہ دونوں نے مشورہ کیا اور پھر دونوں مل کر بڑے میاں کے پاس گئے اور جا کر بیٹھ گئے۔ باتیں کرتے رہے۔ پھر کہا کہ آپ ہمارے بڑے ہیں۔ ہم جب وضو کرتے ہیں تو ہمیں شبہ رہتا ہے کہ معلوم نہیں کہ ہمارا وضو سنت کے مطابق ہوا یا نہیں؟ اس لیے ہم آپ کے سامنے وضو کرتے ہیں، آپ ذرا دیکھیں کہ ہمارے وضو میں کوئی بات غلط اور خلاف سنت تو نہیں ہے؟ اگر ہو تو بتا دیجیے گا، چنانچہ دونوں بھائیوں نے ان کے سامنے وضو کیا۔ پھر وضو کے بعد ان سے پوچھا کہ اب بتایئے کہ ہم نے اس میں کوئی غلطی تو نہیں کی۔ بڑے میاں کو اپنی غلطی کا احساس ہوا کہ میں نے جس طریقے سے وضو کیا تھا وہ غلط تھا اور ان کا طریقہ صحیح ہے۔ بڑے میاں نے کہا کہ بات دراصل یہ ہے کہ میں نے

ہی غلط طریقے سے وضو کیا تھا، اب تمہارے بتانے سے بات واضح ہوگئی۔ اب ان شاء اللہ صحیح طریقہ سے وضو کروں گا(۱)۔ یہ ہے وہ طریقہ جس کا اس آیتِ کریمہ میں حکم دیا ہے کہ

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ(۲)

یعنی اپنے پروردگار کے راستے کی طرف حکمت سے بلاؤ، کوئی خدائی فوجدار نہیں ہو کہ تمہیں اللہ تعالیٰ نے داروغہ بنادیا ہو کہ لوگوں کو ڈانٹتے پھرو اور ان کو ذلیل کرتے پھرو، بلکہ تم آئینہ ہو اور جس طرح آئینہ صرف حقیقت حال بتادیتا ہے، ڈانٹ ڈپٹ اور سختی نہیں کرتا، اسی طرح تمہیں بھی کرنا چاہیے۔ یہ سبق بھی اس حدیث ''المؤمن مرأۃ المؤمن'' سے نکل رہا ہے۔

ایک کا عیب دوسرے کو نہ بتایا جائے

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کے تحت ایک نکتہ بیان فرمایا ہے کہ آئینے کا کام یہ ہے کہ جو شخص اس کے سامنے آئے گا اور اس کے اوپر کوئی عیب ہوگا تو وہ آئینہ صرف اسی شخص کو بتائے گا کہ تمہارے اندر یہ عیب ہے۔ وہ آئینہ دوسروں سے نہیں کہے گا کہ فلاں شخص میں یہ عیب ہے اور نہ اس عیب کا دوسروں کے سامنے چرچا اور تشہیر کرے گا۔ اسی طرح مومن بھی ایک آئینہ ہے۔ جب وہ دوسرے کے اندر کوئی عیب دیکھے

(۱) ھامش فیض القدیر للمناوی ۳۲۷/۲ طبع المکتبۃ التجاریۃ الکبری۔
(۲) سورۃ النحل آیت (۱۲۵)۔

توصرف اسی کو خلوت میں خاموشی سے بتادے کہ تمہارے اندر یہ عیب ہے، باقی دوسروں سے جاکر کہنا کہ فلاں کے اندر یہ عیب اور یہ غلطی ہے اور اس غلطی کا دوسروں کے سامنے چرچا کرنا، یہ مومن کا کام نہیں، بلکہ یہ تو نفسانیت کا کام ہے۔ اگر دل میں یہ خیال ہے کہ میں اللہ کو راضی کرنے کے لیے اس کا یہ عیب بتارہا ہوں تو کبھی بھی وہ شخص دوسروں کے سامنے اس کا تذکرہ نہیں کرے گا۔ البتہ اگر دل میں نفسانیت ہوگی تو وہاں یہ خیال آئے گا کہ میں اس عیب کی وجہ سے اس کو ذلیل اور رسوا کردوں۔ جب کہ مسلمانوں کو ذلیل اور رسوا کرنا حرام ہے۔

ہمارا طرزِ عمل

آج ہم اپنے معاشرے میں ذرا جائزہ لے کر دیکھیں تو ایسے لوگ بہت کم نظر آئیں گے جو دوسروں کی غلطی دیکھ کر اس کو خیر خواہی سے بتادیں کہ تمہاری یہ بات مجھے پسند نہیں آئی، یہ بات شریعت کے خلاف ہے، لیکن اس کی غلطی کا تذکرہ مجلسوں میں کرنے والے بے شمار نظر آئیں گے۔ جس کے نتیجے میں غیبت کے گناہ میں مبتلا ہورہے ہیں۔ افتراء اور بہتان کے گناہ میں مبتلا ہورہے ہیں۔ مبالغہ اور جھوٹ کا گناہ ہورہا ہے اور ایک مسلمان کو بدنام کرنے کا گناہ ہورہا ہے۔ اس کے بجائے بہتر طریقہ یہ تھا کہ تنہائی میں اس کو سمجھا دیتے کہ تمہارے اندر یہ خرابی ہے، اس کو دور کرلو۔ لہٰذا جب کسی مسلمان بھائی کے اندر کوئی عیب دیکھو تو دوسروں سے مت کہو، بلکہ صرف اس سے کہو۔ یہ سبق بھی اسی حدیث ”المؤمن مراۃ المؤمن“ سے نکل رہا ہے۔

غلطی بتانے کے بعد مایوس ہو کر مت بیٹھو

اس حدیث سے ایک سبق یہ مل رہا ہے کہ آئینہ کا کام یہ ہے کہ جو شخص اس کے سامنے آکر کھڑا ہوگا تو وہ آئینہ اس شخص کا عیب اور غلطی بتادے گا کہ تمہارے اندر یہ عیب ہے، اگر دوسری مرتبہ وہ شخص آئینہ کے سامنے آئے گا تو دوسری مرتبہ بتادے گا۔ جب تیسری مرتبہ سامنے آئے گا تو تیسری مرتبہ بتادے گا، لیکن وہ آئینہ تمہارے پیچھے نہیں پڑے گا کہ اپنا یہ عیب ضرور دور کرو۔ اگر وہ شخص اپنا وہ عیب دور نہ کرلے تو وہ آئینہ روٹھ کر اور تھک ہار کر الگ ہو کر نہیں بیٹھ جائے گا کہ تم اپنا یہ عیب دور نہیں کر رہے ہو اس لیے اب میں نہیں بتاؤں گا، بلکہ وہ شخص جتنی مرتبہ بھی اس آئینے کے سامنے آئے گا وہ آئینہ ضرور بتائے گا کہ یہ عیب اب بھی موجود ہے وہ بتانے سے باز نہیں آئے گا اور بد دل بھی نہیں ہوگا اور داروغہ بن کر یہ نہیں کہے گا کہ یہ شخص جب تک اپنا عیب دور نہیں کرے گا اس وقت تک اس سے تعلقات نہیں رکھوں گا۔

انبیاء علیہم السلام کا طرزِ عمل

یہی انبیاء علیہم السلام کا طریقہ ہے کہ وہ بد دل ہو کر اور ہار کر نہیں بیٹھ جاتے، بلکہ جب بھی موقع ملتا ہے اپنی بات کہے جاتے ہیں، لیکن اپنے آپ کو داروغہ نہیں سمجھتے۔ قرآن کریم نے فرمایا:

لَسۡتَ عَلَيۡهِمۡ بِمُصَيۡطِرٍ (۱)

(۱) سورۃ الغاشیۃ آیت (۲۲)۔

یعنی آپ کو داروغہ بنا کر نہیں بھیجا گیا، بلکہ آپ کا کام صرف پہنچا دینا ہے۔ بس جو غلطی کرے اس کو بتادو اور اس کو متنبہ کردو۔ اب اس کا کام یہ ہے کہ وہ عمل کرے اور اگر وہ عمل نہیں کرتا تو دوبارہ بتادو۔ تیسری مرتبہ بتادو، لیکن مایوس ہوکر اور ناراض ہوکر نہ بیٹھ جاؤ کہ یہ شخص مانتا ہی نہیں۔ اب اس کو کیا بتائیں۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ امت پر بہت زیادہ مہربان تھے۔ اس لیے جب کفار اور مشرکین آپ کی بات نہیں مانتے تھے تو آپ کو شدید صدمہ ہوتا تھا، اس پر قرآنِ کریم میں یہ آیت نازل ہوئی۔

"لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ"[(۱)]

کیا آپ اپنی جان کو ہلاکت میں ڈال دیں گے اس صدمہ کی وجہ سے کہ وہ ایمان کیوں نہیں لاتے؟ آپ کا یہ فریضہ نہیں ہے۔ آپ کا کام صرف بات پہنچا دینا ہے، ماننے یا نہ ماننے کی ذمہ داری آپ پر نہیں۔

یہ کام کس کے لیے کیا تھا؟

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ دعوت وتبلیغ کرنے والے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والے کا کام یہ ہے کہ وہ اپنے کام میں لگا رہے۔ لوگوں کو نہ ماننے کی وجہ سے چھوڑ کر نہ بیٹھ جائے۔ مایوس ہوکر یا ناراض ہوکر یا غصہ ہوکر نہ بیٹھ جائے کہ میں نے تو بہت سمجھایا، لیکن انہوں نے میری بات نہیں مانی، لہٰذا اب میں نہیں کہوں گا۔ ایسا نہ کرے، بلکہ یہ سوچے کہ میں نے یہ کام کس کے لیے کیا تھا؟ اللہ تعالیٰ کو راضی

(۱) سورۃ الشعراء آیت (۳)۔

کرنے کے لیے کیا تھا۔ آئندہ بھی جتنی مرتبہ کروں گا، اللہ کو راضی کرنے کے لیے کروں گا اور ہر مرتبہ مجھے کہنے کا اجر و ثواب مل جائے گا۔ اس لیے میرا تو مقصد حاصل ہوگیا ہے۔ اب دوسرا مان رہا ہے یا نہیں مان رہا ہے، اس سے میرا براہ راست کوئی تعلق نہیں ہے۔ وہ تو اللہ تعالیٰ کا معاملہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کس کو ہدایت دیتے ہیں اور کس کو ہدایت نہیں دیتے۔

ماحول کی درستی کا بہترین طریقہ

حقیقت یہ ہے کہ ایک مومن اخلاص کے ساتھ بات کہتا ہے اور بار بار کہتا ہے اور ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کرتا رہے کہ یا اللہ! میرا فلاں بھائی اس گناہ کے اندر مبتلا ہے، اس کو ہدایت عطا فرما اور اس کو سیدھے راستے پر لگادے۔ جب یہ دو کام کرتا ہے، تو عموماً اللہ تعالیٰ ایسے موقع پر ہدایت عطا فرما ہی دیتے ہیں۔ اگر ہم یہ کام کرتے رہیں تو یہ وہ کام ہے کہ اس کی برکت سے سارا ماحول خود بخود سدھر سکتا ہے۔ میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ خود کار یعنی آٹو میٹک نظام ہے کہ اگر ایک مومن دوسرے مومن کو ان شرائط اور آداب کے ساتھ اس کی غلطیوں پر ٹوکتا رہے تو اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ اصلاح فرمادیتے ہیں۔

خلاصہ

بہرحال! اس حدیث میں یہ جو فرمایا کہ ایک مومن دوسرے مومن کا آئینہ ہے۔ اس سے یہ سبق ملا کہ مومن کا کام بار بار بتادینا ہے اور نہ ماننے کی صورت میں صدمہ اور غم کرنا یا ہار مان کر بیٹھ جانا مومن کا کام نہیں اور حقیقت یہ ہے کہ

جب ایک مومن اخلاص کے ساتھ بات کہتا ہے اور بار بار کہتا ہے تو ایک نہ ایک دن اس کا کہنا رنگ لاتا ہے، لہٰذا تم آئینہ بن کر کام کرو اور جب دوسرا شخص آئینہ بن کر کام کرے اور تمہیں تمہاری کوئی غلطی بتائے تو تم رنجیدہ اور ناراض مت ہونا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

سفارش شریعت کی نظر میں

(اصلاحی خطبات ۱/ ۹۵)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سفارش شریعت کی نظر میں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَاھَادِیَ لَہٗ، وَأَشْھَدُ اَنْ لَّا إِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَأَشْھَدُاَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا۔ أَمَّابَعْدُ!

عن ابی موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ قال: کان النبی ﷺ اذا جاءہ السائل أو طلبت إلیہ حاجۃ أقبل علی جلسائہ فقال: "اشفعوا تو جروا ویقضی اللہ علی لسان نبیہ ماشاء"(۱)

(۱) صحیح البخاری ۲/۱۱۳ (۱۴۳۲) وصحیح مسلم ۴/۲۰۲۶ (۲۶۲۷)

حاجت مند کی سفارش کردو

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جب کوئی حاجت مند اپنی ضرورت لے کر آتا اور اپنی ضرورت پوری کرنے کے لیے کوئی درخواست کرتا تو اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مجلس میں جو لوگ بیٹھے ہوتے تھے، آپ ان کی طرف متوجہ ہو کر فرماتے کہ تم اس حاجت مند کی مجھ سے سفارش کردو کہ ''آپ اس کی حاجت پوری کردیں'' تاکہ تمہیں بھی سفارش کا اجر و ثواب مل جائے۔ البتہ فیصلہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی زبان پر وہی کرائے گا جس کو اللہ تعالیٰ پسند فرمائیں گے۔ یعنی تمہاری سفارش کی وجہ سے کوئی غلط فیصلہ تو میں نہیں کروں گا۔ فیصلہ تو وہی کروں گا جو اللہ کی مرضی کے مطابق ہوگا، لیکن تم جب سفارش کروگے تو سفارش کرنے کا ثواب تم کو بھی مل جائے گا۔ اس لیے تم سفارش کرو۔

سفارش موجب اجر و ثواب ہے

اس حدیث میں درحقیقت اس طرف توجہ دلانا مقصود ہے کہ ایک مسلمان کے لیے کسی دوسرے مسلمان بھائی کی سفارش کرنا تاکہ اس کا کام بن جائے۔ یہ بڑے اجر و ثواب کا کام ہے اور اسی کی ترغیب دینی مقصود ہے کہ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ دوسرے مسلمان بھائی کی خیر خواہی میں لگا رہے اور اس کی حاجت روائی میں جتنی کوشش ہوسکتی ہے وہ کرے اور اس کی سفارش سے اس کا کوئی کام بن سکتا ہے تو اس کی سفارش کرے اور اس سفارش کرنے کا ان شاء اللہ اس کو اجر ملے گا۔ اس سے سفارش کے عمل کی فضیلت بیان کرنا مقصود ہے۔ اچھی

سفارش کرنا بڑا باعث اجر وثواب ہے اور اسی وجہ سے بزرگوں کے یہاں اس کا بڑا معمول رہا کہ جب کوئی حاجت مند آکر سفارش کراتا تو وہ عموماً اس کی سفارش کر دیتے۔ یہ نہیں سمجھتے تھے کہ میں نے سفارش کر کے اس پر بہت بڑا احسان کر دیا، بلکہ اپنے لیے باعث سعادت سمجھتے تھے۔

ایک بزرگ کی سفارش کا واقعہ

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مواعظ میں ایک بزرگ کا واقعہ لکھا ہے۔ غالباً حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے۔ نام صحیح طور پر یاد نہیں۔ ایک شخص ان بزرگ کی خدمت میں آیا اور کہا کہ حضرت! میرا ایک کام رکا ہوا ہے اور فلاں صاحب کے اختیار میں ہے، اگر آپ اس سے کچھ سفارش فرما دیں تو میرا کام بن جائے، تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جن صاحب کا تم نام لے رہے ہو۔ وہ میرے بہت سخت مخالف ہیں اور مجھے اندیشہ یہ ہے کہ اگر میری سفارش ان تک پہنچ گئی تو اگر وہ تمہارا کام کرتے ہوئے بھی ہوں گے تو بھی نہیں کریں گے، میں تمہاری سفارش کر دیتا، لیکن میری سفارش سے فائدہ ہونے کے بجائے الٹا نقصان ہونے کا اندیشہ ہے، لیکن وہ شخص ان بزرگ کے پیچھے ہی پڑ گیا۔ کہنے لگا بس! آپ لکھ دیجیے، اس لیے کہ اگرچہ وہ آپ کا مخالف ہے، لیکن آپ کی شخصیت ایسی ہے کہ امید ہے کہ وہ اس کو رد نہیں کریں گے، ان بزرگ نے مجبور ہوکر ان کے نام ایک پرچہ لکھ دیا، جب وہ شخص پرچہ لے کر وہاں پہنچا تو ان بزرگ کا جو خیال تھا کہ یہ میرا مخالف ہے اور کام کرتا ہوا بھی ہوگا تو نہیں کرے گا۔ وہ خیال صحیح ثابت ہوا اور بجائے اس کہ وہ اس پرچہ کی کچھ قدر کرتا یا اس پر عمل کرتا، اس اللہ کے بندے نے ان

بزرگ کو گالی دے دی، اب وہ شخص ان بزرگ کے پاس واپس آیا اور آ کر کہا کہ حضرت! آپ کی بات سچی تھی۔ واقعۃً بجائے اس کے کہ وہ اس کی قدر اور احترام کرتا، اس نے تو الٹی گالی دے دی، ان بزرگ نے فرمایا کہ اب میں اللہ تعالیٰ سے تمہارے لیے دعا کروں گا کہ اللہ تعالیٰ تمہارا کام بنا دے۔

سفارش کر کے احسان نہ جتلائے

معلوم ہوا کہ سفارش کرنا بڑے اجر و ثواب کا کام ہے، بشرطیکہ اس سے کسی اللہ کے بندے کو فائدہ پہنچانا اور ثواب حاصل کرنا مقصود ہو۔ احسان جتلانا مقصود نہ ہو کہ فلاں وقت میں نے تمہارا کام بنا دیا تھا، بلکہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا مقصود ہو کہ اللہ کے ایک بندے کے کام میں، میں نے تھوڑی سی مدد کر دی۔ تو اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ اس پر مجھے اجر و ثواب عطا فرمائیں گے۔ اس نقطہ نظر سے جو سفارش کی جائے۔ وہ بہت باعث اجر و ثواب ہے۔

سفارش کے احکام

لیکن سفارش کرنے کے کچھ احکام ہیں۔ کس موقع پر سفارش کرنا جائز ہے اور کس موقع پر جائز نہیں؟ سفارش کا مطلب کیا ہے؟ سفارش کا نتیجہ کیا ہونا چاہیے؟ کس طرح سفارش کرنی چاہیے؟ یہ ساری باتیں سمجھنے کی ہیں اور ان کے نہ سمجھنے کی وجہ سے سفارش، جو بہت اچھی چیز بھی تھی فائدہ مند اور باعث اجر و ثواب چیز تھی الٹی باعثِ گناہ بن رہی ہے اور اس سے معاشرے میں فساد پھیل رہا ہے۔ اس لیے ان احکام کو سمجھنا ضروری ہے۔

نااہل کے لیے منصب کی سفارش

پہلی بات یہ ہے کہ سفارش ہمیشہ ایسے کام کی ہونی چاہیے جو جائز اور برحق ہو۔ کسی ناجائز کام کے لیے یا ناحق کام کے لیے سفارش کسی حالت میں بھی جائز نہیں۔ ایک شخص کے بارے میں آپ جانتے ہیں کہ فلاں منصب اور فلاں عہدہ کا اہل نہیں ہے اور اس نے اس عہدہ کے حصول کے لیے درخواست دے رکھی ہے اور آپ کے پاس سفارش کے لیے آتا ہے، لیکن آپ نے صرف یہ دیکھ کر کہ یہ ضرورت مند ہے۔ سفارش لکھ دی کہ اس کو فلاں منصب پر فائز کر دیا جائے یا فلاں ملازمت اس کو دے دی جائے، تو یہ سفارش ناجائز ہے۔

سفارش، شہادت اور گواہی ہے

اس لیے کہ سفارش جس طرح اس شخص کی حاجت برآری کا ایک ذریعہ ہے۔ وہاں ساتھ ساتھ ایک شہادت اور گواہی بھی ہے۔ جب آپ کسی شخص کے حق میں سفارش کرتے ہیں تو آپ اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ میری نظر میں یہ شخص اس کام کے کرنے کا اہل ہے، لہٰذا میں آپ سے یہ سفارش کرتا ہوں کہ اس کو یہ کام دے دیا جائے۔ تو یہ ایک گواہی ہے اور گواہی کے اندر اس بات کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ وہ واقعے کے خلاف نہ ہو، اگر آپ نے اس شخص کے بارے میں لکھ دیا اور حقیقت میں وہ نااہل ہے تو گواہی حرام ہوئی اور باعث ثواب ہونے کے بجائے الٹا باعث گناہ بن گئی اور یہ ایسا گناہ ہے کہ اگر اس کی نااہلی کے باوجود آپ کی سفارش کی بنیاد پر اس کو اس عہدے پر رکھ لیا گیا اور اپنی نااہلی کی وجہ سے اس نے لوگوں کو نقصان پہنچایا، یا کوئی غلط کام کیا۔ تو

سارے نقصان اور غلط کاموں کے وبال کا ایک حصہ سفارش کرنے والے پر بھی آئے گا۔ کیونکہ اس نااہل کے اس عہدہ تک پہنچنے میں یہ سبب بنا ہے۔لہٰذا یہ سفارش بھی ہے اور گواہی بھی ہے اور ناجائز کام کے لیے سفارش کرنا اور گواہی دینا کسی طرح بھی جائز نہیں۔

ممتحن سے سفارش کرنا

کسی زمانے میں میرے پاس یونیورسٹی سے ایم اے اسلامک اسٹڈیز کے پرچے جانچنے کے لیے آجایا کرتے تھے اور میں لے بھی لیا کرتا تھا، لیکن لینے کیا شروع کیے کہ اس کے نتیجے میں لوگوں کی قطار لگ گئی، کبھی کوئی ٹیلیفون آرہا ہے کبھی کوئی آدمی آرہا ہے اور آدمی بھی ایسے جو بظاہر بڑے دیانت دار اور امانت دار اور ثقہ قسم کے لوگ باقاعدہ میرے پاس اسی مقصد کے لیے آتے اور ان کے ہاتھوں میں نمبروں کی ایک فہرست ہوتی، اور آکر کہتے کہ ان نمبر والوں کا ذرا خاص خیال رکھیے گا۔

سفارش کا ایک عجیب واقعہ

ایک مرتبہ ایک بڑے عالم شخص بھی اس طرح نمبروں کی فہرست لے کر آگئے۔ میں نے ان سے عرض کیا کہ حضرت! یہ تو بڑی غلط اور ناجائز بات ہے کہ آپ یہ سفارش لے کر آگئے ہیں۔ ان شاء اللہ حق و انصاف کے مطابق جو جتنے نمبر کا مستحق ہوگا اتنے نمبر لگائے جائیں گے۔ جواباً انہوں نے فوراً قرآنِ کریم کی آیت پڑھ دی:

مَنْ يَشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَكُنْ لَهُ نَصِيبٌ مِنْهَا [1]

مولوی کا شیطان بھی مولوی

ہمارے والد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ مولوی کا شیطان بھی مولوی ہوتا ہے۔ عام آدمی کا شیطان تو دوسرے طریقوں سے بہکاتا ہے اور جو شیطان مولوی کو بہکاتا ہے وہ مولوی بن کر بہکاتا ہے۔

ان عالم صاحب نے اس آیت سے استدلال کیا کہ قرآنِ کریم میں ہے کہ سفارش کرو، اس لیے کہ سفارش بڑے اجر و ثواب کا کام ہے، اس لیے میں سفارش لے کر آیا ہوں۔ خوب سمجھ لیجیے کہ یہ سفارش جائز نہیں۔

سفارش سے منصف کا ذہن خراب نہ کریں

کسی قاضی اور جج کے پاس تصفیے کے لیے کوئی فیصلہ درپیش ہے اور اس کے سامنے فریقین کی طرف سے گواہیاں پیش ہو رہی ہیں۔ اس وقت میں اگر کوئی یہ سفارش کرے کہ فلاں کا ذرا خیال رکھیے گا یا فلاں کے حق میں فیصلہ کر دیجیے گا تو یہ سفارش جائز نہیں اور جو ممتحن امتحان لے رہا ہے اس کے پاس بھی سفارش لے کر جانا جائز نہیں۔ اس واسطے کہ اس سفارش کے نتیجے میں اس کا ذہن خراب ہو سکتا ہے اور وہ قاضی تو اسی کام کے لیے بیٹھا ہے کہ دونوں طرف کے معاملات کو تول کر پھر اپنا فیصلہ دے کہ کون حق پر ہے اور کون ناحق پر۔

---

(۱) سورۃ النساء آیت (۸۵)۔

عدالت کے جج سے سفارش کرنا

اس لیے شریعت میں اس کا بہت اہتمام کیا گیا کہ جب ایک قاضی کے سامنے کوئی مقدمہ پیش ہو تو اس قاضی کے لیے حکم یہ ہے کہ اس مقدمے سے متعلق کسی ایک فریق کی بات دوسرے فریق کی غیر موجودگی میں نہ سنے، جب تک دونوں فریق موجود نہ ہوں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ایک شخص نے آ کر آپ کو تنہائی میں معاملہ بتا دیا اور دوسرا آدمی اس سے بے خبر ہے، وہ اس کا جواب نہیں دے سکتا اور وہ بات آپ کے ذہن پر مسلط ہوگئی اور آپ کا ذہن اس سے متاثر ہوگیا یہ تو انصاف کے خلاف ہے۔ اس واسطے جب معاملہ قاضی کے پاس چلا جائے تو اس کے بعد سفارش کا دروازہ بند۔

سفارش پر میرا ردِ عمل

میرے پاس بھی کچھ مقدمات آجاتے ہیں اور ان مقدمات سے متعلق بعض لوگ میرے پاس پہنچ جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ مسئلہ درپیش ہے، آپ اس کا خیال رکھیں تو میں کبھی ان کی بات نہیں سنتا اور یہ کہہ دیتا ہوں کہ میرے لیے اس مقدمے سے متعلق آپ کی کوئی بات سننا اس وقت تک شرعاً جائز نہیں، جب تک کہ دوسرا فریق بھی سامنے موجود نہ ہو اور اس کی موجودگی میں بات کہی جائے اور سنی جائے، تاکہ اگر آپ کوئی غلط بات کہیں تو وہ اس کا جواب دے سکتے ہو، یہاں تنہائی میں آ کر آپ میرے ذہن کو خراب کر جائیں۔ وہ کہتا ہے کہ صاحب! ہم تو ناجائز سفارش نہیں کر رہے ہیں۔ ہم تو بالکل جائز بات لے کر آئے ہیں۔

ارے بھائی! مجھے کیا پتہ کہ جائز لے کر آئے ہو یا ناجائز لے کر آئے ہو۔

دوسرا فریق بھی موجود ہو اور اس کے دلائل، اس کی گواہیاں اور شہادتیں بھی سامنے ہوں، اس وقت آمنے سامنے فیصلہ ہوگا۔ بہر حال! علیحدگی میں جا کر اس کے ذہن کو متاثر کرنا جائز نہیں۔

تو ایسے موقع پر یہ کہنا کہ قرآنِ کریم میں ہے کہ

مَنۡ يَّشۡفَعۡ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنۡ لَّهٗ نَصِيۡبٌ مِّنۡهَا

یہ کسی طرح بھی جائز نہیں چونکہ ہمارے یہاں عرصہ دراز سے اسلام کا نظامِ قضا ختم ہوگیا ہے، اس لیے یہ مسائل بھی لوگوں کو یاد نہیں رہے۔ اچھے اچھے پڑھے لکھے علماء بھی بھول جاتے ہیں کہ ایسا کرنا جائز نہیں۔ ان کی طرف سے بھی سفارش آجاتی ہے۔

سب سے پہلی بات یہ ہوئی کہ سفارش ایسی جگہ کرنی چاہیے جہاں سفارش جائز ہے۔

بری سفارش گناہ ہے

دوسری بات یہ ہے کہ سفارش ایسے کام کے لیے ہونی چاہیے جو کام شرعاً جائز ہو، لہٰذا ناجائز کام کرانے کے لیے سفارش کرنا کسی حال میں جائز نہیں۔ مثلاً آپ کا دوست کہیں افسر لگا ہوا ہے اور اس کے ہاتھ میں اختیارات ہیں اور آپ نے اس سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے کسی نااہل کو بھرتی کرادیا تو یہ جائز نہیں، بلکہ حرام ہے۔ اسی لیے قرآن کریم میں جہاں اچھی سفارش کو باعثِ اجر قرار دیا گیا ہے وہاں بری سفارش کو باعث گناہ قرار دیا گیا ہے، فرمایا:

وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهُ كِفْلٌ مِّنْهَا (۱)

جو شخص بری سفارش کرے گا تو اس سفارش کرنے والے کو بھی اس گناہ میں سے حصہ ملے گا۔

سفارش کا مقصد صرف توجہ دلانا

یہ بات تو اہم ہے ہی اور لوگ اعتقادی طور پر اس کو جانتے بھی ہیں کہ ناجائز سفارش نہیں کرنی چاہیے، لیکن اس سے بھی آگے ایک اور مسئلہ ہے جس کی طرف عموماً دھیان نہیں اور آج کل لوگ اس کا بالکل خیال نہیں کرتے، وہ یہ ہے کہ لوگ آج کل سفارش کی حقیقت نہیں سمجھتے سفارش کی حقیقت یہ ہے کہ جس کے پاس سفارش کی جارہی ہے اس کو صرف توجہ دلانا ہے۔ یعنی اس کے علم اور ذہن میں ایک بات نہیں ہے، آپ نے اپنی سفارش کے ذریعے یہ توجہ دلا دی کہ یہ بھی ایک موقع ہے، اگر تم کرنا چاہو تو کرلو، سفارش کا مقصد یہ نہیں ہے کہ اس پر دباؤ اور پریشر ڈالا جائے کہ وہ یہ کام ضرور کرلے، اس لیے کہ ہر انسان کے اپنے کچھ حالات ہوتے ہیں اور اس کے کچھ قواعد وضوابط اور اصول ہوتے ہیں اور وہ آدمی ان اصولوں کے تحت رہ کر کام کرنا چاہتا ہے۔ اب آپ نے سفارش کر کے اس پر دباؤ ڈالنا شروع کردیا اور دباؤ ڈال کر اس سے کام کرانا چاہا تو یہ سفارش نہیں، زبردستی ہے اور کسی بھی مسلمان کے اوپر زبردستی کرنا جائز نہیں، اس کا عام طور پر لوگ خیال نہیں کرتے۔

ایسے آدمی کی سفارش لے کر جائینگے جس کے بارے میں یہ خیال ہو کہ

(۱) سورۃ النساء آیت (۸۵)۔

جب اس کی سفارش جائے گی تو وہ انکار نہ کرسکے گا، یہ تو دباؤ ڈالا جارہا ہے اور شخصیت کا وزن ڈالا جارہا ہے۔ یہ سفارش نہیں ہے۔

یہ تو دباؤ ڈالنا ہے

کئی لوگ میرے پاس بھی سفارش کرانے آجاتے ہیں، ایک صاحب آئے اور آکر کہا کہ حضرت آپ سے ایک کام کے لیے کہنا ہے، لیکن پہلے یہ بتایئے کہ آپ انکار تو نہیں کریں گے؟ گویا اس کا اقرار پہلے لینا چاہتے ہیں کہ انکار مت کیجیے گا، میں نے کہا: بھائی! پہلے یہ بتاؤ توسہی کہ کیا کام ہے؟ وہ کام میری قدرت میں ہے یا نہیں؟ میری استطاعت میں ہے یا نہیں؟ میں اس کو کرسکوں گا یا نہیں؟ جائز ہوگا یا ناجائز ہوگا؟ پہلے یہ بتاؤ توسہی، لیکن پہلے یہ اقرار لینا چاہتے ہیں کہ آپ پہلے یہ طے کرلیں کہ اس کام کو ضرور کریں گے۔ یہ سفارش نہیں ہے، بلکہ دباؤ ڈالنا ہے جو جائز نہیں۔

سفارش کے بارے میں حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان

ہمارے حضرت حکیم الامت -اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔ آمین۔ حقیقت یہ ہے کہ دین کی صحیح فہم اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا فرمائی اور دین کے مخفی گوشوں کو انہوں نے جس طرح آشکارہ فرمایا اور ملفوظات میں جگہ جگہ اس پر تنبیہ فرمائی۔ فرماتے ہیں کہ سفارش اس طرح نہ کراؤ جس سے دوسرا آدمی مغلوب ہوجائے، جس سے دباؤ پڑے، یہ سفارش جائز نہیں، اس لیے کہ سفارش کی حقیقت ''توجہ دلانا'' ہے کہ میرے نزدیک یہ شخص حاجت مند ہے اور میں آپ کو متوجہ

کر رہا ہوں کہ یہ اچھا مصرف ہے، اس پر اگر آپ کچھ خرچ کر دیں تو ان شاء اللہ اجر و ثواب ہوگا۔ یہ نہیں کہ اس کام کو ضرور کرو، اگر تم نہیں کرو گے تو میں ناراض ہو جاؤں گا، خفا ہو جاؤں گا، یہ سفارش نہیں ہے۔ یہ دباؤ ہے۔

مجمع میں چندہ کرنا درست نہیں

حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہ نے یہی بات چندہ کے بارے میں بیان فرمائی کہ اگر مجمع کے اندر چندہ کا اعلان کر دیا کہ فلاں کام کے لیے چندہ ہو رہا ہے۔ چندہ دیں۔ اب جناب! جس شخص کا چندہ دینے کا دل بھی نہیں چاہ رہا ہے، اب اس نے دوسروں کو دیکھ کر شرما شرمی میں چندہ دے دیا اور یہ سوچا کہ اگر نہیں دیا تو ناک کٹ جائے گی۔ تو چونکہ وہ چندہ اس نے خوش دلی سے نہیں دیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ

"لا يحل مال امرء مسلم الا بطيب نفس منه"(۱)

"کسی مسلمان کا مال اس کی خوش دلی کے بغیر حلال نہیں"

اگر کسی نے زبان سے مال لینے کی اجازت بھی دے دی ہو، لیکن وہ مال اس نے خوش دلی سے نہیں دیا تو وہ حلال نہیں، لہٰذا اس طریقے سے چندہ کرنا جائز نہیں۔

---

(۱) مسند ابی یعلی ۱۴۰/۳ (۱۵۷۰) وقال الهيثمي في "المجمع" ۳۰۵/٤ (٦٨٦٦): رواه أبو يعلى، وأبو حرة وثقه أبو داود، وضعفه ابن معين.

مدرسے کے مہتمم کا خود چندہ کرنا

حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض اوقات چندہ وصول کرنے کے لیے کسی بڑے مولانا صاحب کو ساتھ لے گئے یا کوئی بڑے مولانا صاحب یا مدرسے کے مہتمم خود چندہ وصول کرنے کسی کے پاس چلے گئے تو ان کا خود چلے جانا بذات خود ایک دباؤ ہے، کیونکہ سامنے والا شخص یہ خیال کرے گا کہ یہ تو بڑے مولانا صاحب خود آئے ہوئے ہیں، اب میں ان کو کیسے انکار کروں؟ چنانچہ دل نہ چاہنے کے باوجود اس کو چندہ دیا۔ یہ چندہ وصول کرنا جائز نہیں۔

سفارش کے الفاظ کیا ہوں؟

یہ بات خوب اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ سفارش کا انداز دباؤ ڈالنے والا نہ ہو، اسی لیے حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہ جب کسی کے نام سفارش لکھتے تو اکثر و بیشتر یہ الفاظ لکھتے کہ

> ”میرے خیال میں یہ صاحب اس کام کے لیے موزوں ہیں، اگر آپ کے اختیار میں ہو اور آپ کی مصلحت اور اصول کے خلاف نہ ہو تو ان کا کام کر دیجیے“

اور میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ بھی انہی الفاظ میں سفارش لکھتے تھے۔

دو چار مرتبہ ہمیں بھی سفارش لکھنے کی ضرورت پیش آئی تو چونکہ حضرت والد صاحب قدس اللہ سرہ سے یہ بات سنی ہوئی تھی اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظ بھی دیکھے ہوئے تھے، اس لیے میں نے بھی وہی جملے سفارش کے اندر لکھ دیے کہ

''اگر یہ کام آپ کے اختیار میں ہو اور آپ کی مصلحت
اور اصول کے خلاف نہ ہو تو ان کا یہ کام کر دیجیے''

نتیجہ یہ ہوا کہ جن صاحب کی سفارش لکھی تھی وہ ناراض ہو گئے اور کہنے لگے کہ یہ آپ نے قیدیں اور شرطیں کیوں لگا دیں کہ اگر مصلحت کے خلاف نہ ہو تو کر دیجیے۔ آپ کو تو سیدھا سادہ لکھنا چاہیے تھا کہ ''یہ کام ضرور کر دیجیے'' ان الفاظ کے بغیر تو یہ سفارش نامکمل ہے۔

سفارش میں دونوں طرف کی رعایت

لیکن جس شخص کو دونوں طرف کی رعایت کرنی مقصود ہے، ایک طرف اس کو جائز حدود میں رہتے ہوئے حاجت مند کی مدد بھی مقصود ہے اور دوسری طرف اس کی بھی رعایت کرنی ہے جس کے پاس سفارش کی گئی ہے اور اس پر بھی بوجھ نہیں ڈالنا کہ کہیں وہ یہ خیال نہ کرے کہ صاحب! اتنے بڑے صاحب کا پرچہ آ گیا ہے۔ اب میرے لیے اس کا ٹالنا ممکن نہیں، اگرچہ یہ کام میری مصلحت کے خلاف، میرے اصول کے خلاف اور میرے قواعد وضوابط کے خلاف ہے، لیکن چونکہ اتنے بڑے آدمی کا پرچہ آ گیا ہے اب میں کیا کروں؟ لہٰذا اب وہ کشمکش اور مصیبت میں مبتلا ہو گیا۔ اگر سفارش کے مطابق عمل کیا تو اپنے قواعد اور اصول کے خلاف کیا اور اگر سفارش کے مطابق عمل نہ کیا تو اس بات کا خطرہ ہے کہ اتنے بڑے صاحب ناراض ہو جائیں گے اور پھر ان کو کیا منہ دکھاؤں گا، وہ کہیں گے کہ میں نے ذرا سے کام کی سفارش کی اور آپ نے اس کو پورا نہیں کیا۔ یہ سب باتیں سفارش کے اصول کے خلاف ہیں۔

سفارش معاشرے میں ایک لعنت

اور اسی وجہ سے آج سفارش معاشرے میں ایک لعنت بن گئی ہے آج کوئی کام ناجائز سفارش کے بغیر پورا نہیں ہوتا، اس لیے کہ سفارش کے احکام لوگوں نے بھلا دیے ہیں، شریعت کے تقاضوں کو فراموش کردیا ہے، لہٰذا جب ان رعایتوں کے ساتھ سفارش کی جائے گی تب جائز ہوگی۔

سفارش ایک مشورہ ہے

تیسری بات یہ ہے کہ سفارش ایک مشورہ بھی ہے، دباؤ ڈالنا نہیں ہے۔ آج کل لوگ مشورہ کو نہیں سمجھتے کہ مشورہ کیا چیز ہے؟ اس کی حقیقت کیا ہے؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مشورے کے بارے میں فرمایا کہ

"المستشار مؤتمن"(۱)

جس شخص سے مشورہ لیا جائے وہ امانت دار ہے۔

یعنی اس کا فرض ہے کہ اپنی دیانت اور امانت کے لحاظ سے جس بات کو بہتر سے بہتر سمجھتا ہو وہ مشورہ لینے والے کو بتادے، یہ ہے مشورہ کا حق اور پھر جس کو مشورہ دیا گیا ہے، وہ اس بات کا پابند نہیں ہے کہ آپ کے مشورے کو ضرور قبول کرے، اگر وہ ردّ بھی کردے تو اس کو اختیار ہے، کیونکہ مشورے کے معنیٰ بھی یہی ہیں کہ دوسرے کو توجہ دلادینا۔ اسی حدیث میں آپ نے دیکھا کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم مجھ سے سفارش کرو اور یہ ضروری نہیں کہ میں

---

(۱) سنن ابی داود ۳۳۳/٤ (۵۱۲۸) وسنن الترمذی ۵۱۲/٤ (۲۸۲۲) وقال ھذا حدیث حسن.

تمہاری سفارش قبول بھی کرلوں، بلکہ فیصلہ میں وہی کروں گا جو اللہ تعالیٰ کی منشا کے مطابق ہوگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر سفارش کے خلاف بھی عمل کرلیا جائے تو اس سے سفارش کی ناقدری نہیں ہوتی، آج لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ صاحب! ہم نے سفارش بھی کی اور بات کہہ کرکھوئی اور فائدہ کچھ حاصل نہ ہوا۔ حقیقت میں یہ بات نہیں۔ اس لیے کہ سفارش کا مقصد تو صرف یہ تھا کہ ایک بھائی کی مدد میں میرا حصہ لگ جائے اور اللہ تبارک وتعالیٰ اس سے راضی ہوجائے۔ اب وہ مقصد حاصل ہوگیا یا نہیں؟ کام ہوا یا نہیں؟ یہ سفارش کا لازمی حصہ نہیں، اگر کام نہیں ہوا اور اس نے آپ کی سفارش نہیں مانی، تو اس کی وجہ سے کوئی جھگڑا ناراضگی نہیں ہونی چاہیے اور اس کو برا ماننا بھی درست نہیں۔ اس لیے کہ یہ مشورہ تھا اور مشورے کے اندر دونوں باتیں ہوتی ہیں۔

حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا اور حضرت مغیث رضی اللہ عنہ کا واقعہ

اب سنیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مشورہ کی کیا حقیقت بیان فرمائی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا کی زندگی کے متعلق باریک باریک باتیں تفصیل سے بیان فرمادیں۔ اب یہ بتایئے کہ اس دنیا میں، بلکہ پوری کائنات میں کس شخص کا مشورہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشورے سے زیادہ قابل احترام اور قابل تعمیل ہوسکتا ہے؟ لیکن واقعہ سنیے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک کنیز تھیں، جن کا نام حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا تھا، پہلے یہ کسی اور کی کنیز تھیں اور اس نے ان کا نکاح حضرت مغیث رضی اللہ عنہ سے کردیا تھا اور چونکہ اصول یہ ہے کہ اگر آقا اپنی باندی کی کسی سے شادی کردے تو آقا کو اپنی باندی سے اجازت لینے کی بھی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ وہ آقا کی ملکیت ہوتی ہے، اس

واسطے اس سے اجازت بھی نہیں لی جاتی، بلکہ آقا جس سے چاہے اس کا نکاح کرسکتا ہے، چنانچہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ان کے آقا نے حضرت مغیث رضی اللہ عنہ سے کردیا اور حضرت مغیث رضی اللہ عنہ صورت شکل کے اعتبار سے کوئی پسندیدہ شخصیت نہیں تھے، بلکہ سیاہ فام تھے اور حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا حسین وجمیل خاتون تھیں، اس حالت میں ان کا نکاح ہوگیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے چاہا کہ ان کو خرید کر آزاد کردیں۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کو خریدا اور پھر آزاد کردیا۔

باندی کو فسخ نکاح کا اختیار

شریعت کا حکم یہ ہے کہ جب کوئی کنیز آزاد ہوجائے اور اس کا نکاح پہلے سے کسی کے ساتھ ہوچکا ہو۔ تو آزادی کے وقت اس کنیز کو یہ اختیار ملتا ہے کہ چاہے تو وہ اپنے شوہر کے ساتھ نکاح کو برقرار رکھے اور اگر چاہے تو اس نکاح کو ختم کردے اور فسخ کردے اور پھر کسی اور سے نکاح کرے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مشورہ

جب حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا آزاد ہوئیں تو شریعت کے قاعدے کے مطابق ان کو بھی فسخ نکاح کا اختیار مل گیا اور ان سے کہا گیا کہ اگر تم چاہو تو مغیث سے اپنا نکاح برقرار رکھو اور چاہو تو اس نکاح کو ختم کردو۔ انہوں نے فوراً یہ کہہ دیا کہ میں مغیث کے ساتھ نہیں رہتی اور اپنے نکاح کو فسخ کردیا۔ اب چونکہ حضرت مغیث رضی اللہ عنہ کو ان سے بہت محبت تھی۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ منظر اب تک مجھے نہیں بھولتا کہ حضرت مغیث رضی اللہ عنہ مدینے کی گلیوں میں اس طرح گھوم رہے ہیں کہ ان کی آنکھوں سے آنسوں بہہ رہے ہیں اور ان

آنسوؤں سے داڑھی بھیگ رہی ہے۔ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کی خوشامد کررہے ہیں اور ان کو اس پر راضی کرنے کی کوشش کررہے ہیں کہ خدا کے لیے اپنے اس فیصلے کو تبدیل کرلو اور دوبارہ مجھ سے نکاح کرلو، مگر حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا مانتی نہیں تھیں۔ آخر کار حضرت مغیث رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گئے۔ جا کر عرض کیا کہ یارسول اللہ! ایسا قصہ پیش آیا ہے، چونکہ مجھے ان سے بہت تعلق ہے اور اتنا عرصہ ساتھ گزارا ہے، اب وہ میری بات نہیں مانتی۔ لہٰذا اب آپ ہی ان سے میری کچھ سفارش فرمادیجیے۔ چنانچہ آپ نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو بلایا اور فرمایا کہ

"لو راجعتيه، فانه ابو ولدك"

اگرتم اپنے اس فیصلے سے رجوع کرلو تو اچھا ہو، اس لیے کہ وہ تمہارے بچے کے باپ ہیں بچارے اتنے پریشان ہیں۔ سبحان اللہ! حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا نے فوراً سوال کیا۔ یارسول اللہ! آپ جو یہ فرمارہے ہیں کہ رجوع کرلو، یہ آپ کا حکم ہے یا مشورہ ہے؟ اگر آپ کی طرف سے حکم ہے تو بے شک سرتسلیم خم ہے اور میں ان کے ساتھ دوبارہ نکاح کرنے کو تیار ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"انما أشفع"

میں یہ صرف سفارش کررہا ہوں، یہ میرا حکم نہیں ہے۔ جب حضرت بریرہ نے یہ سنا کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم نہیں ہے بلکہ صرف سفارش اور مشورہ ہے، تو فوراً فرمایا کہ یارسول اللہ! اگر یہ مشورہ ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ مجھے آزادی ہے کہ قبول کروں یا نہ کروں۔ لہٰذا میرا فیصلہ یہی ہے کہ اب میں دوبارہ ان کے پاس نہیں جاؤں گی۔ چنانچہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا دوبارہ ان کے پاس نہیں

گئی اور ان سے علیحدگی اختیار کرلی۔(۱)

ایک خاتون نے حضور کا مشورہ رد کردیا

اب آپ اندازہ لگایئے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مشورہ ہے اور آپ کی سفارش ہے، لیکن ایک عورت، جو اب تک کنیز تھی اور آپ کی اہلیہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے صدقے سے آزاد ہوئیں، اس کو بھی یہ حق دیا جارہا ہے کہ ہم جو بات کہہ رہے ہیں وہ مشورہ ہے تمہارا دل چاہے تو مانو اور تمہارے دل نہ چاہے تو نہ مانو اور رد کردو، چنانچہ وہ مشورہ ان خاتون نے رد کردیا اور اس پر حضورِ اقدس سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ادنیٰ سی ناگواری کا اظہار بھی نہیں فرمایا کہ ہم نے تم کو ایک مشورہ دیا تھا، لیکن تم نے ہماری بات نہیں مانی۔ اس کے ذریعے آپ نے امت کو تعلیم دی کہ مشورہ اور سفارش یہ ہے کہ جس کو مشورہ دیا گیا ہے یا جس سے سفارش کی گئی ہے بس اس کو توجہ دلانا مقصود ہے، دباؤ ڈالنا مقصود نہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیوں مشورہ دیا؟

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ معلوم تھا کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا نے یہ نکاح خود ختم کردیا اور وہ ان کے ساتھ رہنا نہیں چاہتی تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سفارش ہی کیوں کی؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سفارش اس لیے کی کہ آپ جانتے تھے کہ حضرت مغیث رضی اللہ عنہ کے اندر سوائے شکل وصورت کے کوئی خرابی نہیں ہے۔ اگر یہ ان کی بات مان لے گی اور دوبارہ ان کے نکاح میں

(۱) صحیح البخاری ۴۸/۷ (۵۲۸۳) وسنن النسائی ۲۴۵/۸ (۵۴۱۷)۔

آجائے گی تو ان کو اجر وثواب بہت ہوگا، اس لیے کہ اس نے اللہ کے ایک بندے کی خواہش کو پورا کیا اور اس واسطے آپ نے سفارش بھی کردی، لیکن جب انہوں نے سفارش کو قبول نہیں کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ادنیٰ ناگواری کا اظہار نہیں فرمایا۔

امت کو سبق دے دیا

لہٰذا آپ نے قیامت تک آنے والی امت کو یہ سبق دے دیا کہ مشورہ کو کبھی بھی یہ نہ سمجھو کہ یہ دباؤ ڈالا جارہا ہے یا لازمی کیا جارہا ہے، بلکہ مشورہ کا حاصل صرف توجہ دلانا ہے۔ اب اس کو اختیار ہے چاہے وہ اس پر عمل کرے چاہے نہ کرے۔

سفارش ناگواری کا ذریعہ کیوں ہے؟

آج ہمارے اندر سفارش اور مشورہ باقاعدہ ناگواری کا ذریعہ بن گئے ہیں۔ اگر کسی کے مشورہ کو قبول نہ کیا جائے تو وہ کہہ دیتا ہے کہ ہم نے تو بھائی ایسا مشورہ دیا تھا، لیکن ہماری بات نہیں چلی، ہماری بات نہیں مانی گئی۔ اس پر ناراضگی ہورہی ہے، خفا ہورہے ہیں، برا منایا جارہا ہے اور یہ سوچا جارہا ہے اب آئندہ ان سے رابطہ نہیں رکھیں گے، اس لیے کہ یہ ہماری بات تو مانتے ہی نہیں۔ خوب سمجھ لیجیے کہ سفارش کا یہ مطلب نہیں ہے۔ اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو باتیں بیان فرمادیں کہ سفارش کرو، اجر ملے گا، لیکن اگر سفارش قبول نہ کی جائے تو تمہارے دل میں اس کے خلاف کوئی ناراضگی اور بددلی نہیں پیدا ہونی چاہیے

کہ اس نے ہماری بات نہیں مانی۔ ان تمام باتوں کا لحاظ کرتے ہوئے اگر سفارش کی جائے گی وہ ان شاء اللہ بڑے اجر وثواب کا موجب ہوگی۔

خلاصہ

ایک مرتبہ پھر خلاصہ عرض کردیتا ہوں کہ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ سفارش ان معاملات میں کریں جن میں سفارش کرنا جائز ہے۔ جہاں سفارش کرنا جائز نہیں، جیسے مقدمات ہیں یا امتحانی پرچوں کی جانچ کا معاملہ ہے، ان جگہوں پر سفارش کرنا بھی جائز نہیں۔ دوسرے یہ کہ سفارش جائز کام کی ہو، ناجائز کام کی نہ ہو، تیسرے یہ کہ سفارش کا انداز مشورے کا ہو، دباؤ ڈالنے کا نہ ہو، چوتھے اگر مشورہ اور سفارش نہ مانی جائے تو اس پر کوئی ناراضگی اور ناگواری نہ ہونی چاہیے۔ ان چار چیزوں کی رعایت کے ساتھ اگر سفارش کی جائے گی تو سفارش کی وجہ سے کوئی فساد برپا نہیں ہوسکتا اور وہ سفارش اجر وثواب کا سبب ہوگی ان شاء اللہ۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہمیں اس کی سمجھ عطا فرمائے۔ آمین۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

زبان کی حفاظت کیجیے

(اصلاحی خطبات ۴/۱۴۱)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

زبان کی حفاظت کیجیے

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَاھَادِیَ لَہٗ، وَأَشْھَدُ اَنْ لَّا إِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَأَشْھَدُاَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا۔ أَمَّابَعْدُ!

تین احادیث مبارکہ

عن أبی ہریرۃ رضی اللہ عنہ أن رسول اللہ ﷺ قال: ”من کان یؤمن باللّٰہ والیوم الآخر، فلیقل خیراً أولیصمت“(۱)

(۱) صحیح البخاری ۱۱/۸ (۶۰۱۹)۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

جو شخص اللہ پر اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہو اس کو چاہیے کہ یا تو وہ اچھی اور نیک بات کہے یا خاموش رہے۔

دوسری روایت بھی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

عن أبی هريرة رضي الله عنه أنه سمع النبی صلى الله عليه وسلم يقول: «إن العبد ليتكلم بالكلمة، ما يتبين فيها، يزل بها في النار أبعد مما بين المشرق والمغرب»(۱)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

ایک انسان سوچے سمجھے بغیر جب کوئی کلمہ زبان سے کہہ دیتا ہے تو وہ کلمہ اس شخص کو جہنم کے اندر اتنی گہرائی تک گرا دیتا ہے، جتنا مشرق اور مغرب کے درمیان فاصلہ اور بُعد ہے۔

ایک تیسری حدیث بھی اس معنی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

عن أبی هريرة رضي الله عنه عن النبی صلى الله عليه وسلم قال «إنَّ العَبْدَ لَيَتَكَلَّمُ بِالكَلِمَةِ مِنْ رِضْوَانِ اللهِ، لا يَلْقِي لها بالًا، يَرْفَعُهُ اللهُ بِهَا دَرَجَاتٍ، وَإِنَّ العَبْدَ لَيَتَكَلَّمُ بِالكَلِمَةِ مِنْ سَخَطِ اللّٰهِ، لا يَلْقِي لَهَا بالًا، يَهْوِي بِهَا فِي

---

(۱) صحيح البخاری ۸/۱۰۰ (٦٤٧٧) وصحيح مسلم ٤/۲۲۹۰ (۲۹۸۸)۔

جَهَنَّمَ»(۱)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

''بعض اوقات ایک انسان اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا کوئی کلمہ کہتا ہے، یعنی ایسا کلمہ زبان سے ادا کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے والا ہے، اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق ہے، لیکن جس وقت وہ کلمہ زبان سے ادا کرتا ہے اس وقت اس کو اس کلمہ کی اہمیت کا اندازہ نہیں ہوتا اور لاپرواہی سے وہ کلمہ زبان سے نکال دیتا ہے، مگر اللہ تعالیٰ اس کلمہ کی بدولت جنت میں اس کے درجات بلند فرمادیتے ہیں اور اس کے برعکس بعض اوقات ایک انسان زبان سے ایسا کلمہ نکالتا ہے جو اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے والا ہوتا ہے اور وہ شخص لاپرواہی میں اس کلمے کو نکال دیتا ہے، لیکن وہ کلمہ اس کو جہنم میں لے جاکر گرا دیتا ہے۔''

زبان کی دیکھ بھال کریں

ان تینوں احادیث میں اس بات کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ آدمی زبان کے گناہوں سے بچنے کا اہتمام کرے اور اس زبان کو اللہ تعالیٰ کی مرضیات میں خرچ کرے اور اس کے ناراضگی کے کاموں سے اس کو بچائے، جیسا کہ میں پہلے

(۱) صحيح البخاري ۱۰۱/۸ (٦٤٧٨).

بھی عرض کر چکا ہوں کہ ہم لوگوں کے لیے سب سے زیادہ اہتمام کی چیز یہ ہے کہ گناہوں سے بچیں، گناہ سرزد نہ ہوں۔ ان گناہوں میں یہاں زبان کے گناہوں کا بیان شروع ہوا ہے۔ چونکہ زبان کے گناہ ایسے ہیں کہ بعض اوقات آدمی دسوچے سمجھے بغیر بے پروائی کی حالت میں باتیں کرلیتا ہے اور وہ باتیں اس کے لیے سخت ترین عذاب کا موجب ہوتی ہیں، اس لیے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ زبان کو دیکھ بھال کر استعمال کرو، اگر کوئی اچھی بات زبان سے کہنی ہے تو کہو، ورنہ خاموش رہو۔

زبان ایک عظیم نعمت

یہ زبان جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا فرمائی ہے اس میں ذرا غور تو کرو کہ یہ کتنی عظیم نعمت ہے، یہ کتنا بڑا انعام ہے، جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا فرما دیا ہے اور بولنے کی ایسی مشین عطا فرمادی ہیں کہ جو پیدائش سے لے کر مرتے دم تک انسان کا ساتھ دے رہی ہے اور چل رہی ہے اور اس طرح چل رہی ہے کہ آدمی نے ادھر ذرا ارادہ کیا ادھر اس نے کام شروع کر دیا، اب چونکہ اس مشین کو حاصل کرنے کے لیے کوئی محنت اور مشقت نہیں کی، کوئی پیسہ خرچ نہیں ہوا، اس لیے اس نعمت کی قدر معلوم نہیں ہوتی اور جو نعمت بھی بیٹھے بٹھائے، بن مانگے مل جاتی ہے، اس کی قدر نہیں ہوتی۔ اب یہ زبان بھی بیٹھے بٹھائے مل گئی اور مسلسل کام کررہی ہے، ہم جو چاہتے ہیں اس زبان سے بول پڑتے ہیں۔ اس نعمت کی قدر ان لوگوں سے پوچھیں جو اس نعمت سے محروم ہیں، زبان موجود ہے، مگر بولنے کی طاقت نہیں ہے، آدمی کوئی بات کہنا چاہتا ہے مگر کہہ نہیں سکتا، دل میں جذبات

پیدا ہو رہے ہیں، مگر ان کا اظہار نہیں کر سکتا، اس سے پوچھو وہ بتائے گا کہ زبان کتنی بڑی نعمت ہے، اللہ تعالیٰ کا کتنا بڑا انعام ہے۔

اگر زبان بند ہو جائے

اس بات کا ذرا تصور کرو کہ ۔ خدا نہ کرے۔ اس زبان نے کام کرنا بند کر دیا اور اب تم بولنا چاہتے ہو، لیکن نہیں بولا جاتا، اس وقت کیسی بے چارگی اور بے بسی کا عالم ہوگا۔ میرے ایک عزیز جن کا ابھی حال ہی میں آپریشن ہوا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ آپریشن کے بعد کچھ دیر اس حالت میں گزری کہ سارا جسم بے حس تھا، پیاس شدید لگ رہی تھی، سامنے آدمی موجود ہیں، میں اس سے کہنا چاہتا ہوں کہ تم مجھے پانی پلا دو، لیکن زبان نہیں چلتی، آدھا گھنٹہ اسی طرح گزر گیا، بعد میں وہ کہتے تھے میری پوری زندگی میں وہ آدھا گھنٹہ جتنا تکلیف دہ تھا، ایسا وقت کبھی میرے اوپر نہیں گزرا تھا۔

زبان اللہ کی امانت ہے

اللہ تعالیٰ نے زبان اور دماغ کے درمیان ایسا کنکشن رکھا ہے کہ جیسے ہی دماغ نے یہ ارادہ کیا کہ فلاں کلمہ زبان سے نکالا جائے، اسی لمحے زبان وہ کلمہ ادا کر دیتی ہے اور اگر انسان کے اوپر چھوڑ دیا جاتا کہ تم خود اس زبان کو استعمال کرو تو اس کے لیے پہلے یہ علم سیکھنا پڑتا کہ زبان کی کس حرکت سے الف نکالیں۔ زبان کو کہاں لے جا کر ''ب'' نکالیں تو پھر انسان ایک مصیبت میں مبتلا ہو جاتا، لیکن اللہ تعالیٰ نے فطری طور پر انسان کے اندر یہ بات رکھ دی کہ جو لفظ وہ زبان سے ادا کرنا چاہ رہا ہے تو بس ارادہ کرتے ہی فوراً وہ لفظ زبان سے نکل

جاتا ہے، لیکن اب ذرا اس کو استعمال کرتے ہوئے یہ تو سوچو کہ کیا تم خود یہ مشین خرید کر لے آئے تھے؟ نہیں! بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی عطا ہے، اس نے تمہیں عطا کی ہے، یہ تمہاری ملکیت نہیں، بلکہ تمہارے پاس امانت ہے اور جب ان کی دی ہوئی امانت ہے تو پھر یہ بھی ضروری ہے کہ ان کو ان کی رضا کے مطابق استعمال کیا جائے، یہ نہ ہو کہ جو دل میں آیا بک دیا، بلکہ جو بات اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق ہے وہ نکالو اور جو بات اللہ کے احکام کے مطابق نہیں وہ بات مت نکالو۔ یہ سرکاری مشین ہے، اس کو اس کی مرضی کے مطابق استعمال کرو۔

زبان کا صحیح استعمال

اللہ تعالیٰ نے اس زبان کو ایسا بنایا ہے کہ اگر کوئی شخص اس زبان کو صحیح استعمال کرلے جیسا کہ آپ نے ابھی اوپر ایک حدیث میں پڑھا کہ ایک شخص نے ایک کلمہ بے پروائی میں نکال دیا مگر وہ کلمہ اچھا تھا، تو اس کلمے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نہ جانے اس کے کتنے درجات بلند فرمادیتے ہیں اور اس کو کتنا اجر و ثواب حاصل ہوجاتا ہے۔ جب ایک انسان کافر سے مسلمان ہوتا ہے تو وہ اسی زبان کی بدولت ہوتا ہے، زبان سے کلمۂ شہادت پڑھ لیتا ہے:

أشهد أن لَّا إلٰهَ إلاَّ اللّٰهُ وأشهد أن محمدًا رسول اللّٰه

اس کلمۂ شہادت کے پڑھنے سے پہلے وہ کافر تھا، مگر اس کے پڑھنے کے بعد مسلمان ہوگیا، پہلے جہنمی تھا، اب جنتی بن گیا، پہلے اللہ کا مبغوض تھا، اب محبوب بن گیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمتِ اجابت میں شامل ہوگیا۔ یہ عظیم انقلاب اس ایک کلمہ کی بدولت آیا جو اس نے زبان سے ادا کیا۔

زبان کو ذکر سے تر رکھو

ایمان لانے کے بعد ایک مرتبہ زبان سے کہہ دیا: ''سبحان اللہ'' تو حدیث شریف میں آتا ہے کہ اس کے ذریعے میزانِ عمل کا آدھا پلڑا بھر جاتا ہے[۱]، یہ کلمہ چھوٹا ہے، لیکن اس کا ثواب اتنا عظیم ہے اور ایک حدیث میں ہے:

''سبحان اللہ و بحمدہٖ سبحان اللہ العظیم''

یہ دو کلمے زبان پر تو ہلکے پھلکے ہیں کہ ذرا سی دیر میں ادا ہوگئے، لیکن میزانِ عمل میں بہت بھاری ہیں اور رحمان کو بہت محبوب ہیں۔[۲]

بہرحال! یہ مشین اللہ تعالیٰ نے ایسی بنائی ہے کہ اگر ذرا سا اس کا رُخ بدل دو اور صحیح طریقے سے اس کو استعمال کرنا شروع کردو تو پھر دیکھو یہ تمہارے نامۂ اعمال میں کتنا اضافہ کرتی ہے اور تمہارے لیے جنت میں کس طرح گھر بناتی ہے اور تمہیں کس طرح اللہ تعالیٰ کی رضامندی عطا کراتی ہے اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو اور اللہ کے ذکر سے اس زبان کو تر رکھو، پھر دیکھو کہ کس طرح تمہارے درجات میں ترقی ہوتی ہے۔ ایک صحابی نے پوچھا: ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کون سا عمل افضل ہے؟'' حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ ''تمہاری زبان اللہ کے ذکر سے تر رہے، چلتے پھرتے اُٹھتے بیٹھتے اللہ کا ذکر کرتے رہو[۳]''۔

---

(۱) سنن الترمذی ۴۹۳/۵ (۳۵۱۹) وقال ھذا حدیث حسن۔ و مسند احمد ۲۱۹/۳۰ (۱۸۲۸۷)

(۲) صحیح البخاری ۱۶۲/۹ (۷۵۶۳)۔

(۳) سنن الترمذی ۳۸۸/۵ (۳۳۷۵) وقال: ھذا حدیث حسن غریب من ھذا الوجہ. وسنن ابن ماجہ ۳۳۱/۵ (۳۷۹۳) والمستدرک للحاکم ۶۷۲/۱ (۱۸۲۲) وقال ھذا حدیث صحیح الاسناد ولم یخرجاہ. ووافقہ الذھبی فی ''التلخیص''.

زبان کے ذریعے دین سکھائیں

اگر اس زبان کے ذریعے سے تم نے کسی کو چھوٹی سی دین کی بات سکھادی۔ مثلاً ایک شخص غلط طریقے سے نماز پڑھ رہا تھا اور تمہیں معلوم تھا کہ یہ غلط طریقے سے نماز پڑھ رہا ہے، چنانچہ تم نے چپکے سے تنہائی میں نرمی کے ساتھ، محبت اور شفقت سے اس کو سمجھادیا کہ بھائی! تمہاری نماز میں یہ غلطی تھی، اس طرح کرلیا کرو، آپ کی زبان کی ذرا سی حرکت سے اس کی اصلاح ہوگئی اور اس نے نماز ٹھیک پڑھنی شروع کردی، تو اب ساری عمر جتنی نمازیں وہ ٹھیک طریقے سے پڑھے گا تو ان سب کا اجر وثواب تمہارے نامۂ اعمال میں بھی لکھا جائے گا۔

تسلی کا کلمہ کہنا

ایک شخص تکلیف اور پریشانی میں مبتلا تھا، تم نے اس کی پریشانی دور کرنے کے لیے اس سے کوئی تسلی کی بات کوئی تسلی کا کلمہ کہہ دیا جس کے نتیجے میں اس کو کچھ ڈھارس بندھ گئی، اس کو کچھ تسلی حاصل ہوگئی، تو یہ کلمہ کہنا تمہارے لیے عظیم اجر وثواب کھینچ لایا۔ چنانچہ ایک حدیث میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

"من عزى ثكلى كسى بردًا فى الجنة"(۱)

---

(۱) سنن الترمذى ۳۷۳/۲ (۱۰۷٦) من حديث أبى هريرة وقال: هذا حديث غريب، وليس إسناده بالقوي. ورواه ابن ماجه في "سننه" ۱۱۷/۳ (۱٦۰۱) عن عمرو بن حزم الأنصاري رضي الله عنه بلفظ: "مَا مِنْ مُؤْمِنٍ يُعَزِّي أَخَاهُ بِمُصِيبَةٍ إِلَّا كَسَاهُ اللهُ سُبْحَانَهُ مِنْ حُلَلِ الْكَرَامَةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ". وقال البوصيري في "مصباح الزجاجة" ۵۰/۲: هذا إسناد فيه مقال، قيس أبو عمارة ذكره ابن حبان في "الثقات"، وقال الذهبي في "الكاشف": ثقة، وقال البخاري: فيه نظر، قلت: وباقي رجال الإسناد على شرط مسلم. وذكره النووي في "الخلاصة" ۱۰٤٦/۲ (۳۷۳۳) وقال: رواه ابن ماجه والبيهقي بإسناد حسن. (طبع موسسة الرسالة).

یعنی اگر کوئی شخص ایسی عورت کے لیے تسلی کے کلمات کہے
جس کا بیٹا گم ہوگیا ہو یا مرگیا ہو۔ تو اللہ تعالیٰ اس تسلی دینے
والے کو جنت میں بیش بہا قیمتی جوڑے پہنائیں گے۔

غرض یہ کہ اس زبان کو نیک کاموں میں استعمال کرنے کے جو راستے اللہ تعالیٰ نے رکھے ہیں ان میں اس کو ٹھیک طریقے سے استعمال کرلو، پھر دیکھو گے کہ تمہارے نامۂ اعمال میں کس طرح ثواب کے ڈھیر لگ جائیں گے۔ مثلاً کوئی شخص جارہا تھا تم نے اس کی رہنمائی کرکے اس کو صحیح راستہ بتادیا، اب یہ چھوٹا سا کام کردیا اور تمہیں خیال بھی نہیں ہوا کہ میں نے یہ کوئی نیکی کا کام کیا، لیکن اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں بے شمار اجر و ثواب عطا فرمائیں گے۔ بہرحال! اگر ایک انسان اس زبان کو صحیح استعمال کرے تو یقین کیجیے اس کے لیے جنت کے دروازے کھل جائیں اور اس کے بے شمار گناہوں کی معافی کا ذریعہ بن جائے، لیکن ۔ خدا نہ کرے۔ اگر اس زبان کا ناجائز اور غلط استعمال ہو تو پھر یہی زبان انسان کو جہنم میں کھینچ کر لے جاتی ہے۔

زبان جہنم میں لے جانے والی ہے

ایک حدیث میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جتنے لوگ جہنم میں جائیں گے ان میں اکثریت ان لوگوں کی ہوگی جو اپنی زبان کی کرتوت کی وجہ سے جہنم میں جائیں گے۔ مثلاً جھوٹ بول دیا، غیبت کردی، کسی کا دل دکھادیا، کسی کی دل آزاری کی، دوسروں کے ساتھ غیبت میں حصہ لیا، کسی کو تکلیف پر خوشی کا اظہار کیا وغیرہ جب یہ گناہ کے کام کیے تو اس کے نتیجے میں وہ جہنم میں چلا

گیا۔ حدیث شریف میں فرمایا کہ

"هل يكب الناس في النار على وجوههم إلا حصائد ألسنتهم"(۱)

یعنی بہت سے لوگ زبان کے کرتوت کی وجہ سے جہنم میں جائیں گے۔

لہٰذا یہ زبان جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا فرمائی ہے، اگر اس کو ذرا دھیان سے استعمال کرو اس کو قابو میں رکھو، بے قابو مت چھوڑو اور اس کو صحیح کاموں میں استعمال کرو اس لیے فرمایا کہ زبان سے یا تو صحیح بات بولو، ورنہ خاموش رہو، اس لیے کہ خاموشی اس سے ہزار درجہ بہتر ہے کہ آدمی غلط بات زبان سے نکالے۔

پہلے تولو......پھر بولو

اسی وجہ سے کثرتِ کلام سے منع کیا گیا، اس لیے کہ اگر انسان زیادہ بولے گا تو زبان قابو میں نہیں رہے گی، کچھ نہ کچھ گڑبڑ ضروری کرے گی اور اس کے نتیجے میں انسان گناہ میں مبتلا ہوجائے گا، اس لیے ضرورت کے مطابق بولو، زیادہ نہ بولو۔ جیسے ایک بزرگ نے ارشاد فرمایا کہ پہلے بات کو تولو، پھر بولو۔ جب تول تول کر بات کروگے تو پھر یہ زبان قابو میں آجائے گی۔

حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ

میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ایک استاد تھے

---

(۱) سنن الترمذی ۳۶۲/٤ (۲٦۱٦) وقال هذا حديث حسن صحيح۔

حضرت میاں سیّد اصغر حسین صاحب قدس اللہ سرہٗ بڑے اونچے درجے کے بزرگ تھے اور ''حضرت میاں صاحب'' ہی کے نام سے مشہور تھے، یہ ایسے بزرگ تھے جنہوں نے صحابہ کرام کے زمانے کی یادیں تازہ کردیں۔ میرے حضرت والد صاحب ان سے بہت خصوصی تعلق رکھتے تھے اور ان کی خدمت میں بہت کثرت سے جایا کرتے تھے اور حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی والد صاحب پر بہت شفقت فرمایا کرتے تھے۔ حضرت والد صاحب فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور جا کر بیٹھ گیا تو حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کہنے لگے کہ بھائی دیکھو مولوی شفیع صاحب! آج ہم عربی میں بات کریں گے اردو میں نہیں کریں گے۔ حضرت والد صاحب فرماتے ہیں کہ مجھے بڑی حیرانی ہوئی، اس سے پہلے ایسا کبھی نہیں ہوا۔ آج بیٹھے بٹھائے یہ عربی میں بات کرنے کا خیال کیسے آیا۔ میں نے پوچھا حضرت! کیا وجہ ہے؟ حضرت نے فرمایا: نہیں بس ویسے ہی خیال آ گیا کہ عربی میں بات کریں گے۔ جب میں نے بہت اصرار کیا تو فرمایا کہ بات اصل میں یہ ہے کہ میں نے یہ دیکھا ہے کہ جب ہم دونوں مل کر بیٹھتے ہیں تو بہت باتیں چل پڑتی ہیں، اِدھر اُدھر کی گفتگو شروع ہوجاتی ہے اور اس کے نتیجے میں ہم لوگ بعض اوقات فضول باتوں کے اندر مبتلا ہوجاتے ہیں۔ مجھے خیال ہوا کہ اگر ہم عربی میں بات کرنے کا اہتمام کریں تو عربی نہ تمہیں روانی کے ساتھ بولنی آتی ہے اور نہ مجھے بولنی آتی ہے۔ لہٰذا کچھ تکلف کے ساتھ عربی میں بولنا پڑے گا تو اس کے نتیجے میں یہ زبان جو بے محابا چل رہی ہے، یہ قابو میں آجائے گی اور پھر بلاضرورت فضول گفتگو نہ ہوگی، صرف ضرورت کی بات ہوگی۔

ہماری منزل

پھر حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بھائی! ہماری مثال اس شخص جیسی ہے جو اپنے گھر سے بہت ساری اشرفیاں بہت سارے پیسے لے کر سفر پر روانہ ہوا تھا اور ابھی اس کا سفر جاری تھا، ابھی منزل تک نہیں پہنچا تھا کہ اس کی ساری اشرفیاں خرچ ہوگئیں اور اب چند اشرفیاں اس کے پاس باقی رہ گئیں اور اب وہ ان اشرفیوں کو بہت سنبھال کر اور پھونک پھونک کر خرچ کرتا ہے، صرف بہت زیادہ ضرورت کی جگہ پر خرچ کرتا ہے، فضول جگہ پر خرچ نہیں کرتا ہے، تاکہ کسی طرح وہ اپنی منزل تک پہنچ جائے۔

پھر فرمایا کہ ہم نے اپنی اکثر عمر گزار دی اور عمر کے جو لمحات اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائے تھے یہ سب منزل تک پہنچنے کے لیے مال و دولت اور اشرفیاں تھیں، اگر ان کو صحیح طریقے سے استعمال کرتے تو منزل تک پہنچنا آسان ہوجاتا اور منزل کا راستہ ہموار ہوجاتا، لیکن ہم نے پتہ نہیں، کن کن چیزوں میں اس کو خرچ کردیا، بیٹھے ہوئے گپ شپ کررہے ہیں، مجلس آرائی ہورہی ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ ساری توانائیاں ان فضول چیزوں میں خرچ ہوگئیں، اب پتہ نہیں کہ زندگی کے کتنے دن باقی ہیں، اب یہ دل چاہتا ہے کہ زندگی کے ان اوقات کو تول تول کر احتیاط کے ساتھ پھونک پھونک کر استعمال کریں۔ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ یہ فکر عطا فرماتے ہیں۔ ان کا پھر یہی حال ہوجاتا ہے وہ یہ سوچتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے زبان کی یہ دولت عطا فرمائی ہے، تو اس کو ٹھیک ٹھیک استعمال کروں، غلط جگہ استعمال نہ کروں۔

زبان کو قابو کرنے کا طریقہ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جو انبیاء علیہم السلام کے بعد سب سے افضل انسان ہیں، وہ ایک مرتبہ اپنی زبان کو پکڑے بیٹھے تھے اور اس کو مروڑ رہے تھے، لوگوں نے پوچھا کہ ایسا کیوں کر رہے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا:

"إن هذا أوردني الموارد"(۱)

یعنی اس زبان نے مجھے بڑی ہلاکتوں میں ڈال دیا ہے۔

اس لیے میں اس کو قابو کرنا چاہتا ہوں بعض روایات میں مروی ہے کہ اپنے منہ میں کنکر ڈال کر بیٹھ گئے تاکہ بلاضرورت زبان سے بات نہ نکلے۔(۲)

بہرحال! زبان ایسی چیز ہے کہ اس کے ذریعے سے انسان جنت بھی کما سکتا ہے اور دوزخ بھی کما سکتا ہے، اس کو قابو کرنے کی ضرورت ہے، تاکہ یہ غلط جگہ استعمال نہ ہو، اس کا طریقہ یہی ہے کہ انسان کثرتِ کلام سے پرہیز کرے۔ اس لیے کہ انسان جتنا زیادہ کلام کرے گا، اتنا ہی زیادہ گناہوں میں مبتلا ہوگا، چنانچہ اپنی اصلاح کے خواہش مند حضرات جب کسی شیخ کے پاس علاج کے لیے جاتے ہیں تو شیخ ہر ایک کے لیے اس کے مناسب الگ الگ نسخہ تجویز کرتے ہیں اور وہ بہت سے حضرات کے لیے صرف زبان کو قابو میں کرنے کا علاج تجویز کرتے ہیں۔

---

(۱) موطا امام مالك ۱۴۳۸/۵ (۳۶۲۱) طبع موسسة الرسالة. و كتاب الزهد لاحمد بن حنبل ص ۹۰ (۵۶۲)

(۲) احياء علوم الدين ۱۱۱/۳ طبع دار المعرفة. و مرقاة المفاتيح ۳۰۵٤/۷ طبع دار الفكر۔

زبان پر تالا ڈال لو

ایک صاحب میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں آیا کرتے تھے، لیکن کوئی اصلاحی تعلق قائم نہیں کیا تھا، بس ویسے ہی ملنے کے لیے آجایا کرتے تھے اور جب باتیں شروع کرتے تو پھر رُکنے کا نام نہ لیتے۔ ایک قصہ بیان کیا وہ ختم ہوا تو دوسرا قصہ سنانا شروع کردیا۔ حضرت والد صاحب برداشت کرتے رہتے تھے۔ ایک روز انہوں نے حضرت والد صاحب سے درخواست کی کہ میں آپ سے اصلاحی تعلق قائم کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت والد صاحب نے قبول کرلیا اور اجازت دے دی۔ اس کے بعد انہوں نے کہا کہ مجھے کوئی وظیفہ پڑھنے کے لیے بتادیں میں کیا پڑھا کروں؟ حضرت والد صاحب نے فرمایا کہ تمہارا ایک ہی وظیفہ ہے اور وہ یہ ہے کہ اس زبان پر تالا ڈال لو اور یہ زبان جو ہر وقت چلتی رہتی ہے، اس کو قابو میں کرو، تمہارے لیے اور کوئی وظیفہ نہیں، چنانچہ انہوں نے جب زبان کو قابو میں کیا تو اس کے ذریعے ان کی اصلاح ہوگئی۔

گپ شپ میں زبان کو لگانا

ہمارے ہاں زبان کے غلط استعمال کی جو وبا چل پڑی ہے، یاد رکھو! یہ بڑی خطرناک بات ہے۔ دوستوں کو بلالیا کہ آنا ذرا بیٹھ کر گپ شپ کریں گے، اب اس گپ شپ کے اندر جھوٹ بولا جارہا ہے، غیبت اس کے اندر ہورہی ہے، دوسروں کی برائی اس میں بیان کی جارہی ہے، دوسروں کی نقل اُتاری جارہی ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہماری ایک مجلس نہ جانے کتنے گناہوں کا مجموعہ ہوتی

ہے۔ اس لیے سب سے پہلا کام یہ ہے کہ اس زبان کو قابو میں کرنے کی اہمیت دل میں پیدا کریں، اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس کی اہمیت ہمارے دلوں میں پیدا فرمادے۔ آمین

خواتین اور زبان کا استعمال

یوں تو سارا معاشرہ اس زبان کے گناہوں میں مبتلا ہے، لیکن احادیث میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواتین کے اندر جن بیماریوں کے پائے جانے کی نشان دہی فرمائی ان میں سے ایک بیماری یہ بھی ہے کہ زبان ان کے قابو میں نہیں ہوتی۔ حدیث میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواتین سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ

"اے خواتین! میں نے اہل جہنم میں سب سے زیادہ تعداد میں تم کو پایا، یعنی جہنم میں مردوں کے مقابلے میں خواتین کی تعداد زیادہ ہے۔" خواتین نے پوچھا یارسول اللہ! اس کی کیا وجہ ہے؟ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ

"تکثرن اللعن وتکفرن العشیر"(۱)

تم لعن طعن بہت کرتی ہو اور شوہروں کی ناشکری بہت کرتی ہو، اس وجہ سے جہنم میں تمہاری تعداد زیادہ ہے۔ دیکھیے! اس حدیث میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو دو باتیں بیان فرمائیں ان دونوں کا تعلق زبان سے ہے۔ لعنت کی کثرت اور شوہر کی ناشکری۔ معلوم ہوا کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواتین کے اندر جن

---

(۱) صحیح البخاری ۶۸/۱ (۳۰۴)۔

بیماریوں کی تشخیص فرمائی اس میں زبان کے بے جا استعمال کو بیان فرمایا کہ یہ خواتین زبان کو غلط استعمال کرتی ہیں، مثلاً کسی کو طعنہ دے دیا، کسی کو بُرا کہہ دیا، کسی کی غیبت کردی، کسی کی چغلی کھالی، یہ سب اس کے اندر داخل ہے۔

میں جنت کی ضمانت دیتا ہوں

عن سهل بن سعد رضي الله عنه قال قال رسول الله ﷺ:
«من يضمن لي ما بين لحييه وما بين رجليه أضمن له الجنة»(۱)

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص مجھے دو چیزوں کی ضمانت اور گارنٹی دے دے تو میں اس کو جنت کی گارنٹی دیتا ہوں، ایک اس چیز کی گارنٹی دے دے جو اس کے دو جبڑوں کے درمیان ہے، یعنی زبان کہ یہ غلط استعمال نہیں ہوگی، اس زبان سے جھوٹ نہیں نکلے گا، غیبت نہیں ہوگی، دل آزاری کسی کی نہیں ہوگی، وغیرہ وغیرہ اور ایک اس چیز کی ضمانت دے جو اس کی دونوں ٹانگوں کے درمیان ہے، یعنی شرم گاہ کہ اس کو غلط جگہ پر استعمال نہیں کروں گا۔ تو میں اس کو جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ زبان کی حفاظت دین کی حفاظت کا آدھا باب ہے اور آدھا دین زبان کے اندر ہے، آدھے گناہ زبان کے ذریعے ہوتے ہیں اس لیے اس کی حفاظت ضروری ہے۔

نجات کے لیے تین کام

عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ، قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا

(۱) صحيح البخاري ۸/۱۰۰ (٦٤٧٤)۔

النَّجَاةُ؟ قَالَ: «امْلِكْ عَلَيْكَ لِسَانَكَ، وَلْيَسَعْكَ بَيْتُكَ، وَابْكِ عَلٰى خَطِيئَتِكَ»(۱)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا کہ یا رسول اللہ! نجات کا کیا طریقہ ہے؟ یعنی آخرت میں عذابِ جہنم سے نجات ہوجائے اور اللہ تعالیٰ اپنی رضامندی عطا فرمادیں اور جنت میں داخلہ فرمادیں، اس کا کیا طریقہ ہے؟ تو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سوال کے جواب میں تین جملے ارشاد فرمائے: پہلا جملہ یہ ارشاد فرمایا کہ تم اپنی زبان کو اپنے قابو میں رکھو۔ زبان بے قابو نہ ہونے پائے اور دوسرا جملہ یہ ارشاد فرمایا کہ تمہارا گھر تمہارے لیے کافی ہوجائے، یعنی اپنا زیادہ وقت گھر میں گزارے۔ فضول اور بلاوجہ تمہیں گھر سے باہر نکلنے کی ضرورت نہیں، صرف ضرورت کے تحت گھر سے باہر جاؤ، بلاضرورت باہر مت جاؤ، تاکہ باہر جو فتنے ہیں، ان کے اندر مبتلا نہ ہوجاؤ۔

گناہوں پر رو

اور تیسرا جملہ یہ ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی غلطی کوئی گناہ یا خطا تم سے سرزد ہوجائے تو اس غلطی پر رو۔ رونے کا مطلب یہ ہے کہ اس سے توبہ کرو اور اس پر ندامت کا اظہار کرکے استغفار کرو، رونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس پر واقعتاً رو، جیسے ابھی چند روز پہلے ایک صاحب مجھ سے کہنے لگے کہ مجھے رونا آتا ہی نہیں ہے، اس لیے میں پریشان ہوتا ہوں۔ اصل بات یہ ہے کہ اگر خود سے غیر

---

(۱) سنن الترمذی ۲۰۸/۷ (۲٤۰٦) وقال هذا حديث حسن۔

اختیاری طور پر رونا نہ آئے تو اس میں کوئی حرج نہیں، لیکن گناہ پر دل سے نادم ہوکر اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ و استغفار کرے، کہ یا اللہ مجھ سے غلطی ہوگئی، آپ معاف فرمادیں۔

اے زبان اللہ سے ڈرنا

وعن أبی سعید الخدری رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ قال: «إِذَا أَصْبَحَ ابْنُ آدَمَ فَإِنَّ الأَعْضَاءَ كُلَّهَا تُكَفِّرُ اللِّسَانَ فَتَقُولُ: اتَّقِ اللّٰهَ فِينَا فَإِنَّمَا نَحْنُ بِكَ، فَإِنِ اسْتَقَمْتَ اسْتَقَمْنَا وَإِنِ اعْوَجَجْتَ اعْوَجَجْنَا»(۱)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب صبح ہوتی ہے تو انسان کے جسم کے اندر جتنے اعضاء ہیں۔ وہ سب زبان سے مخاطب ہوکر یہ کہتے ہیں کہ اے زبان، تو اللہ سے ڈرنا، اس لیے کہ ہم تو تیرے تابع ہیں، اگر تو سیدھی رہی تو ہم بھی سیدھے رہیں گے اور اگر تو ٹیڑھی ہوگئی تو ہم بھی ٹیڑھے ہوجائیں گے۔

مطلب یہ ہے کہ انسان کا سارا جسم زبان کے تابع ہوتا ہے۔ اگر زبان نے غلط کام کرنا شروع کردیا تو اس کے نتیجے میں سارا کا سارا جسم گناہ میں مبتلا ہوجاتا ہے، اس لیے وہ زبان سے کہتے ہیں کہ تو سیدھی رہنا ورنہ تیرے کرتوت کی

---

(۱) سنن الترمذی ۲۰۸/٤ (۲٤۰۷) وقال المنذری فی "الترغیب والترهیب" ۳٤۱/۳: رواه الترمذی وابن أبی الدنیا وغیرهما وقال الترمذی رواه غیر واحد من حماد بن یزید ولم یرفعوه قال وهو أصح.

وجہ سے ہم بھی مصیبت میں پھنس جائیں گے۔

اب کس طرح یہ اعضاء زبان سے مخاطب ہوتے ہیں؟ ہوسکتا ہے کہ حقیقتاً کہتے ہوں اس لیے کہ کیا بعید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان اعضاء کو قوتِ گویائی عطا فرمادیتے ہوں اور اس کے نتیجے میں وہ زبان سے گفتگو کرتے ہوں، اس لیے کہ زبان کو بھی قوتِ گویائی اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے اور قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ان اعضاء کو قوتِ گویائی عطا فرمائیں گے۔

قیامت کے روز اعضاء بولیں گے

گزشتہ زمانے میں ''نیچریت'' کا بڑا زور تھا اور یہ فرقہ نیچریت کے لوگ معجزات وغیرہ کا انکار کرتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ یہ تو فطرت کے خلاف ہے، یہ کیسے ہوسکتا ہے، چنانچہ ایک صاحب نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ یہ جو قرآنِ شریف[1] میں آیا ہے کہ قیامت کے روز یہ ہاتھ پاؤں گواہی دیں گے، گفتگو کریں گے۔ یہ کس طرح گواہی دیں گے؟ ان کے اندر زبان نہیں ہے اور بغیر زبان کے کیسے بولیں گے؟ تو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا کہ اچھا یہ بتاؤ کہ زبان بغیر زبان کے کیسے بولتی ہے؟ یہ زبان بھی ایک گوشت کا ٹکڑا ہے، اس کے لیے الگ سے کوئی زبان نہیں ہے، لیکن پھر بھی بول رہی ہے، جب اللہ تعالیٰ اس قوت کو سلب کرلیں تو بولنا بند کردے گی اور یہی گویائی کی قوت جب اللہ تعالیٰ ہاتھ کو عطا فرمائیں گے تو ہاتھ بولنے لگے گا، پاؤں کو عطا فرمائیں گے تو پاؤں بولنے لگے گا۔

بہرحال! یہ حقیقت بھی ہوسکتی ہے کہ صبح کے وقت اعضاء زبان سے اس

---

(۱) يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنَتُهُمْ وَأَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ [النور ۲۴].

طرح گفتگو کرتے ہوں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ محض ایک تمثیل ہو، کہ یہ سارے اعضاء چونکہ اس زبان کے تابع ہیں، اس لیے زبان کو صحیح رکھنے کی کوشش کرو۔

بہرحال! اس زبان کی حفاظت بہت ضروری ہے، جب تک انسان اس پر قابو نہ پالے اور اس کو گناہوں سے نہ بچالے، اس وقت تک کامیاب نہیں ہوسکتا، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس زبان کی حفاظت کرنے اور اس کو صحیح استعمال کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

زبان کو صحیح استعمال کریں

(اصلاحی خطبات ۱۶/۲۸۶)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

زبان کو صحیح استعمال کریں

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَاهَادِيَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا۔

اَمَّابَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْآ اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْآ اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ (۱)

تمہید

بزرگان محترم وبرادران عزیز! سورۃ الحجرات کی تفسیر کا بیان کچھ عرصہ سے چل رہا ہے، کیونکہ یہ سورت مسلمانوں کے لیے بڑے اہم احکام پر مشتمل ہے اور ہمارے درمیان جو خرابیاں پائی جاتی ہیں، ان خرابیوں کو دور کرنے کے لیے اس سورت میں دی گئی ہدایات بڑی اہمیت رکھتی ہیں۔ اس سورت کی ایک آیت میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی جس کا بیان دو جمعوں سے چل رہا ہے، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے، فاسق کے معنی ہیں ''گناہ گار'' کے، اس سے ہر غیر ذمہ دار آدمی مراد ہے، بہرحال! اگر کوئی گناہ گار یا غیر ذمہ دار آدمی تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو تم ہوشیار ہوجاؤ اور پہلے اس خبر کی تحقیق کرلو، ایسا نہ ہو کہ اس خبر پر بھروسہ کرکے تم کچھ لوگوں کے خلاف کارروائی کرڈالو اور بعد میں تمہیں اس پر ندامت اور شرمندگی ہو۔

ذمے دار انسان کا رویہ اختیار کرو

جس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی، اس کی تفصیل گزشتہ جمعے کو عرض کرچکا ہوں۔ (۲) اس آیت میں ایک عظیم ہدایت یہ ہے کہ مسلمان کا رویہ بڑے ذمے

---

(۱) سورۃ الحجرات آیت (٦)۔
(۲) یہ بیان آگے ''آواز بلند نہ کریں'' کے عنوان سے آرہا ہے، یہاں موضوع کی مناسبت سے تقدیم و تاخیر کی گئی ہے۔ از مرتب عفی عنہ

دار انسان کا رویہ ہونا چاہیے، یہ نہ ہو کہ جو بات کان میں پڑی، اس پر بھروسہ کرلیا اور اس کو آگے سنانا شروع کردیا اور اس کی بنیاد پر کسی کے خلاف کارروائی شروع کردی یا اس کی بنیاد پر کسی کے خلاف دل میں بدگمانی پیدا کرلی، یہ سب ناجائز ہیں اور ایک مسلمان کا شیوہ نہیں ہے، جب تک کسی معاملے کی پوری تحقیق نہ ہوجائے اور یہ ثابت نہ ہوجائے کہ یہ واقعہ سچا ہے، اس وقت تک اس پر نہ تو بھروسہ کرو اور نہ وہ خبر دوسروں کو سناؤ اور نہ اس کی بنیاد پر کوئی کارروائی کرو۔

زبان عظیم نعمت ہے

اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ جو زبان عطا فرمائی ہے، یہ اتنی بڑی اور عظیم نعمت ہے ہم جب چاہیں اور جو بات چاہیں، اپنی زبان سے نکال کر اپنے دل کی خواہش دوسرے تک پہنچا سکتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ایسا خودکار نظام بنادیا ہے کہ ادھر دل میں ایک خیال آیا اور اس کو دوسروں تک پہنچانے کا ارادہ ہوا ادھر دماغ سے لے کر زبان تک تمام سرکاری مشینیں حرکت میں آگئیں اور اسی لمحے آپ نے وہ بات دوسروں تک پہنچادی۔ اگر یہ کہا جاتا کہ جب تم کوئی بات دوسرے تک پہنچانا چاہتے ہو تو پہلے ایک سوئچ آن کرو اور پھر نمبر ملاؤ اور پھر دوسرے تک بات پہنچاؤ، جیسے ٹیلی فون میں کرنا پڑتا ہے۔ بتایئے! اس وقت کتنی مصیبت ہوتی کہ آدمی فوراً ایک بات دوسرے سے کہنا چاہتا ہے اور وہ دوسرا شخص سامنے موجود ہے، لیکن فوراً وہ بات اس تک نہیں پہنچا سکتے، بلکہ پہلے سوئچ آن کرنا پڑے گا، پھر نمبر ملانا پڑے گا، پھر بات پہنچا سکو گے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کاموں کی تکلیف نہیں دی، بلکہ ادھر دل میں ایک خیال آیا، ادھر آپ نے زبان سے اس کو ادا کردیا اور دوسروں کو اپنا خیال سنادیا۔

زبان کی قدر بے زبان سے پوچھیے

میں نے اپنی زندگی میں دو آدمی ایسے دیکھے کہ ان کا حال یہ تھا کہ ان کے گلے کا بانسہ جس سے آواز نکلتی ہے، وہ خراب ہوگیا تھا، اس کا نتیجہ یہ تھا کہ زبان تو حرکت کرتی تھی، لیکن آواز نہیں نکلتی تھی۔ ڈاکٹروں کے پاس گئے تو انہوں نے ایک آلہ تجویز کیا، اب جب بات کرنی ہوتی تو اس آلے کو وہ گلے پر لگاتا، پھر آواز نکلتی، لیکن وہ آواز ایسی نکلتی جیسے کوئی جانور بول رہا ہے اور بچے وہ آواز سن کر ہنستے تھے۔ میں اس شخص کی بے چینی دیکھتا کہ جب اس کو بات کہنی ہوتی تو پہلے وہ آلہ تلاش کرتا، پھر اس کو لگاتا اور گلے کو زور سے دباتا، تب جا کر بمشکل آواز نکلتی۔ دیکھ کر عبرت ہوئی کہ یہ بھی ایک انسان ہے، اس کا بھی یہ دل چاہتا ہے کہ میں اپنے دل کی بات جلدی سے دوسروں تک پہنچادوں، لیکن اسے اس پر قدرت نہیں۔ اللہ جل شانہ نے اپنے فضل وکرم سے زبان کی یہ نعمت ہمیں عطا فرمائی ہوئی ہے کہ اِدھر دل میں خیال آیا اُدھر دوسرے تک پہنچا دیا، درمیان میں کوئی وقفہ نہیں ہے۔

تمام مشینیں حرکت کر رہی ہیں

پڑھے لکھے لوگ جانتے ہیں کہ جب آدمی بات کرنا چاہتا ہے تو پہلے دل میں اس بات کا خیال آتا ہے، پھر وہ خیال دماغ میں جاتا ہے اور پھر دماغ کی طرف سے زبان کے لیے حکم جاری ہوتا ہے، پھر زبان بولتی ہے۔ دیکھیے! ایک طرف دل ہے جو سوچ رہا ہے، دوسری طرف دماغ ہے، جو حکم جاری کر رہا ہے اور تیسری طرف زبان ہے، جو حرکت کر رہی ہے اور پھر گلے کا پورا نظام کام کر رہا

ہے، جس کے نتیجے میں آواز باہر نکل رہی ہے، یہ مشینریاں صرف اس لیے حرکت میں ہیں تا کہ ہم اپنی بات دوسروں تک پہنچادیں، یہ اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے جو اللہ تعالیٰ نے بے مانگے مفت میں ہمیں عطا کر رکھی ہے۔

سوچ کر زبان کو استعمال کرو

اللہ تعالیٰ کا صرف ایک مطالبہ ہے، وہ یہ کہ یہ سرکاری مشینیں جو تمہیں دے دی گئی ہیں، بچپن سے لے کر بڑھاپے تک اور مرتے دم تک یہ مشینیں کام کر رہی ہیں، کبھی اس مشین کو ورکشاپ بھیجنا نہیں پڑتا، کبھی ان کی اوور ہالنگ نہیں کرانی پڑتی، کبھی ان کی سروس نہیں کرانی پڑتی، جو مشینیں مسلسل تمہارے ساتھ ہیں، ہمارا صرف ایک مطالبہ ہے، وہ یہ کہ جب تم اس زبان کو استعمال کرو تو سوچ سمجھ کر کرو کہ اس سے کیا نکال رہے ہو، یہ نہ ہو کہ زبان قینچی کی طرح چل رہی ہے، جو منہ میں آرہا ہے وہ زبان سے نکال رہے ہو، یہ دیکھے بغیر کہ اس سے فائدہ پہنچے گا، یا نقصان پہنچے گا، صحیح بات کہہ رہا ہوں، یا غلط بات کہہ رہا ہوں، یہ بات اللہ کو راضی کرنے والی ہے یا ناراض کرنے والی ہے۔ اس سرکاری مشین سے فائدہ اٹھاؤ، لیکن ذرا سوچ کر فائدہ اٹھاؤ۔

ایک ایک لفظ ریکارڈ ہو رہا ہے

قرآنِ کریم نے فرمادیا کہ

مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ (۱)

(۱) سورۃ ق آیت ۱۸.

انسان جو کلمہ بھی اور جو لفظ بھی زبان سے نکال رہا ہے، اس کو محفوظ کرنے والا اللہ تعالیٰ نے مقرر کر دیا ہے، جو ریکارڈ کر رہا ہے۔ آج سے پہلے تو ریکارڈ کرنے کا تصور کرنے میں دشواری ہوتی تھی کہ ایک ایک لفظ کس طرح ریکارڈ ہو رہا ہے، لیکن آج کل ٹیپ ریکارڈ اور دوسرے جدید آلات نے اس کا تصور آسان کر دیا ہے، اب صورت حال یہ ہے کہ جو لفظ بھی زبان سے نکالا وہ ریکارڈ ہو گیا، چاہے وہ اچھی بات ہو یا بری بات ہو، اسی طرح ہر ہر لفظ اللہ تعالیٰ کے یہاں ریکارڈ ہو رہا ہے، روزِ پیدائش سے لے کر آج تک کے اور مرنے تک تمام الفاظ ریکارڈ کرنے کا سسٹم اللہ تعالیٰ کے یہاں موجود ہے اور جب ہم اللہ تعالیٰ کے حضور پہنچیں گے تو وہاں پر وہ ریکارڈنگ سنا دی جائے گی کہ تم نے فلاں وقت میں فلاں بات کہی تھی، آج اس بات کا ثبوت پیش کرو جو تم نے کہی تھی، یہ بات تم نے صحیح کہی تھی یا غلط کہی تھی اور تمہارے پاس اس کا کیا ثبوت ہے؟

اس وقت کیوں محتاط گفتگو کرو گے؟

آج اگر لوگ ایک جگہ پر بیٹھے ہوں اور یہ پتہ ہو کہ سی آئی ڈی کی طرف سے یہاں پر ایک ٹیپ ریکارڈ لگا ہوا ہے اور جو شخص بھی جو بات کہے گا وہ ریکارڈ ہو جائے گی، بتاؤ! کیا اس وقت بھی اتنی آزادی سے بولو گے جیسے آج بولتے ہو؟ یا اس وقت بھی اسی طرح بے محابہ جو منہ میں آئے گا، بک جاؤ گے؟ نہیں، ایسا نہیں کرو گے، اس لیے کہ تمہیں معلوم ہے کہ یہاں سی، آئی، ڈی نے ٹیپ ریکارڈر لگایا ہوا ہے اور ایک ایک کلمہ ریکارڈ ہو رہا ہے اور اس کے نتیجے میں اگر یہ بات حکام بالا تک پہنچ گئی تو میں پکڑا جاؤں گا، اس لیے اس مجلس میں ہر شخص محتاط ہو کر گفتگو کرے گا۔

ذمے دار بننے کی فکر کریں

اللہ تعالیٰ نے تو چودہ سو سال پہلے سے یہ اعلان کر رکھا ہے کہ تمہاری ایک ایک بات اللہ تعالیٰ کے یہاں ریکارڈ ہو رہی ہے، لہٰذا جب بھی بولو تو سوچ سمجھ کر بولو کہ بات صحیح کہہ رہے ہو، یا غلط کہہ رہے ہو، ویسے افواہیں پھیلا رہے ہو، غیر ذمے دارانہ گفتگو کر رہے ہو، لوگوں پر الزام لگا رہے ہو، لوگوں کی غیبتیں کر رہے ہو، لوگوں کی دل آزاریاں کر رہے ہو، اللہ تعالیٰ کے یہاں سب باتوں کا جواب دینا ہوگا۔ یہ مت سمجھنا کہ بات زبان سے نکلی اور ہوا میں اُڑ گئی اور ختم ہوگئی، کوئی بات ختم نہیں ہوتی، بلکہ اللہ تعالیٰ کے یہاں محفوظ ہے۔ اس لیے قرآن کریم جو ہمارے لیے پیغام ہدایت ہے، وہ ہمیں ذمہ دار بننے کی تلقین کر رہا ہے، یہ نہ ہو کہ جو بات سنی وہ آگے چلتی کر دی۔

جھوٹ کی بدترین سواری

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قربان جایئے کہ آپ نے احادیث میں اس کی جو تشریحات فرمائی ہیں، اس میں ہمارے لیے مزید تنبیہ کا سامان ہے، انسان کی نفسیات سے اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ کون باخبر ہوسکتا ہے، ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"بِئْسَ مَطِيَّةُ الرجل زَعَمُوْا"- او کما قال-[1]

---

(۱) مسند احمد ۳۰۷/۲۸ (۱۷۰۷۵) وسنن ابی داود ۲۹۴/٤ (٤۹۷۲)۔ وذکرہ النووی فی "الاذکار" ص۳۷۹ (۱۱٤۷) وعزاہ الی ابی داود، وقال: باسناد صحیح۔

یعنی آدمی کے (جھوٹ) کی بدترین سواری یہ ہے کہ لوگ یہ کہتے ہیں، لوگوں کا خیال یہ ہے۔

یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا چھوٹا سا جملہ ہے، لیکن اس نے انسان کی ایک عظیم کمزوری کی نشاندہی کی ہے، وہ یہ کہ کچھ لوگ تو وہ ہوتے ہیں، جن کو جھوٹ بولنے میں کوئی باک نہیں ہوتا، غلط بات کہنے میں کوئی باک نہیں ہوتا، ایسے لوگ تو مجرم ہیں ہی، لیکن کچھ لوگ ایسے ہیں جو یہ سوچتے ہیں کہ میں جھوٹا نہ کہلاؤں، لوگ مجھے جھوٹا نہ کہیں، اگر کہیں جھوٹا ثابت ہوگیا تو پشیمانی اور ندامت ہوگی، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ایسے لوگوں نے جھوٹ بولنے کے لیے ایک حیلہ نکالا ہے، وہ حیلہ یہ ہے کہ براہِ راست جھوٹ بولنے کے بجائے یوں کہہ دیا جائے کہ لوگ ایسا کہتے ہیں، لوگوں کا یہ خیال ہے فلاں آدمی اتنے روپے لے کر کھا گیا، بظاہر کہنے والے نے اپنے سر سے ذمے داری ٹال دی اور لوگوں پر ڈال دی کہ لوگ کہتے ہیں، لیکن اس کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں پر ذمہ داری ڈال کر یہ بات لوگوں کے اندر پھیلا دوں۔ اب دو حال سے خالی نہیں یا تو تم لوگوں کو جھوٹا سمجھتے ہو یا سچا سمجھتے ہو، اگر لوگوں کو جھوٹا سمجھتے ہو تو پھر لوگوں کی بات کو آگے نقل کرنے کی تکلیف کیوں گوارا کررہے ہو؟ اگر سچ ہو تو بتاؤ! تمہارے پاس اس کی کوئی دلیل ہے یا نہیں؟ اگر تمہارے پاس ثبوت نہیں ہے اور تم اس کو پوری طرح سچ نہیں سمجھتے، تو پھر جس طرح براہ راست اس بات کو آگے نقل کرنا جرم اور گناہ ہے اور جھوٹ کے زمرے میں داخل ہے، اسی طرح اگر لوگوں کے سر پر رکھ کر اس بات کو بیان کروگے تو وہ بھی درحقیقت جرم اور گناہ ہوگا۔ اسی لیے حضور

اقدس ﷺ نے فرمایا کہ جھوٹ کی بڑی خراب سواری یہ جملہ ہے کہ "لوگ یہ کہتے ہیں"

لڑائیاں کیوں جنم لے رہی ہیں؟

یہ سب باتیں ذہن میں رکھ کر اپنے گردوپیش پر نظر دوڑا کر دیکھیے کہ آج ہمارے معاشرے میں کیا ہو رہا ہے؟ کس طرح افواہیں پھیلائی جا رہی ہیں؟ کس طرح بے بنیاد باتوں پر بھروسہ کر کے اسے آگے چلتا کیا جا رہا ہے؟ اور کس طرح بے بنیاد باتوں کی بنا پر بدگمانیاں دل میں پیدا کی جا رہی ہیں؟ آگے اسی سورت میں یہ بیان بھی آنے والا ہے کہ یہ بدگمانی بھی حرام ہے اور بے بنیاد خبروں کی بنیاد پر بدگمانی دل میں پیدا کر کے اس کے خلاف کارروائی کی جا رہی ہے۔ آج ہمارے معاشرے میں ان احکام کی خلاف ورزی قدم قدم پر نظر آئے گی اور یہی چیزیں ہیں جنہوں نے معاشرے کو فساد اور بگاڑ میں مبتلا کیا ہوا ہے، عداوتوں کی آگ بھڑک رہی ہے، دشمنیاں، بغض اور کینہ پیدا ہو رہا ہے، اختلافات اور جھگڑے ہو رہے ہیں، ان سب کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے نبی کریم ﷺ کی ان تعلیمات پر عمل کرنا چھوڑ دیا ہے۔

سارے جھگڑے ختم ہو جائیں

اگر آج ہم قرآنِ کریم کی اس ہدایت کو پلے باندھ لیں اور سرکار دو عالم ﷺ کی لائی ہوئی ہدایت کو پلے باندھ لیں تو نہ جانے کتنے جھگڑے، کتنے قصے اور کتنے اختلافات اپنی موت مر جائیں گے، سارے جھگڑے اس لیے پیدا ہو رہے ہیں کہ ہم ان بے بنیاد باتوں پر بھروسہ کیے بیٹھے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم

اور اپنی رحمت سے ہمیں ان ہدایات کو سمجھنے کی بھی توفیق عطا فرمائے اور ان پر عمل کرنے کی بھی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

آواز بلند نہ کریں

(اصلاحی خطبات ۱۶/ ۲۴۰)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آواز بلند نہ کریں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَاھَادِیَ لَہٗ، وَأَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَأَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا۔ أَمَّا بَعْدُ!

فاعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال اللہ تبارک وتعالی

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ

وَلَا تَجۡهَرُوۡا لَهٗ بِالۡقَوۡلِ كَجَهۡرِ بَعۡضِكُمۡ لِبَعۡضٍ اَنۡ
تَحۡبَطَ اَعۡمَالُكُمۡ وَ اَنۡتُمۡ لَا تَشۡعُرُوۡنَ ۝ اِنَّ الَّذِيۡنَ يَغُضُّوۡنَ
اَصۡوَاتَهُمۡ عِنۡدَ رَسُوۡلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ امۡتَحَنَ اللّٰهُ
قُلُوۡبَهُمۡ لِلتَّقۡوٰى ؕ لَهُمۡ مَّغۡفِرَةٌ وَّ اَجۡرٌ عَظِيۡمٌ ۝ اِنَّ
الَّذِيۡنَ يُنَادُوۡنَكَ مِنۡ وَّرَآءِ الۡحُجُرٰتِ اَكۡثَرُهُمۡ لَا
يَعۡقِلُوۡنَ ۝ وَ لَوۡ اَنَّهُمۡ صَبَرُوۡا حَتّٰى تَخۡرُجَ اِلَيۡهِمۡ لَكَانَ
خَيۡرًا لَّهُمۡ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ۝ (۱)

امنت باللّٰہ صدق اللّٰہ مولانا العظیم، وصدق رسولہ النبی الکریم، ونحن علی ذٰلک من الشاھدین والشاکرین، والحمد للّٰہ رب العالمین۔

تمہید

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! یہ سورۃ الحجرات کی ابتدائی چند آیات ہیں، جو میں نے آپ کے سامنے تلاوت کیں۔ پہلے ان آیات کا ترجمہ عرض کرتا ہوں، اس کے بعد ان کی تشریح عرض کروں گا، ان آیات کا ترجمہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اے ایمان والو! تم اپنی آوازیں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز سے بلند مت کرو اور نہ ان سے ایسے کھل کر بولا کرو جیسے آپس میں کھل کر ایک دوسرے سے بولا کرتے ہو، کہیں تمہارے اعمال برباد نہ ہوجائیں اور تم کو خبر بھی نہ ہو، بے شک جو لوگ اپنی آوازوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پست رکھتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن کے قلوب کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لیے خالص کردیا

(۱) سورۃ الحجرات آیت (۲تا۵)۔

ہے، ان لوگوں کے لیے مغفرت اور اجرِ عظیم ہے، جو لوگ آپ ﷺ کو حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں، ان میں سے اکثر لوگوں کو عقل نہیں ہے۔ اگر یہ لوگ صبر کرتے، یہاں تک کہ آپ خود باہر ان کے پاس آجاتے تو یہ ان کے لیے بہتر تھا، اللہ تعالیٰ بخشنے والے بڑے رحیم ہیں۔

دو حکم

ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کو دو حکم دیے گئے ہیں، ایک یہ کہ حضورِ اقدس ﷺ کی مجلس میں صحابہ کرام کو آواز بلند کرنے سے منع فرمایا ہے کہ جب حضورِ اقدس ﷺ مجلس میں بیٹھے ہوں تو اپنی آواز حضورِ اقدس سرورِ دو عالم ﷺ کی آواز پر بلند نہ کی جائے اور آپ سے پست آواز میں بات کی جائے۔ دوسرا حکم یہ دیا گیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ اپنے گھر میں تشریف فرما ہوں تو اس وقت گھر کے باہر سے حضورِ اقدس ﷺ کو آواز دینا، جیسا کہ بنو تمیم کے لوگوں نے ناواقفیت کی بناء پر ایسا طرزِ عمل اختیار کیا تھا کہ گھر کے باہر سے ہی آپ کو آواز دینا شروع کر دیا کہ ''یَا مُحَمَّدُ اُخْرُجْ اِلَیْنَا''(۱) اے محمد! ہمارے لیے باہر آئیے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو لوگ ایسا کر رہے ہیں ان کو سمجھ نہیں ہے، پھر فرمایا اگر وہ صبر کرتے، یہاں تک کہ آپ خود سے باہر تشریف لے آتے، اس وقت یہ لوگ آپ کی زیارت کرتے اور آپ سے ملاقات کرتے تو یہ ان کے لیے زیادہ بہتر تھا۔ بہر حال! یہ دو حکم ان آیات میں بیان فرمائے ہیں۔

---

(۱) تفسیر طبری ۳۴۶/۲۱ و۳۴۵ طبع دار ھجر. واصلہ فی سنن الترمذی ۳۰۷/۵ (۳۲۶۷) وقال ھذا حدیث حسن غریب۔

مجلسِ نبوی کا ایک ادب

پہلے حکم میں دراصل مجلس نبوی کا ایک ادب بیان فرمایا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے آپ کی آواز سے زیادہ آواز بلند کرنا یا بلند آواز سے اس طرح گفتگو کرنا جیسے آپس میں ایک دوسرے سے بے محابہ گفتگو کیا کرتے ہیں، یہ ایک قسم کی بے ادبی اور گستاخی ہے، چنانچہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ڈر گئے اور ان کی یہ حالت ہوگئی کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! قسم ہے کہ اب مرتے دم تک میں آپ سے اس طرح بولوں گا جیسے کوئی کسی سے سرگوشی کرتا ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ حالت ہوگئی کہ وہ اس قدر آہستہ بولنے لگے کہ بعض اوقات ان سے دوبارہ پوچھنا پڑتا تھا کہ آپ نے کیا کہا۔ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ طبعی طور پر بہت بلند آواز والے تھے، یہ آیت سن کر بہت ڈر گئے اور روئے اور اپنی آواز کو گھٹایا(۱)۔

دوسرے کو تکلیف نہ پہنچے

یہ حکم اگرچہ براہ راست ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موجودگی میں ایسا نہ کریں، اس لیے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ادنیٰ تکلیف پہنچانا انسان کے ایمان کو خطرے میں ڈال دیتا ہے، اس لیے فرمایا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے اس عمل سے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کوئی تکلیف پہنچے اور اس کے نتیجے میں تمہارے سارے اعمال غارت ہوجائیں، لیکن اس کے ضمن میں ایک عمومی ہدایت یہ بھی

---

(۱) ملاحظہ فرمائیے سنن الترمذی ۳۰۶/۵ (۳۲۶۶) وقال هذا حديث حسن غريب، ومسند أحمد ۳۹۱/۱۹ (۱۲۳۹۹) وصحيح البخاری ۲۰۱/٤ (۳٦۱۳).

دی گئی ہے کہ کسی بھی انسان کو دوسرے انسان سے کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ حدیثِ شریف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ"(۱)

مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے کسی دوسرے کو کوئی تکلیف نہ پہنچے۔

یہ حکم حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملے میں تو انتہائی سنگین ہے، لیکن اگر کسی اور انسان کے ساتھ بھی ناحق معاملہ کیا جائے، خاص طور پر اس وقت جب کہ وہ ''مسلمان'' بھی ہو، یہ بھی گناہ ہے، انسان کے لیے قابلِ احتراز ہے۔

بلند آواز سے بات کرنا پسندیدہ نہیں

یہ جو حکم فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں اپنی آواز بلند مت کرو، بلکہ آہستہ آواز سے بات کرو، یہ حکم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں تو بہت زیادہ مؤکد ہے، لیکن قرآن کریم نے دوسری جگہ عام انسانوں کی گفتگو میں بھی بہت زیادہ بلند آواز سے بات کرنے کو پسند نہیں فرمایا، چنانچہ سورۂ لقمان میں فرمایا:

وَاقْصِدْ فِي مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ إِنَّ أَنْكَرَ الْأَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيرِ (۲)

یعنی اپنی چال میں میانہ روی اختیار کرو اور اپنی آواز کو

---

(۱) صحیح البخاری ۱/۱۱(۱۰)۔
(۲) سورۃ لقمان آیت (۱۹)۔

آہستہ کرو، بے شک سب سے بدترین آواز گدھے کی
آواز ہے۔

اس لیے کہ گدھے کی آواز بلند ہوتی ہے اور دور تک جاتی ہے، لہٰذا یہ اچھی بات نہیں کہ آدمی اتنی زور سے بولے جو ضرورت سے زیادہ ہو اور اس کی وجہ سے دوسرے انسان کو تکلیف ہو۔

بلند آواز سے کان میں خلل ہوجانا

آج کل کے اطباء اور ڈاکٹر صاحبان یہ کہتے ہیں کہ اگر آدمی بہت زیادہ بلند آواز میں باتیں کرتا رہے اور دوسرے کے کان میں مسلسل وہ آواز جائے تو اس کے نتیجے میں انسان کے کان میں خلل پیدا ہوجاتا ہے اور رفتہ رفتہ اس کے سننے کی طاقت کمزور پڑ جاتی ہے۔ لہٰذا اتنی زور سے بولنا جو دوسرے انسان کی تکلیف کا سبب ہو، اس سے منع کیا گیا ہے، یہاں تک کہ جب آدمی کسی مجمع سے خطاب کر رہا ہو تو اس کے بارے میں بھی ادب یہ ہے کہ آواز صرف اتنی بلند کی جائے کہ مجمع کے آخر میں بیٹھنے والے تک آواز پہنچ جائے، اس سے زیادہ بلند کرنا ادب کے خلاف ہے، پسندیدہ نہیں ہے، خاص طور پر اس وقت جب اس بلند آواز کے نتیجے میں آس پاس کے لوگوں کو تکلیف پہنچتی ہو، تو یہ کبیرہ گناہ ہے، کیونکہ آپ ناحق لوگوں کو تکلیف پہنچا رہے ہیں۔

لاؤڈ اسپیکر کا غلط استعمال

جب سے یہ "لاؤڈ اسپیکر" وجود میں آیا ہے، اللہ بچائے اس وقت سے

ہمارے معاشرے میں اس کا اتنا غلط استعمال ہو رہا ہے، جو سراسر گناہ ہے، بعض اوقات لوگ اپنی تقریبات میں شادیوں میں لاؤڈ اسپیکر پر گانا بلند آواز سے لگا دیتے ہیں، اول تو گانا بجانا ہی ناجائز ہے اور پھر وہ آواز اتنی بلند ہوتی ہے کہ اس کی وجہ سے سارے محلہ والے پریشان ہوتے ہیں، اگر کوئی سونا چاہتا ہے تو وہ سو نہیں سکتا۔ اگر کوئی بیمار ہے اور سکون چاہتا ہے تو اس کو سکون نہیں ملتا، اس طرح اس ایک عمل کی وجہ سے ڈبل گناہ ہو رہا ہے۔ ایک ناجائز بات کی تشہیر کرنے کا گناہ، دوسرے لوگوں کو تکلیف میں مبتلا کرنے کا گناہ۔

دین کے نام پر ناجائز کام کرنا

افسوس یہ ہے کہ جو گانا بجانے والے لوگ ہیں ان کو تو چلو فکر ہی نہیں ہے کہ کیا چیز گناہ ہے اور کیا ثواب ہے؟، لیکن جو لوگ دین کے نام پر کام کرنے والے ہیں، جن کو دین کا نمائندہ سمجھا جاتا ہے، ان کو بھی اس مسئلے کا اہتمام نہیں، چنانچہ لاؤڈ اسپیکر پر وعظ و تقریر ہو رہی ہے یا نعتیں پڑھی جا رہی ہیں یا قوالی ہو رہی ہے، اب اس کی وجہ سے سارا محلہ جاگ رہا ہے، جب تک وہ پروگرام ختم نہیں ہوگا، اس وقت تک کوئی آدمی سو نہیں سکتا، اس میں ڈبل گناہ ہے، اس لیے کہ یہ گناہ کا کام دین کے نام پر کیا جا رہا ہے، اگر کوئی بیمار اس آواز کی وجہ سے پریشان ہے اور تکلیف میں ہے، لیکن وہ اس لیے کچھ نہیں کہتا کہ اس کو یہ ڈر ہے کہ یہ تو وعظ اور تقریر ہو رہی ہے، میرا کچھ کہنا دین کے خلاف نہ ہو جائے، اس ڈر سے لوگ خاموش رہتے ہیں، حالانکہ یہ سنگین گناہ ہے۔

ایک واعظ کا واقعہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ روایت میں آتا ہے کہ آپ جس حجرہ میں مقیم تھیں اور جس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا روضہ اقدس واقع ہے، بعض اوقات ایک واعظ صاحب وعظ کہنے کے لیے آتے اور مسجد نبوی میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ کے سامنے بلند آواز سے وعظ کہنا شروع کردیتے تھے، اس زمانے میں لاؤڈ اسپیکر تو نہیں تھا، لیکن آواز بہت بلند تھی، کافی دیر تک وہ تقریر کرتے رہتے تھے، ان کی آواز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں آتی تھی، اب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنی عبادت یا کام میں مشغول ہوتیں یا آرام کر رہی ہوتیں تو اس آواز سے ان کو تکلیف ہوتی۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس وقت کے خلیفہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے پاس شکایت کی کہ یہ واعظ صاحب یہاں آکر اتنی بلند آواز میں تقریر کرتے ہیں کہ مجھے اس کی وجہ سے تکلیف ہوتی ہے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ان کو بلوایا اور ان کو سمجھایا کہ بے شک دین کی بات کہنا اچھی بات ہے، لیکن اس طرح کہنا چاہیے جس سے لوگوں کو تکلیف نہ پہنچے، لہٰذا آئندہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے کے سامنے اس طرح تقریر مت کرنا، اگر وعظ کرنا ہے تو کسی اور جگہ پر جا کر کرو، اگر وہیں پر وعظ کرنا ہے تو اتنی آواز سے کرو کہ وہ آواز صرف سننے والوں کی حد تک محدود رہے، دور تک نہ جائے۔

مار مار کر یہ سونٹا توڑ دوں گا

کچھ دن تک تو وہ واعظ صاحب خاموش رہے، لیکن بعض لوگ جذباتی قسم کے ہوتے ہیں، ان کو وعظ کے بغیر چین نہیں آتا، وہ صاحب بھی اسی طرح کے

تھے، چنانچہ چند روز کے بعد دوبارہ اسی طرح مجمع جمع کیا اور بڑی زور سے تقریر شروع کردی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دوبارہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے شکایت کی کہ ان صاحب نے دوبارہ وہی سلسلہ شروع کردیا ہے، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ان صاحب کو بلایا اور فرمایا میں نے پہلی مرتبہ تم کو سمجھایا تھا، معلوم ہوا کہ تم نے دوبارہ یہ حرکت شروع کردی ہے۔ اب اگر تیسری مرتبہ تمہاری یہ شکایت آئی تو پھر یہ جو میرے ہاتھ میں سونٹا ہے، اس کے ذریعے مار مار کر یہ سونٹا توڑ دوں گا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شکایت پر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اتنے سخت الفاظ اس واعظ سے ارشاد فرمائے۔ (۱)

بلند آواز سے قرآن شریف پڑھنا

اس مسئلے میں کسی فقیہ کا کسی امام کا اختلاف نہیں، ساری امت کے فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ ایسی بلند آواز سے کوئی بھی کام کرنا، چاہے وہ دین کا کام ہو، جس سے دوسرے لوگوں کے کاموں میں اس طرح خلل واقع ہو کہ اگر کوئی سونا چاہے تو وہ نہیں سوسکتا، اگر کوئی بیمار ہے تو اس کی وجہ سے وہ تکلیف میں مبتلا ہے، ایسا کام کرنا بالکل حرام اور اگر ایسا کام دین کے نام سے کیا جائے تو ڈبل حرام ہے، اس لیے کہ اس کے ذریعے سے دین کی غلط نمائندگی کی جارہی ہے، چنانچہ فقہاءِ کرام نے لکھا ہے کہ ایسی جگہ پر قرآنِ کریم بلند آواز سے نہ پڑھیں، جہاں لوگ سو رہے ہوں یا جہاں پر لوگ اپنے کاموں کے اندر مشغول ہیں اور

(۱) یہ قصہ مختلف الفاظ کے ساتھ وارد ہوا ہے، ملاحظہ ہو تاریخ المدینة لابن الشبة ۱۵/۱، قوت القلوب لأبی طالب المکی ۱۲۳/۱ (طبع دار الکتب العلمیة) وإحیاء علوم الدین الغزالی ۱۵۸/۱. ازمرتب عفی عنہ

اس کے نتیجے میں وہ یا تو قرآنِ کریم سے بے التفاتی برتیں گے یا ان کے کاموں میں خلل واقع ہوگا۔ اس طرح کے بے شمار احکام ہمیں شریعت نے بتائے ہیں کہ دین کا کام بھی اس طرح کرو کہ اس سے حتی الامکان دوسرے کو تکلیف نہ پہنچے۔

تہجد کے لیے اٹھتے وقت آپ کا انداز

حدیث شریف میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب تہجد کی نماز کے لیے اٹھتے تھے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سو رہی ہوتی تھیں تو آپ کس انداز سے اٹھتے تھے؟ اس کے بارے میں خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"قَامَ رُوَيْدًا وَفَتَحَ الْبَابَ رُوَيْدًا"[1]

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دھیرے سے اٹھتے تھے اور دروازہ دھیرے سے کھولتے تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی آنکھ کھل جائے، حالانکہ اگر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کسی عمل کی وجہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی آنکھ کھل بھی جاتی تو شاید ان کو تکلیف محسوس بھی نہ ہوتی، بلکہ وہ اس کو اپنے لیے سعادت سمجھتیں، اس کے باوجود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کوشش یہ تھی کہ میرے کسی عمل سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ادنیٰ تکلیف بھی نہ پہنچے اور ان کی نیند میں خلل واقع نہ ہو، نماز پڑھ رہے ہیں تو اس انداز سے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو تکلیف نہ ہو۔ یہ ہے ہمارا دین، جس نے ہر چیز کو اس کے مقام پر رکھا ہے، لیکن افسوس یہ ہے کہ ہم لوگ اپنے دین کے احکام اور تعلیمات سے غافل ہو کر جو سمجھ میں آرہا ہے کر رہے ہیں اور پھر اس کو اپنے دین کی طرف منسوب کر رہے ہیں، یہ انتہائی

(۱) صحیح مسلم ۲/۶۶۹(۹۷٤)۔

خطرناک بات ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے محفوظ رہنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

قانون کب حرکت میں آتا ہے

بہر حال! لاؤڈ اسپیکر کا استعمال جس بری طرح ہورہا ہے اور جس طرح لوگوں کے لیے تکلیف کا سبب بن رہا ہے، جب کہ حکومت نے بھی یہ قانون بنا رکھا ہے کہ لاؤڈ اسپیکر کا غلط استعمال نہ ہو، لیکن اس معاشرے میں قانون کی کوئی وقعت اور کوئی قیمت نہیں، یہ قانون صرف اس وقت حرکت میں آتا ہے، جب حکومت کو کسی شخص سے عداوت ہوجائے، اس وقت ''لاؤڈ اسپیکر ایکٹ'' سامنے آجاتا ہے، لیکن آج دن رات اس قانون کی خلاف ورزی ہورہی ہے، مگر کوئی دیکھنے والا، کوئی سننے والا نہیں۔ بہر حال! ان آیات نے ہمیں ایک ہدایت تو یہ دی کہ آواز بھی اتنی رکھو جس سے مقصد حاصل ہوجائے۔ آپ کو ایک پیغام پہنچانا ہے تو جس آواز سے دوسرا سن لے بس اس حد پر اس آواز کو رکھو، اس سے زیادہ آواز کو بڑھانا جو دوسروں کی تکلیف کا سبب بن جائے، اس سے ان آیات میں منع فرمایا گیا ہے۔

اللہ کے ذکر کے لیے آواز پست رکھنے کا حکم

ایک مرتبہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ایک غزوہ میں تشریف لے جا رہے تھے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ساتھ تھے، رات کے وقت سفر ہورہا تھا، سفر کے دوران بسا اوقات لوگ یہ چاہتے ہیں کہ کسی طرح وقت کٹے، چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سفر

کے دوران بلند آواز سے ذکر شروع کر دیا اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی تحمید و تقدیس بلند آواز سے شروع کر دی، حضور ﷺ نے ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے خطاب کر کے فرمایا:

"اِنَّکُمْ لَا تَدْعُوْنَ اَصَمَّ وَلَا غَائِباً"(۱)

یعنی تم بہری ذات کو نہیں پکار رہے ہو اور نہ کسی ایسی شخصیت کو پکار رہے ہو جو تم سے غائب ہے، بلکہ تم تو اللہ تعالیٰ کو پکار رہے ہو اور اس کو پکارنے کے لیے بلند آواز کی ضرورت نہیں، اگر تم آہستہ آواز سے بھی پکارو گے تو اللہ تعالیٰ سن لیں گے، اللہ تعالیٰ تو ہر جگہ موجود ہے اور ہر ایک کی بات سنتے ہیں۔ حضور ﷺ نے یہ تعلیم قرآن کریم کے عین مطابق دی، اس لیے کہ قرآن کریم میں ہے:

اُدْعُوْا رَبَّکُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْیَةً (۲)

یعنی اپنے رب کو عاجزی کے ساتھ اور آہستگی سے پکارو۔

اس لیے دعا میں، ذکر میں، درود شریف میں آواز بلند کرنے کی کوئی ضرورت نہیں اور اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کو سنانا مقصود ہے اور اللہ تعالیٰ کو سنانے کے لیے آواز کو بلند کرنے کی ضرورت نہیں، آہستگی سے بھی کرو گے تو اللہ تعالیٰ سن لیں گے۔

آواز نکلنا بڑی نعمت ہے

یہ آواز کی نعمت جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں دے رکھی ہے، یہ ایسی نعمت ہے کہ

(۱) صحیح البخاری ۵۷/۴ (۲۹۹۲)۔
(۲) سورۃ الاعراف آیت (۵۵)۔

اگر کبھی یہ نعمت سلب ہوجائے، تو اس وقت انسان اس کو حاصل کرنے کے لیے ساری دنیا کی دولت خرچ کرنے کے لیے تیار ہوجائے گا، جب آواز بند ہوجاتی ہے تو آدمی کو ایسی بے چینی اور بے تابی ہوجاتی ہے کہ آدمی اپنے دل کی بات کہنا چاہتا ہے، لیکن نہیں کہہ سکتا، لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمیں گھر بیٹھے مفت میں یہ دولت دے رکھی ہے اور اس کے ذریعے ہم اپنی آواز دوسروں تک پہنچا کر اپنا مفہوم واضح کردیتے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے، لہٰذا ایک طرف تو اس کا شکرادا کرنا چاہیے، دوسرے یہ کہ اس کو صحیح جگہ پر استعمال کرنا چاہیے، غلط جگہ پر استعمال سے پرہیز کرنا چاہیے اور حد سے زیادہ استعمال نہ ہو، بس جتنی ضرورت ہے اتنی ہی استعمال ہو۔

خلاصہ

یہ سب دین کے احکام ہیں جو ہمیں ان آیات سے مل رہے ہیں، افسوس یہ ہے کہ ہم نے دین کو نماز روزے کی حد تک محدود کرلیا ہے اور زندگی کے دوسرے شعبوں میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں جو ہدایات عطا فرمائی ہیں، ان کو ہم دین کا حصہ ہی نہیں سمجھتے، جس کی وجہ سے آج ہم معاشرتی فساد میں مبتلا ہیں، اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہمیں اپنے دین کی صحیح سمجھ عطا فرمائے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

مواعظِ عثمانی

اصلاحی تقاریر و مضامین کا موضوع وار مجموعہ



شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کے جملہ مواعظ، خطبات اور تحریرات کا تخریج شدہ جامع اور مستند ترین موضوع وار مجموعہ ہے، اس مجموعہ میں حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کی درج ذیل کتب کا استیعاب کیا گیا ہے:

- حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا
- اصلاحی خطبات
- اصلاحی مواعظ
- اصلاحی مجالس
- خطباتِ عثمانی
- خطبات دورۂ ہند
- درسِ شعب الایمان
- نشری تقریریں
- فرد کی اصلاح
- اصلاحِ معاشرہ
- تربیتی بیانات
- ذکر و فکر
- the Islamic Months

اس کے علاوہ

- آسان ترجمہ قرآن
- اسلام اور ہماری زندگی
- انعام الباری
- تقریرِ ترمذی
- جہانِ دیدہ
- سفر در سفر
- دنیا مرے آگے
- اسلام اور جدید معاشی مسائل
- ہمارا معاشی نظام

کے منتخب مضامین، ماہنامہ البلاغ اور دیگر مجموعوں اور رسائل میں شامل شدہ، اور بعض صوتی صورتوں میں محفوظ شدہ حضرت والا دامت برکاتہم کے بیانات و خطبات کو شامل کیا گیا ہے، جس سے علماء، طلباء، خطباء اور عام پڑھے لکھے حضرات بآسانی استفادہ کر سکتے ہیں۔

مکتبہ معارف القرآن کراچی
(Quranic Studies Publishers)